تحریک ختم نبوت

حصہ دوم

(۱۸۹۷ء تا ۱۹۰۵ء)

ڈاکٹر محمد بہاء الدین

مکتبہ قدوسیہ لاہور

نام کتاب ۔ تحریک ختم نبوت، حصہ دوم، ۱۸۹۷ء تا ۱۹۰۵ء
تالیف ۔ ڈاکٹر محمد بہاء الدین
طبع ۔ دوم (نظر ثانی شدہ)
سن طباعت ۔ ۲۰۰۶ء
زیر اہتمام ۔ مکتبہ قدوسیہ ۔ اردو بازار لاہور

كلمة الناشر

فہرست مضامین

سیاق کلام

فروری ۱۸۹۳ء میں مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب آئینہ کمالات اسلام شائع ہوئی۔ اس کتاب میں انہوں نے بڑے فخر سے اپنے آپ کو مناظرانہ رنگ میں پیش کر کے مسلمانوں کو چیلنج کیا کہ آپ لوگ میرا مباحثہ کسی پادری سے کیوں نہیں کراتے؟ اس چیلنج سے مرزا صاحب کا مطلب یہ دعویٰ کرنا تھا کہ صرف وہی، عیسائیوں کا منہ بند کرنے اور اسلام پر ان کے حملوں کا مؤثر جواب دینے کی استعداد رکھتے ہیں۔ پھر ہوا یہ کہ محمد بخش نامی ایک شخص کے ذریعہ سے عیسائیوں کے ساتھ مباحثہ کی تحریک اٹھی اور اسی سال مئی ۱۸۹۳ء میں بمقام امرتسر عیسائیوں سے مرزا صاحب کا مباحثہ ٹھن گیا جو ڈپٹی عبداللہ آتھم عیسائی کے ساتھ پندرہ روز تک جاری رہا (اس مباحثہ کا حال ہم حصہ اول میں بیان کر چکے ہیں) بحث کے دوران جب مرزا صاحب عیسائیوں کو خاموش نہ کر سکے تو اپنا کمال ظاہر کرنے کے لیے مباحثے کے آخر میں الہام کا سہارا لے کر ایک پیش گوئی فرما دی، جو درج ذیل ہے:

'میں حیران تھا کہ اس بحث میں کیوں مجھے آنا پڑا۔ معمولی بحثیں تو اور لوگ بھی کرتے ہیں۔ اب یہ حقیقت کھلی کہ اس نشان کے لیے وقت تھا۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیش گوئی جھوٹی نکلی، یعنی وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے، وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے، بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے، تو میں ہر ایک سزا اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جائے۔ رو سیاہ کیا جاوے۔ میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جاوے۔ مجھ کو پھانسی دیا جاوے۔ ہر ایک بات کے لیے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا۔ زمین آسمان بدل جائیں، پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی'۔ (جنگ مقدس)

۱۸۹۳ء ہی میں مرزا صاحب نے اپنی زندگی کا واحد مباہلہ بھی کیا تھا جو مولانا عبدالحق غزنویؒ سے امرتسر کی عیدگاہ کے میدان میں ۱۰ ذیقعد ۱۳۱۰ھ مطابق ۲۷ مئی ۱۸۹۳ء کو اسی مباحثے کے دوران ہوا تھا۔ اس مباہلے کے بارے میں مرزا صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

’عبدالحق غزنوی ثم امرتسری نے مجھ سے مباہلہ چاہا۔مگر میں مدت تک اعراض کرتا رہا۔ آخراس کے نہایت اصرار سے مباہلہ ہوا‘ (روحانی خزائن جلد ۱۱ (انجام آتھم)ص ۶۴)

اس مباہلے کے کچھ ہی عرصہ بعد جب بعض لوگ ، مرزا صاحب کو ایک اور مباہلے کی طرف بلانے لگے تو آپ نے اپنے ایک نہایت معتمد خدمتگار مرید منشی رستم علی (جو محکمہ پولیس میں ملازم تھے) کو ایک خط کے جواب میں لکھا

’بات یہ ہے کہ جب یہ عاجز امرتسر گیا اور جاتے ہی عاجز نے ایک خط رجسٹری کرا کر عبدالحق (غزنوی) کو مباہلہ کے لیے بھیجا کہ تم اس وقت مجھ سے مباہلہ کرلو...... (پھر) تاریخ مقررہ پر عبدالحق مباہلہ پر آ گیا اور امرتسر میں جو بیرون دروازہ رام باغ عیدگاہ متصل مسجد ہے اس میں مباہلہ ہوا اور کئی سو آدمی جمع ہوئے۔ یہاں تک کہ بعض انگریز پادری بھی آئے اور ہماری جماعت کے احباب شاید چالیس کے قریب تھے......اب جب تک پہلے مباہلہ کا فیصلہ نہ ہو۔ دوسرا مباہلہ کیونکر ہو‘ غلام احمد ۱۹۔ اگست ۱۸۹۳ء

(مکتوبات احمدیہ جلد ۵ ص ۱۲۱۔۱۲۲)

اس خط میں مرزا صاحب اپنے مرید کو بتا رہے ہیں کہ ابھی تک سابقہ مباہلے کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا ہے اور جب تک اس پہلے مباہلے کا نتیجہ برآمد نہ ہو دوسرا مباہلہ کیونکر ہو؟ تاہم یہ بات قابل غور ہے کہ اگر ایک بار بذریعہ مباہلہ فیصلہ ہو جائے تو نئے مباہلے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے کہا جائے کہ اے خدا تو اپنے فیصلہ پر نظر ثانی فرما۔خدا تعالیٰ کا فیصلہ غلط تو ہو نہیں سکتا کہ اس کی بارگاہ میں دوبارہ مقدمہ دائر کرنے یا نظر ثانی کی درخواست دینے کی ضرورت پڑے؟ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ مرزا صاحب کا اپنے مرید کو دوسرے مباہلے کی بات لکھنا ہی درست نہیں تھا۔اس کے علاوہ اس خط سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مرزا صاحب سمجھتے تھے کہ ۱۹۔ اگست ۱۸۹۳ء تک قادیانی اور غزنوی مباہلے کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ نیز اس خط سے مرزا صاحب کا یہ موقف بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ جب تک پہلے مباہلے کا فیصلہ نہ ہو دوسرا مباہلہ بلا ضرورت ہوتا ہے اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ مرزا صاحب کے نزدیک مباہلے کے فیصلہ کی صورت یہ تھی کہ مباہلہ کرنے والوں میں سے ایک مباہل اپنے انجام کو پہنچ کر دوسرے کو سچا ثابت کر جائے ، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

’یہ کہاں لکھا ہے کو جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے......ہم نے تو اپنی تصانیف میں ایسا

نہیں لکھا۔ لاؤ پیش کرو۔ وہ کون سی کتاب ہے جس میں ہم نے ایسا لکھا ہے۔ ہم نے تو یہ لکھا ہوا ہے کہ مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہوا کرتا ہے۔ ہاں اتنی بات صحیح ہے کہ سچے کے ساتھ جو جھوٹے مباہلہ کرتے ہیں وہ سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ (ملفوظات مرزا غلام احمد، جلد ۹ص ۴۴۰۔۴۴۱)

مرزا غلام احمد کو ۱۹۰۸ء میں موت آئی اور مولانا عبدالحق غزنویؒ ۱۹۱۷ء میں فوت ہوئے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ۱۸۹۶ء میں دونوں مباہل زندہ تھے اور ان دونوں کے زندہ ہونے کا مطلب مرزا صاحب کے نزدیک یہ تھا کہ ۱۸۹۶ء تک ۱۸۹۳ء والے مباہلے کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ اور جب اس سابقہ مباہلے ہی کا فیصلہ نہیں ہوا تھا تو منشی رستم علی کو لکھے جانے والے خط کی رو سے ۱۸۹۶ء میں نئے مباہلے یا اس قسم کے چیلنج کا جواز نہیں نکلتا تھا۔

۱۸۹۳ء والے مباحثے میں مرزا صاحب کا مدمقابل عیسائی مناظر ڈپٹی آتھم تھا جس کی بابت آپ نے ۵ جون ۱۸۹۳ء کو پیش گوئی کی تھی کہ وہ پندرہ ماہ تک بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ اس پیش گوئی کے پورا ہونے کی انتہائی تاریخ ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء تھی۔ جب اس پیش گوئی کی مدت ختم ہوگئی اور آتھم نہ مرا، تو پورے ہندوستان میں مرزا صاحب کا مذاق اڑایا گیا۔ چاروں طرف سے ان پر حملوں کی بوچھاڑ ہونے لگی اور ان کا ایک سرکردہ مرید یہ صورت حال دیکھ کر عیسائی ہوگیا اور عام طور پر یہ کہا گیا کہ مرزائیوں اور عیسائیوں کے مقابلے میں مرزائی ہار گئے ہیں۔ اس موقع پر بہت سے کارکنان تحریک ختم نبوت نے مرزا صاحب کو آڑے ہاتھوں لیا اور بعد میں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ قادیانیوں کی یادداشت کو تازہ کرنے کی خاطر انہیں اکثر بتایا کرتے تھے کہ تمہارے

'مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ مجھے خدا نے بتایا ہے کہ تیری فتح ہوگی۔ فریق مخالف جو انسان کو خدا بنا رہا ہے پندرہ مہینوں میں بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جاوے گا۔ اس روز حق کی فتح ہوگی، لنگڑے چلیں گے' اندھے دیکھیں گے، وغیرہ۔ اور اہل حق سے یہاں مراد تمہارے مرزا صاحب کی ذات خاص تھی اور اہل باطل سے مراد ڈپٹی آتھم عیسائی اور اس کی پارٹی تھی۔ اس وضاحت کی روشنی میں ۶ ستمبر ۱۸۹۵ء کی تاریخ یاد کرو کہ ڈپٹی آتھم عیسائی کی میعاد موت گزرنے پر جب وہ زندہ رہا تو پبلک نے تمہارے مرزا صاحب کے حق میں کیا کیا کہا تھا، عیسائی پارٹی پیش گوئی کے خاتمہ پر بڑے مزے سے اچھلتی پھرتی

تھی اور اشعار گاتی تھی...... جن میں سے چند ایک یہ ہیں

ایسی مرزا کی گت بنائیں گے
سارے الہام بھول جائیں گے
خاتمہ ہووے گا نبوت کا
پھر فرشتے کبھی نہ آئیں گے

اور

غضب تھی تجھ پہ ستم گر چھٹی ستمبر کی
نہ دیکھی تو نے نکل کر چھٹی ستمبر کی
ذلیل و خوار ندامت چھپا رہے تھے کہ
تھا تیرے مریدوں پر محشر چھٹی ستمبر کی
ہے قادیانی جھوٹا مرا نہیں آتھم
یہ گونج اٹھا امرتسر چھٹی ستمبر

اور

پنجۂ آتھم سے مشکل ہے رہائی آپ کی
توڑ ہی ڈالیں گے وہ نازک کلائی آپ کی
کچھ کرو شرم و حیاء تاویل کا اب کام کیا
بات اب بنتی نہیں کوئی بنائی آپ کی
ڈھیٹھ اور بے شرم بھی دنیا میں ہوتے ہیں مگر
سب پہ سبقت لے گئی ہے بے حیائی آپ کی

اور قادیانی گوشہ نشین تھے ایسے دم بخود کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں بلاؤ تو جواب نہیں دیتے۔

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکیلیاں سوجھے ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

اور مولانا عبدالحق غزنویؒ اپنی فتح اور قادیانی کی شکست ظاہر کرنے کو آتھم والے معاملے کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہے تھے۔

مدد ہے مباہل کو یہ آسمانی ہوئی جس سے ہے ذلت قادیانی

(اہل حدیث امرتسر ۹۔ اگست' ۶۔ ستمبر' دسمبر ۱۹۳۵ء)

ادھر مرزا صاحب سے بات بنائے نہیں بن رہی تھی تاہم انہوں نے اپنی مخالفت کا زور توڑنے اور ڈپٹی آتھم کو نئے دام میں پھنسانے کے لیے اسے قسم اٹھانے کی دعوت دی اور چیلنج کیا کہ اگر آتھم قسم کھائے کہ میں مرزا کی پیشگوئی سے نہیں ڈرا تو اس کی موت کے لیے ایک سال کی مدت ہوگی۔ لیکن آتھم جو سالہا سال تک مجسٹریٹ رہ چکا تھا اور خوب سرد و گرم چشیدہ تھا مرزا صاحب کے دام میں کیسے آتا؟ اس نے کہا منہ سنوار کر چلتے بنو۔ ایک دفعہ جس کو پچھاڑ دیا پھر اس کو منہ لگانا اچھا نہیں۔ اس پر مرزا صاحب نے اپنی پیش گوئی کی تاویلیں شروع کر دیں کہ ہاویہ کا مطلب موت نہیں، پریشانی ہے اور آتھم پیش گوئی کے عرصہ میں مستقل طور پر ایک جگہ مقیم نہیں رہا، بلکہ ادھر ادھر پھرتا رہا ہے، اس سے اس کی پریشانی ظاہر ہو جاتی ہے اور سفر ویسے بھی مصیبت ہی ہوتا ہے۔ نیز مرزا صاحب نے یہ بھی کہا کہ آتھم پیش گوئی کو سنتے ہی یعنی جون ۱۸۹۳ء میں ہی ڈر گیا تھا اس لیے وہ ہاویہ میں گرائے جانے سے بچ گیا ہے۔ پھر آتھم والی پیش گوئی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ

'وہاں تو یہ لکھا ہوا کہ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ یہ تو نہیں لکھا کہ بشرطیکہ مسلمان ہو جائے۔ اس سے پہلے وہ رسول اللہ ﷺ کو نعوذ باللہ دجال لکھ چکا تھا اور یہی وجہ مباحثہ کی تھی اور پھر جب میں نے پیش گوئی سنائی تو اس نے اسی وقت کانوں پر ہاتھ دھرے۔' (ملفوظات، جلد ۴ ص ۱۵۸)

مرزا صاحب کی ان تاویلات کے رد میں بہت سے اکابرین تحریک ختم نبوت نے قلم اٹھایا تھا لیکن ہم اس موضوع پر ایک غیر معروف کارکن کی تحریر آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس بزرگ کا نام مولوی محمد مہر دین میاں ونڈی ہے جو لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب نے مباحثہ آتھم کے اختتام پر کہا تھا

'جو فریق جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے پندرہ مہینہ میں ہاویہ میں گرایا جاوے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی' (اب) مرزا صاحب ہاویہ کے معنی دوزخ کے نہیں لیتے، بلکہ فرماتے ہیں مراد اس سے پریشانی ہے جس میں مسٹر آتھم مبتلا ہوا۔ اگرچہ آتھم صاحب کی پریشانی اس کے سفر کرنے سے ظاہر ہوتی ہے مگر مرزا صاحب کی پریشانی باطن بھی کم نہ تھی۔ اس لیے کہ ان کو خوف لگا ہوا تھا کہ اگر پیش گوئی صحیح نہ نکلی تو عمر بھر کا بنا بنایا کام بگڑ

جائے گا اور ذلت کی تو انتہا نہیں۔ کیونکہ خود ان کا اقرار ہے (کہ منہ کالا کیا جائے گا وغیرہ) اور ظاہر ہے کہ غیور طبیعتوں کو جان سے زیادہ عزت ریزی کا خوف ہوتا ہے۔ خصوصاً ایسے موقع میں کہ ایک طرف تمام پادری نظر لگائے ہوئے ہوں اور دوسری طرف تمام مسلمان ہمہ تن چشم و گوش ہیں کہ دیکھئے اس پیش گوئی کا کیا حشر ہوتا ہے؟ پھر خوف صرف ذلت ہی کا نہیں بلکہ جان کا خوف بھی اسی الہام کے ایک گوشے میں دکھائی دے رہا ہے کیونکہ پھانسی کا دستاویزی اقرار خصم کے ہاتھ میں موجود ہے۔ ہر چند مرزا صاحب اس موقع پر اپنا اطمینان بیان کریں مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ پیش گوئی کا وجود نہیں ہوا تو سرے سے اس کے الہام ہونے میں شک پڑ گیا۔ اور بغیر الہام کے آدمی کو ایسے موقعوں میں اطمینانی حالت نصیب نہیں ہوسکتی۔ رہا جھگڑا شرط کا سو اگر اس سے توقع کامیابی کی رکھی بھی جاوے، تو ایک ضعیف احتمال ہے جس پر وثوق نہیں ہوسکتا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جہاں احتمال ضرر جانی اور بے عزتی ہو تو فکر غالب ہو جایا کرتی ہے۔ چہ جائیکہ احتمال ضرر ہی غالب ہو۔ غرض ان قرائن سے عقل گواہی دیتی ہے کہ جس مدت میں آتھم صاحب پریشان رہے، مرزا صاحب بھی بمقتضائے الحرب سجال کے پریشانی باطنی میں کم نہ تھے اور لفظ ہاویہ دونوں پر منطبق ہے (اور مرزا صاحب کے قول) 'اور اسکو سخت ذلت پہنچے گی' اس کا ظہور مرزا صاحب ہی کی تحریر سے ہو گیا اور یہ فقرہ تو خاص مرزا صاحب سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ فریق مخالف اپنے کو کامیاب سمجھ رہا ہے اور خوش ہے اور مرزا صاحب کو ضرورت محسوس ہوئی کہ فریق ثانی کو گالیاں دیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ عقلی معجزات اکثر الٹ بھی ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب کے معجزوں میں یہ بات ثابت ہے کہ اس نے کسی کی آنکھ میں آشوب دفع ہو جانے کی غرض سے آب دہن لگایا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ شخص اندھا ہی ہو گیا۔ علاوہ ازیں بہت نظائر ہیں کہ عقلی معجزات کا اثر منعکس ہو جاتا ہے (اور جو مرزا صاحب نے کہا ہے کہ) 'جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ہو گی (اس کے متعلق مولوی مہر دین کہتے ہیں کہ) اگرچہ مرزا صاحب اس وقت توحید کی جانب ہیں مگر چونکہ مقصود اس سے اپنی عیسویت کا اثبات ہے، اس جہت سے باطل ان پر محیط اور شامل ہو گیا جیسا کہ حضرت علیؓ نے خوارج کے استدلال کے جواب میں فرمایا تھا کلمة الحق ارید بها الباطل

پھر جب مشاہدے سے ثابت ہو گیا کہ مرزا صاحب کی کمال درجے کی ذلت ہوئی جس کا اظہار خود فرماتے ہیں تو حسب قیاس ان کا سچ پر ہونا بھی باطل ہو گیا۔ کیونکہ سچ پر ہوتے تو اس الہام کے مطابق عزت ہوتی۔ (اور مرزا صاحب جو کہتے ہیں کہ) اور اس وقت جب پیش گوئی ظہور میں آئے گی بعض اندھے سوجاکھے کیے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے' پیش گوئی کا صدوق وکذوب پندرہ مہینے کے گزرنے پر منحصر تھا۔ پس مشاہدے سے اور ہزاروں بلکہ لاکھوں گواہوں سے اس کا کذب ظاہر ہو گیا۔ پس ظہور پیش گوئی کے وقت بے شک بعض اندھے جن پر پورا حال مرزا کا منکشف نہیں ہوا تھا اور ان کی طرف کھسکتے جا رہے تھے ضرور سوجاکھے ہو گئے اور حق کی راہ چلنے اور حق باتیں سننے لگے۔ چنانچہ حق پسند طبیعتوں کا خاصہ ہے کہ جب ایسی کھلی نشانی دیکھ لیتے ہیں تو حق کی جانب حرکت کرتے ہیں چنانچہ انجام آتھم کے صفحہ ۱۲ میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ اس پیش گوئی کی وجہ سے بعض مرید برگشتہ ہو گئے . یعنی اندھے سوجاکھے ہو گئے۔ (اہل حدیث امرتسر۔۲۲ جون ۱۹۳۴ء۔ص ۵۔۶)

کچھ عرصہ بعد مولانا مہر دین نے اس موضوع پر پھر قلم اٹھایا اور لکھا

'مرزا صاحب نے کہا تھا کہ ڈپٹی آتھم روز پیش گوئی سے پندرہ ماہ میں مرکر ہاویہ میں ڈالا جائے گا۔ جب وہ نہ مرا تو مرزا جی نے یہ کہا کہ دنیا میں ادھر ادھر اس کا پھرنا ہی ہاویہ ہے۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں

'آتھم نے اپنے خوف زدہ ہونے کی حالت سے بڑی صفائی سے یہ ثبوت دے دیا ہے کہ وہ ضرور ان ایام میں پیش گوئی کی عظمت سے ڈرتا رہا۔ ایک سخت غم نے اس کو گھیر لیا، وہ بھاگا پھرا۔ اس لیے درحقیقت وہ ہاویہ میں رہا، مسلسل گھبراہٹوں کا سلسلہ اس کے دامن گیر ہو گیا تھا اور اس کے دل پر وہ رنج وغم و بدحواسی وارد ہوئی جس کو آگ کے عذاب سے کم نہیں کہہ سکتے۔ یہی اصل ہاویہ تھا اور وہ درد اور دکھ کے ہاویہ میں ضرور گرا۔ اور ہاویہ میں گرنے کا لفظ اس پر صادق آ گیا۔ اس کی یہ مثال ہوئی

قیامت دیدہ ام پیش از قیامت

اس پر وہ غم کے پہاڑ پڑے جو اس نے تمام زندگی میں ان کی نظیر نہیں دیکھی تھی پس کیا یہ سچ نہیں وہ ان تمام دنوں میں درحقیقت ہاویہ میں رہا' (مولانا مہر دین کہتے ہیں کہ)

مرزا صاحب کا وہ الہام تھا تو یہ کشف ہے کہ آتھم کے دل کی حالت اور عمر بھر کے واقعات بیان فرما رہے ہیں جن سے اس کو سراسر انکار ہے۔اصل بات اتنی تھی کہ آتھم نے دیکھا کہ اس کی موت پر مرزا صاحب کی کامیابی منحصر ہے۔ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ مرزا صاحب کے جانثار مریدوں کی فوج اپنے پیرومرشد کی کامیابی کی غرض سے اس مہم کے سر کرنے میں سعی کرے گی (یعنی اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گی) اس لیے بمشورہ حزم و احتیاط اس نے ایک جگہ کی اقامت کو اس مدت معینہ میں مناسب نہ سمجھا (وہ ریٹائرڈ مجسٹریٹ تھا) اور بطور تفریح جیسے مرفہ الحال لوگوں کی عادت ہوتی ہے اس نے سیاحت اختیار کی، جس کی بدولت نئے نئے شہر دیکھے' دعوتیں کھائیں' سیر و شکار کیے، جس سے سفر وسیلۂ ظفر کے معنی بھی صادق آ گئے۔مرزا صاحب نے سفر کا نام دیکھ لیا اور شاعرانہ خیال سے صورت سقر قرار دے کر اس کو سچ مچ کا ہاویہ ہی ٹھہرا دیا، اور یہ خیال نہ کیا کہ امرا وسلاطین لکھوکھہا روپیہ صرف کر کے یہ دولت حاصل کرتے ہیں۔خصوصاً گورنمنٹ کے افسروں اور پادریوں کے حق میں تو ہندوستان کا سفر گل گشت جناں سے کم نہیں۔ چنانچہ ازالہ اوہام کے صفحہ ۴۹۰ میں خود مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ'یہ لوگ ایک قسم کی جنت اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں' پھر ان کو دنیا میں ہاویہ سے کیا تعلق۔غرض مرزا صاحب نے جس کو ہاویہ قرار دیا تھا وہ جنت ثابت ہوتی ہے۔مرزا صاحب نے اس الہام میں ہاویہ کا لفظ اس واسطے تجویز کیا تھا کہ قرآن شرف میں یہ لفظ وارد ہے اور اس کے معنی دوزخ کے ہیں کما قال تعالیٰ: فامه هاويه وما ادرك ماهيه نار حاميه اس سے غرض یہ کہ دعویٰ کی شان وشوکت اور الہام کا کروفر اس سے نمایاں ہو کہ جو لفظ قرآن میں ایک سخت وعید میں استعمال کیا گیا وہی لفظ اس ہندی الہام میں ذکر فرمایا۔مگر افسوس ہے کہ وہ صرف لفظ ہی لفظ تھا اگرچہ پندرہ مہینے تک بجائے خود رکھا رہا مگر اس کے بعد کمال مایوسی سے وہ لفظ یوں بدلا گیا کہ اس سے مراد فکر وتشویش لی گئی۔ اول تو فکر و تشویش ہی میں کلام ہے اس لیے کہ کسی کے دل کی کیفیت یقینی طور پر معلوم نہیں ہوسکتی۔ اگر وہ تسلیم بھی کر لی جائے تو اس کا کیا ثبوت کہ الہام کے صدق کا اس (آتھم) کے دل پر اثر تھا۔قرائن سے تو یہ بات ہوسکتی تھی کہ مرزا صاحب کے مریدوں کے خوف سے اس کو سفر کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بہرحال مرزا صاحب نے ایک ہی شق اختیار کی کہ اس

کے دل پر میری پیشگوئی کا اثر ہوا تھا۔ چنانچہ اپنی کتاب ضیاء الحق میں لکھتے ہیں،

'جس شخص کا خوف ایک مذہبی پیش گوئی سے اس حد تک پہنچ جائے کہ شہر بشہر بھاگتا پھرے تو ایسا شخص بلاشبہ یقینی طور پر اس مذہب کا مصدق ہو گیا جس کی تائید میں پیش گوئی کی گئی تھی۔ اور یہی معنی رجوع الی الحق کے ہیں'

یہاں یہ امر غور کے قابل ہے کہ مرزا صاحب خود تصدیق کرتے ہیں کہ یقینی طور پر اس کا رجوع الی الحق کرنا ثابت ہو گیا۔ اور الہام مرقوم الصدر کا مضمون یہ تھا کہ اگر وہ حق کی طرف رجوع کرے تو ہاویہ میں نہیں گرایا جاوے گا۔ پھر جب الہام کے سنتے ہی اس پر خوف وعظمت طاری ہو گئی تو الہام کے مطابق وہ ہاویہ کا مستحق نہ رہا۔ ادھر مرزا صاحب کی تحریر سے ابھی معلوم ہوا کہ وہ ہاویہ میں ضرور گرایا گیا۔ اور اس پر ہاویہ میں گرنے کا لفظ صادق آ گیا جس کا ماحصل یہ ہوا کہ بحسب الہام اس کا حق کی طرف رجوع کرنا ثابت ہے، باوجود اس کے وہ ہاویہ میں گرایا گیا۔ جو خلاف عادت الٰہی اور خلاف شرط الہام ہے۔ یہاں دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ماننی پڑے گی کہ اگر الہام سچا ہے تو ہاویہ میں گرنا جھوٹ ہے اور اگر ہاویہ میں گرنا سچ ہے تو الہام جھوٹا ہے اور چونکہ ہاویہ میں گرائے جانے کی وہ (مرزا) تصدیق کرتے ہیں تو ثابت ہوا کہ الہام جھوٹا ہے۔ پھر اگر غیر معمولی کیفیت ان کو وجدانی طور پر معلوم ہوئی تھی جس کو انہوں نے الہام سمجھا تھا تو اس کو الہام شیطانی ضرور کہا جائے گا جس سے کل الہاموں کے دعوے ان کے جھوٹے ہو گئے۔ اور اگر یہ الہام انہوں نے بنا لیا تھا تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ انہوں نے خدا تعالیٰ پر افترا کیا ہے اور کوئی مسلمان ہو کر خدا پر افترا نہیں کر سکتا۔ بالفاظ دیگر مفتری مسلمان ہی نہیں'۔ (اہل حدیث ۱۰۔ اگست ۱۹۳۴ء ص ۵۔۶)

اخبار سیاست لاہور کے سید حبیب صاحب نے تحریک قادیان کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس کے جواب میں مولوی دوست محمد لاہوری مرزائی نے آئینہ احمدیت کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ہم مولانا عبداللہ معمار کی روایت سے ان کتابوں میں آتھم والے اس معاملے سے متعلق چند دلچسپ تحریریں آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ مولانا معمار لکھتے ہیں کہ

'مولوی دوست محمد نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۲ پر مرزا صاحب کی پیش گوئی متعلقہ ڈپٹی آتھم پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہم (سید حبیب کو) ایک اور امر کی طرف توجہ

دلانا چاہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود (مرزا) نے آتھم کے مرنے کے بعد آپ کی طرح انکار کرنے والے عیسائی کو مخاطب کر کے لکھا تھا 'اگر اب تک کسی عیسائی کو آتھم کے اس افترا پر (کہ اس پر چار حملے ہوئے تھے) شک ہو تو آسمانی شہادت سے رفع شک کرالیوے۔ آتھم تو پیش گوئی کے مطابق فوت ہو گیا۔ اب وہ (عیسائی) اپنے تئیں اس (آتھم) کا قائم مقام ٹھہرا کر آتھم کے مقدمہ میں قسم کھالیوے کہ آتھم پیش گوئی کی عظمت سے نہیں ڈرا، بلکہ اس پر چار حملے ہوئے تھے۔ اگر یہ قسم کھانے والا بھی ایک سال تک بچ گیا تو دیکھو میں (مرزا) اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ میں اپنے ہاتھ سے شائع کر دوں گا کہ میری پیش گوئی غلط نکلی۔ اس قسم کے ساتھ کوئی شرط نہیں ہو گی۔ یہ نہایت صاف فیصلہ ہو جائے گا اور جو شخص خدا کے نزدیک باطل پر ہے اس کا بطلان کھل جائے گا۔ (انجام آتھم صفحہ ۱۵) ہم (یعنی دوست محمد) بھی سید حبیب سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر باوجود ان تصریحات کے جو (آئینہ احمدیت میں) اوپر بیان کی جا چکی ہیں انہیں اب تک پیش گوئی کے سچا نہ ہونے پر اصرار ہو تو وہ آسمانی شہادت سے رفع شک کرا لیں۔ اور اپنے آپ کو آتھم کا قائم مقام قرار دے کر قسم کھالیں کہ ان کے نزدیک یہ پیش گوئی جھوٹی ثابت ہوئی اور آتھم پیش گوئی کی عظمت سے نہیں ڈرا۔ پھر دیکھیں کہ خدا تعالیٰ انہیں کیا دکھاتا ہے اور ان کا کیا حشر کرتا ہے۔ کیا وہ اس کی جرأت کریں گے؟ (آئینہ احمدیت سے یہ اقتباس پیش کر کے مولانا معمار لکھتے ہیں کہ) مولوی (دوست محمد) صاحب یہ طریق فیصلہ چونکہ مرزا صاحب کا پیش کردہ ہے اس لیے ہر مخالف اور مکفر مرزا اس کی قبولیت کا مجاز ہے۔ آپ بھی سید حبیب صاحب کی تخصیص نہ کریں اور مرد میدان بن کر مرزا صاحب کے قائمقام کی حیثیت میں اعلان کر دیں کہ اگر قسم اٹھانے والا ایک سال تک آسمانی موت سے بچ گیا تو مرزا صاحب کی اس پیش گوئی کو غلط اور مرزا صاحب کو آپ کاذب سمجھیں گے۔ کیا آپ اس کی جرأت کریں گے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو میں (معمار) اس بات کا حلف اٹھانے کو ہر وقت اور ہر مجلس اور ہر میدان میں تیار ہوں کہ آتھم پیش گوئی کی عظمت سے ہرگز نہیں ڈرا' اور مرزا صاحب کی یہ پیش گوئی جھوٹ تھی، افتراء علی اللہ تھی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مرزا صاحب اپنے جملہ دعاوی مسیحیت و مہدویت وغیرہ میں کاذب تھے۔ اگر آپ میں ایک ذرہ بھر بھی ایمان و

دیانت کا مادہ موجود ہے، تو آؤ ،اپنے پیش کردہ طریق پر مجھ سے فیصلہ کرلو۔

(اہل حدیث امرتسر ۶۔اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۵۔۶)

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مولوی دوست محمد صاحب کے ہاں امانت و دیانت نامی اجناس کے فقدان کے باعث قسم اٹھانے کے چیلنج کی یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکی تھی۔

مرزا صاحب کو آتھم والے معاملے میں جس ذلت وخواری کا سامنا ہوا وہ ان کے گلشن کے کاروبار کے لیے بہت مضر ثابت ہوا۔اس لیے انہوں نے اپنے سابقہ موقف 'کہ جب تک پہلے مباہلے کا فیصلہ نہ ہو دوسرا مباہلہ کیوں کر ہو' کو تبدیل کر لیا اور علماء اور مشائخ کو مخاطب کر کے ۱۸۹۶ء میں مباہلے کا نیا چیلنج شائع کر دیا جسے ہم نے اپنی اس کتاب کے حصہ اول میں کیا ہے۔اس چیلنج کا اشتہار مرزا صاحب نے ۱۸۹۶ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب انجام آتھم میں شائع کیا تھا۔اوراسی کتاب کے صفحہ ۳۰۴ کے حاشیہ میں مرزا صاحب لکھتے ہیں

'مولوی ثناء اللہ امرتسری نے مباہلہ کی دعوت پر اطلاع پا کر اپنے خط میں مولوی عبدالحق غزنوی کے مباہلہ کا ذکر کیا ہے۔شاید اس ذکر سے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مباہلہ سے عبدالحق پر کوئی بلا نازل نہ ہوئی اور نہ اس (مرزا) طرف کوئی نیک اثر ہوا'۔

(روحانی خزائن۔ج ۱۱۔(انجام آتھم)ص۔۳۰۴)

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا چیلنج سامنے آتے ہی یعنی ۱۸۹۶ء ہی میں مولانا ثناء اللہ مباہلے کے لیے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے تھے۔اس کے بعد ۱۹۰۲ء میں شائع ہونے والی کتاب اعجاز احمدی میں مرزا صاحب لکھتے ہیں

'میں نے سنا ہے بلکہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی دستخطی تحریر میں نے دیکھی ہے جس میں وہ یہ درخواست کرتا ہے کہ میں اس طور کے فیصلہ کے لیے بدل خواہشمند ہوں کہ فریقین یعنی میں اور وہ یہ دعا کریں کہ جو شخص ہم سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہی مر جائے (اور پھر مرزا کہتے ہیں) ہم موت کے مباہلہ میں اپنی طرف سے کوئی چیلنج نہیں کر سکتے کیونکہ حکومت کا معاہدہ ایسے چیلنج سے ہمیں مانع ہے۔ ہاں مولوی ثناء اللہ صاحب اور دوسرے مخالفوں کو منع نہیں کرتے کہ ایسے چیلنج سے ہمیں جواب دینے کے لیے مجبور کریں...... اور چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب اپنی تحریر کی رو سے ایسے چیلنج کے لیے تیار بیٹھے معلوم ہوتے ہیں پس ہمیں اس سے کوئی انکار نہیں کہ وہ ایسا چیلنج دیں۔مگر شرط یہ ہو

گی کہ کوئی موت قتل کی رو سے واقع نہ ہو بلکہ محض بیماری کے ذریعے سے ہو۔ مثلاً طاعون سے یا ہیضہ سے یا کسی اور بیماری سے'

(روحانی خزائن جلد ۱۹ (ضمیمہ نزول المسیح المعروف اعجاز احمدی) ص ۱۲۱)

تاہم مولانا امرتسریؒ کے ساتھ مرزا صاحب کا کوئی مباہلہ نہیں ہوا مگر اس سلسلے میں دونوں کی نوک جھونک بہت دیر تک چلتی رہی جیسا کہ مولانا امرتسریؒ فرماتے ہیں

'مرزا صاحب نے ۱۸۹۶ء میں کتاب انجام آتھم لکھی۔ اس میں چند علماء کو مباہلہ کی دعوت دی۔ مگر جونہی کوئی عالم آمادگی ظاہر کرتا تو آپ پھسل جاتے اور کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے مباہلہ کو ٹال دیتے۔ چنانچہ میرے متعلق مرزا صاحب کو جب خبر ملی کہ میں ان کے ساتھ مباہلہ کرنے کو تیار ہوں تو جھٹ یہ کہہ دیا کہ ہم مولوی ثناء اللہ کے ساتھ مباہلہ اس وقت کریں گے جب ہماری کتاب حقیقت الوحی چھپ کر شائع ہو جائے گی۔ اور امید ہے کہ بیس پچیس روز تک انشاء اللہ کتاب شائع ہو جائے گی۔ اس کتاب میں ہر قسم کے دلائل سلسلہ حقہ کے ثبوت میں خلاصۃً بیان کیے گئے ہیں۔ اور دو سو سے سوا اس میں نشانات بھی لکھے گئے ہیں۔ یہ کتاب مولوی ثناء اللہ کو بھیج دی جائے گی اور وہ اس کو اول سے آخر تک پڑھ لے۔ اس کتاب کے ساتھ ایک اشتہار بھی ہماری طرف سے شائع ہوگا جس میں ہم ظاہر کر دیں گے کہ ہم نے مولوی ثناء اللہ کے چیلنج مباہلہ کو منظور کر لیا اور ہم اول قسم کھاتے ہیں کہ وہ تمام الہامات جو اس کتاب (حقیقت الوحی) میں ہم نے درج کیے ہیں وہ خدا کی طرف سے ہیں اور اگر یہ ہمارا افتراء ہے تو لعنت اللہ علی الکاذبین اگر مولوی صاحب ہمارے دلائل پڑھ کر بھی کہیں گے کہ میری تسلی نہیں ہوئی تو پھر ہم ان کی درخواست پر ان کے ساتھ مباہلہ بھی کریں گے'۔

(الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۷ء۔ اہل حدیث ۱۲ اپریل ۱۹۳۵ء ص ۴۔ نیز ۲ اگست ۱۹۴۰ء ص ۵)

مولانا امرتسریؒ اور مرزا صاحب کے درمیان ہونے والی نوک جھونک تفصیل چاہتی ہے جو ہم اس کے اپنے مقام پر بیان کریں گے (انشاء اللہ)، یہاں اتنا ذکر کیے چلتے ہیں کہ مرزا صاحب دراصل مباہلہ کے چیلنج سے وہ ذلت چھپانا چاہتے تھے جو انہیں مولاناؒ کی علمی گرفت کے نتیجہ میں پیش آ رہی تھی۔ مرزا صاحب نے جو طریقہ کار اپنایا ہوا تھا اس کے مطابق وہ ایک طرف تو مولاناؒ کی علمی گرفت سے بچنے کی خاطر مباہلہ کے چیلنج کو بطور ڈھال استعمال کرتے اور

دوسری طرف پراسرار شرطیں بھی لگا دیتے تا کہ مباہلے کا وقوع ممکن نہ ہو سکتے۔ مولانا امرتسریؒ ان شرائط کا پوسٹ مارٹم کرتے اور دجل وفریب کے پردے چاک کر دیتے تھے۔ مثلاً ایک مرتبہ مولاناؒ ثناء اللہ نے لکھا کہ

'آیت قل تعاولوا ندع ابنائنا وابنائکم ونساء نا ونسائکم وانفسنا وانفسکم ثم نبهتل فنجعل لعنت الله علی الکاذبین پر عمل کرنے کو ہم تیار ہیں۔ میں (ثناء اللہ) اب بھی ایسے ہی مباہلہ کے تیار ہوں جو آیت مرقومہ سے ثابت ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ میری تیاری آج ہی سے نہیں بلکہ ۱۸۹۶ء میں جب رسالہ انجام آتھم میں مجھ کو مباہلہ کے لیے مدعو کیا گیا تو میں نے ایک خط اس مضمون کا آپ کو بھیجا تھا'۔ (اہل حدیث امرتسر ۲۲ جون ۱۹۰۶ء ص ۴)

فروری ۱۹۰۷ء میں مرزا صاحب نے اپنا رسالہ قادیان کے آریہ اور ہم لکھا۔ اس رسالے میں انہوں نے قادیان کے آریہ کو اپنی کذب بیانی پر قسم کھانے کی دعوت دی تو مولوی عقوب علی تراب قادیانی نے مولانا ثناء اللہؒ کو مخاطب کر کے کہا کہ

'اب ثناء اللہ نے بھی کوئی نشان صداقت بطور خوارق عادت نہیں دیکھا تو وہ بھی قسم کھا کر پرکھ لے تا معلوم ہو کہ خدا کس کی حمایت کرتا ہے اور کس کو سچا کرتا ہے'۔

(الحکم ۷۔ مارچ ۱۹۰۷ء ص ۱۱)

اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے حضرت مولانا ثناء اللہ مرحوم نے لکھا

'ہم تمہارے کرشن کی کذب بیانی پر قسم کھانے کے لیے تیار ہیں۔ آؤ جس جگہ چاہو ہم سے قسم دلوا لو۔ مگر پہلے یہ شائع کر دو کہ اس قسم کا نتیجہ کیا ہو گا؟ ہم حلفیہ کہہ دیں گے کہ مرزا غلام احمد کو ہم خدا کی طرف سے مامور نہیں جانتے بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا جھوٹا مکار اور فریبی ہے اور اس کی کوئی پیش گوئی خدائی الہام سے نہیں ہے۔ مرزائیو! سچے ہو تو آؤ اور اپنے گرو کو ساتھ لاؤ۔ وہی میدان عیدگاہ امرتسر تیار ہے جہاں تم ایک زمانہ میں صوفی عبدالحق غزنویؒ سے مباہلہ کر کے آسمانی ذلت اٹھا چکے ہو۔ امرتسر میں نہیں تو بٹالہ میں آؤ۔ سب کے سامنے کارروائی ہو گی۔ مگر اس کے نتیجہ کی تشریح کرشن جی (مرزا قادیانی) سے پہلے کرا دو اور انہیں ہمارے سامنے لاؤ'۔

(اہل حدیث امرتسر ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء منقول از القول الفصیح ص ۴۲۔۴۳ ملخصاً)

مولانا امرتسریؒ اور مرزا صاحب کی بات یہاں ناتمام چھوڑ کر ہم آگے بڑھتے ہیں اور پہلے مرزا صاحب کے بہت سے حیلوں میں سے ایک حیلے کا ذکر کرتے ہیں جو وہ مباہلہ سے بچنے کے لیے اختیار کیا کرتے تھے اور پھر مولانا غلام دستگیر قصوریؒ اور مرزا صاحب کی نوک جھونک کی داستان آپ کے سامنے رکھیں گے۔

ملفوظات میں ایک جگہ مرزا صاحب کا طریق مباہلہ درج ہوا ہے جو اس واقعہ کے ضمن میں ہے جو حکیم محمد یوسف سیاح کے ساتھ پیش آیا تھا۔لکھا ہے کہ ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو جب حکیم صاحب، مرزا صاحب سے مباہلہ کے طالب ہوئے تو آپ نے جواب دیا کہ پہلے میری حقیقت الوحی پڑھیں اور میرے دس سوالات کے جوابات بعینہٖ انہی الفاظ میں دیں میں نے جو کتاب میں لکھے ہوئے ہیں۔ جوابات کتاب کے بالکل مطابق ہونا چاہئیں۔ نہ' کم' نہ زیادہ۔ ناکامی کی صورت میں حکیم صاحب کو کتاب پھر سے پڑھنا ہو گی اور دس نئے سوالوں کے جوابات دینا ہوں گے اور یہ مشق اس وقت تک جاری رہے گی جب تک دس سوالوں کے جوابات مرزا صاحب کی تسلی کے مطابق نہ ہوں۔ اس کے بعد مباہلہ ہو گا ورنہ نہیں ہو گا۔

(ملخص از ملفوظات مرزا، جلد ۹ ص ۸۲۔۸۳)

اور اس کے باوجود مرزا صاحب کہا کرتے تھے کہ مباہلہ کرنے کے لئے کوئی ان کے مقابل نہیں آتا۔ مرزا صاحب کے اس طرح کے پینترے ان کے مریدوں نے بھی اختیار کیے ہیں۔ خاص طور پر جب ان کے لٹریچر میں آپ کو یہ پڑھنے کو ملے کہ ان کے کسی مناظر نے مسلمانوں کے کسی مناظر کو خاموش کر دیا تھا یا فلاں مقام پر انہوں نے مسلمانوں کو دندان شکن جواب دیئے تھے تو آپ سمجھ لیجیے کہ اس جگہ مرزائیوں نے مرزا صاحب کے درج بالا طریق کار کو اپنایا ہے۔ اس سلسلے کی ایک دلچسپ حکایت سیرۃ المہدی میں مرزا غلام احمد کے فرزند مرزا بشیر احمد کی روایت سے یوں بیان ہوئی ہے۔

'ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ۱۸۹۷ء۔ ۱۸۹۸ء کا واقعہ ہے کہ جلسہ کے موقع پر قادیان کے نزدیک ایک گاؤں کے احمدی جلسہ پر آئے۔ یہ گاؤں فیض اللہ چک' یا 'تھہ غلام نبی' یا 'سیکھواں' تھا جو قادیان سے قریب ہی واقع تھا۔ وہاں کے لوگوں نے بر سبیل تذکرہ ذکر کیا کہ ہمارے گاؤں کے اکثر لوگ بہت مخالف ہیں۔ اور حضرت (مرزا) صاحب اور آپ کے مریدوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اور ان کو دلائل سنائیں تو سنتے

نہیں۔ اس پر ایک مرحوم دوست حافظ محمد حسین نابینا جو ڈنگہ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے کہنے لگے کہ میں تمہارے گاؤں آؤں گا اور غیر احمدیوں (مسلمانوں) کی مسجد میں ٹھہروں گا۔ اور غیر احمدی (مسلمان) بن کر تم سے مباحثہ کروں گا۔ پھر جب شکست کھاؤں تو مخالفین پر اچھا اثر پڑے گا۔ نیز وہ اس بہانے تمہارے دلائل سن لیں گے۔ غرض یہ سمجھوتہ ہو گیا۔ جلسہ کے بعد وہ لوگ اپنے گاؤں چلے گئے اور حافظ صاحب مرحوم ایک دو روز کے بعد اس گاؤں میں پہنچے اور غیر احمدیوں کی مسجد میں ٹھہرے اور وہاں للکار کر کہا کہ یہاں کوئی مرزائی ہے؟ میرے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔ لاؤ، میں ان کی توبہ کراؤں۔ غیر احمدیوں نے کہا ہاں یہاں فلاں شخص ہیں۔ حافظ صاحب نے کہا کہ ان کو بلاؤ تو میں ان کو قائل کروں۔ اور بحث میں شکست دوں۔ وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور مجمع ہو گیا۔ احمدی بلائے گئے۔ سوال جواب شروع ہوئے اور حیات وفات مسیح پر بحث ہونے لگی۔ پہلے تو حافظ صاحب نے مشہور دلیلیں غیر احمدیوں والی پیش کیں۔ پھر ہوتے ہوتے احمدیوں نے ان کو دبانا شروع کیا۔ آخر وہ بالکل خاموش ہو گئے۔ اور یہ کہہ دیا کہ میں آگے نہیں چل سکتا۔ واقعی ان (احمدیوں کے) دلائل کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ غیر احمدیوں کو شبہ پڑ گیا کہ یہ شخص سکھایا ہوا آیا ہے۔ ورنہ اگر یہ شخص غیر احمدی ہوتا تو فوراً اس طرح قائل نہ ہوتا۔ اس پر انہوں نے حافظ صاحب کو برا بھلا کہا۔ بلکہ غالباً جسمانی تکلیف بھی دی اور آخر حافظ صاحب نے احمدیوں کے گھر آ کر پناہ لی'

(سیرۃ المہدی جلد۳ ص ۲۸۶)

۱۸۹۶ء میں دیئے گئے مرزا صاحب کے چیلنج کو جن بزرگوں نے قبول کیا ان میں سے ایک مولانا غلام دستگیر قصوریؒ ہیں جو کارکنان تحریک ختم نبوت میں بہت اہم مقام کے حامل ہیں۔ انہوں نے اپنے دور کے بریلوی مشائخ کو تحریک کی صفوں میں شامل کرنے کے لیے بہت محنت کی ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے دور دراز کے سفر کیے اور مرزا صاحب کے عقائد و نظریات سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ وہ سرائیکی علاقے میں چاچڑاں کے پیر خواجہ غلا فرید صاحب کے پاس بھی پہنچے تھے جن کے خطوط کو مرزا صاحب نے اپنے مفید مطلب سمجھ کر اپنی ایک کتاب میں شائع کیا تھا۔ مرزا صاحب کا مقصد یہ تھا کہ ان خطوط کے ذریعے صوفیا و مشائخ سے عقیدت رکھنے والے مسلمان طبقات ان کے قریب آ جائیں۔ خواجہ صاحب کے ملفوظات

میں مقبوس نمبر ۸۳ بروز جمعہ ۴ ذی الحج بایں الفاظ درج ہے

’اس کے بعد مولوی غلام دستگیر قصور جو کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ کمال مخالفت رکھتا تھا اور اس کے پاس حضرت مرزا صاحب کے خلاف کفر کے فتوے لکھے ہوئے تھے‘ حضرت خواجہ (غلام فرید) کی خدمت میں آیا اور آداب بجالا کر بیٹھ گیا اور چند کتب حضرت مرزا صاحب کی تصنیفات میں سے‘ جو کہ اپنی بغل میں دبائے ہوئے تھا‘ حضرت خواجہ صاحب کے سامنے رکھ دیں اور ہر ایک کتاب میں سے وہ مقامات جن پر اس نے نشانات لگائے ہوئے تھے ایک ایک کر کے حضرت خواجہ صاحب کے سامنا پڑھتا اور کہتا دیکھئے اس جگہ حضرت عیسیٰ کی توہین کی ہے...... اس نے حضرت خواجہ کے سامنے حضرت مرزا صاحب کی مذمت کی۔ حضرت خواجہ صاحب نے اس کی تمام تقریر کو سنا اور اس کو کوئی جواب نہ دیا...... بعد ازاں مولوی غلام دستگیر مذکور نے عرض کیا کہ وہ خط جو حضور نے مرزا صاحب قادیانی کو لکھا ہے‘ مرزا صاحب نے حضور کے اس خط کو اپنی کتاب انجام آتھم کے ضمیمہ میں درج کر کے شائع کر دیا ہے اور اخبارات میں چھپوا کر دنیا کے چاروں طرف شائع کر دیا ہے اور حضور کے اس خط کو مرزا صاحب نے اپنی سچائی کی مضبوط سند قرار دیا ہے...... (اب) حضور (خواجہ صاحب) بھی ان فتوؤں پر جو ہم نے ان کے انکار اور رد میں لکھے ہیں حضور (خواجہ صاحب) خود بھی ان (مرزا) کے کفر کا فتویٰ لکھ دیں‘ مگر حضرت خواجہ صاحب نے اس فتویٰ پر ہرگز دستخط نہ کیے‘۔

(اشارات فریدی۔ جلد ۲ ص ۷۷۔ ۹ امنقول از الفضل انٹرنیشنل ۲۹ دسمبر ۲۰۰۰ء ص۔ ۱۰)

مولانا غلام دستگیرؒ نے ۱۸۹۶ء والے چیلنج مباہلہ کا بھی جواب دیا تھا اور آپ کو جونہی مرزا صاحب کے اشتہار مباہلہ کی خبر ہوئی آپ نے اس کا جواب لکھ دیا تھا۔ جیسا کہ مرزا صاحب لکھتے ہیں

’کل مورخہ ۲۴ جنوری ۱۸۹۷ء کو ایک قطعہ اشتہار مولوی غلام دستگیر کا میرے پاس پہنچا جس میں مولوی صاحب موصوف مباہلہ کے لیے مجھے بلاتے ہیں۔ اور ۲۵ شعبان ۱۳۱۴ھ تاریخ مقرر فرماتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ شرط بھی لگا دی ہے کہ اسی وقت مولوی صاحب پر کوئی عذاب نازل ہو۔ اگر بعد میں ایک سال کے اندر نازل ہوا، تو پھر وہ منظور نہیں۔ مگر میں ناظرین کو اطلاع دیتا ہوں کہ مولوی صاحب کی یہ سراسر زبردستی ہے‘

(مجموعہ اشتہارات جلد۲ص ۲۹۹۔۲۹۶)

مرزا صاحب کا یہ اشتہاری جواب ۲۰ شعبان ۱۳۱۴ھ کو جاری ہوا۔ اس اشتہار میں مرزا صاحب کی ساری بحث اس بات پر ہے کہ فوراً عذاب نازل ہونے کی شرط نہیں لگائی جا سکتی۔ لیکن انہوں نے سارے اشتہار میں کسی جگہ یہ نہیں لکھا کہ میں مباہلہ کے لیے تیار ہوں۔ اور یوں مولانا قصوری اور مرزا صاحب کا مباہلہ منعقد نہ ہو سکا اور بات شرائط کے گورکھ دھندے میں الجھ کر رہ گئی۔ پھر کرنا خدا کا یہ ہوا کہ مولانا قصوری کا انتقال ہو گیا تو مرزا صاحب نے موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے لکھا

'مولوی غلام دستگیر قصوری جس کا ذکر کتاب انجام آتھم کے صفحہ ۷۰ میں ہے اور جس نے خود بھی اپنا مباہلہ اپنی کتاب فیض رحمانی میں شائع کیا تھا۔ وہ کتاب کی تالیف سے ایک ماہ بعد مر گیا۔ اس کی موت کا یہی سبب نہیں کہ میں نے انجام آتھم کے صفحہ ۶۷ میں یعنی اس کی سترھویں سطر میں اس پر اور دوسرے مخالفوں پر جو شرارتوں سے باز نہ آویں اور مباہلہ نہ کریں بددعا کی تھی' اور ان پر خدا کا عذاب چاہا تھا بلکہ اس کا اپنا مباہلہ بھی اس کی موت کا سبب بن گیا کیونکہ اس نے میرا اور اپنا ذکر کر کے خدا سے بیخ کنی چاہی تھی۔ سو اس کے چند ہی روز بعد اس کی بیخ کنی ہو گئی'۔

(روحانی خزائن جلد ۲۲ (حقیقت الوحی) ص ۴۵۵۔۴۵۴)

اور 'ایسا ہی مولوی غلام دستگیر قصوری نے اپنی کتاب فتح رحمانی کے صفحہ ۲۷ میں میرے لیے بددعا کی تھی' آخر اس بددعا کا یہ اثر ہوا کہ وہ بہت جلد مر گیا'۔

(روحانی خزائن جلد ۱۸ (نزول المسیح) ص ۵۸۱)

نیز فرمایا۔ 'پنجاب میں مولوی غلام دستگیر قصوری اٹھا اور اپنے تئیں کچھ سمجھا اور اس نے اپنی کتاب میں میرے مقابلہ میں لکھا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرجائے گا۔ سو کئی سال ہو گئے کہ غلام دستگیر بھی مر گیا۔ وہ کتاب چھپی ہوئی ہے'۔

(روحانی خزائن جلد ۱۸ (نزول المسیح) ص ۴۰۹)

فتح ربانی مولانا قصوری مرحوم کی کتاب ہے جو ۱۳۰۵ھ میں مطبع احمدی لدھیانہ سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۶۔۲۷ پر یہ دعا موجود ہے

اللھم یا ذا الجلال والاکرام یا مالک الملک ۔ جیسا کہ تو نے ایک

عالم ربانی حضرت محمد طاہر مئولف مجمع بحار الانوار کی دعا اور سعی سے اس مہدی کاذب اور جعلی مسیح کا بیڑا اغراق کیا (جو اس کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا) ویسا ہی دعا اور التجا اس فقیر قصوری کان اللہ لہ کا ہے۔ جو سچے دل سے تیرے دین متین کی تائید میں حتی الوسع ساعی ہے کہ تو مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کو توبہ نصوح کی توفیق عطا فرما۔ اور اگر یہ مقدر نہیں تو ان کو مورد اس آیت فرقانی کا بنا۔

﴿ فقطع دابر القوم الذ ین ظلموا والحمد لله رب العالمين ﴾

مرزا صاحب نے اس دعا کے حوالے سے لکھا ہے

'اس وقت قریباً گیارہ سال غلام دستگیر کے مرنے پر گذر گئے ہیں۔ جو ظالم تھا' خدا نے اس کو ہلاک کیا...... پس اب بتلاؤ کہ غلام دستگیر اس بددعا کے بعد مر گیا یا نہیں...... خدا نے میری عمر تو بڑھا دی کہ گیارہ سال سے اب تک زندہ ہوں اور غلام دستگیر کو ایک مہینہ کی بھی مہلت نہ دی۔ (روحانی خزائن جلد۲۲ (حقیقت الوحی) ص ۳۴۵۔۳۴۳)

مرزا صاحب اور مرزائی حضرات مولانا قصوری مرحوم کی درج بالا دعا کو مباہلہ قرار دے کر مولانا قصوری کی وفات کو (جو مرزا صاحب کی زندگی میں ہوگئی تھی) اپنی صداقت کا نشان بناتے ہیں۔ اس کے جواب میں مولانا عبداللہ معمار محمدیہ پاکٹ بک میں لکھتے ہیں۔

اگر محض لعنت کہنے سے مباہلہ منعقد ہو جاتا ہے اور لعنت کرنے والے کا مرنا اس کے ملعون ہونے کی علامت ہے تو پھر مرزا صاحب اول درجے پر ہیں کیونکہ ان کی زبان پر تو لعنت وظیفہ کی طرح جاری تھی۔ وہ تو ہر وقت مخالفوں کو لعنت لعنت کہتے رہتے تھے۔ ملاحظہ ہو رسالہ نور الحق اسی طرح رسالہ سر الخلافۃ وشحنۂ حق واعجاز احمدی وغیرہ۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب نے اپنے شدید ترین مخالف مولانا ثناء اللہ صاحب کے لیے اپنے تحریرات میں بار بار لعنت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مثلاً صفحہ ۱۳۸ ۔ اعجازی احمدی پر سطر وار دس لعنتیں کی ہیں۔ مگر خود ہی مولانا امرتسریؒ کی زندگی میں مر گئے '۔(صفحہ ۳۴۷)

مولانا عبداللہ معمارؒ مزید فرماتے ہیں

'مولوی غلام دستگیر نے مرزا صاحب کے ساتھ کبھی مباہلہ نہیں کیا۔ (مرزائیو) یہ تمہارا سفید جھوٹ ہے۔ ہاں انہوں نے خدا سے دعا ضرور کی تھی کہ یا الٰہی مرزا صاحب کو ہدایت نصیب ہو یا ہلاکت...... اگر محض یک طرفہ دعا کا نام مباہلہ ہے تو پھر خود تمہارے

قول کے مطابق مرزا صاحب نے اپنے جملہ مخالفین کے حق میں موت کی بددعائیں کی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اکثر حصہ مخالفین کا ابھی تک (یعنی محمدیہ پاکٹ بک کے زمانہ تالیف تک) زندہ ہے۔ حالانکہ مرزا صاحب، عرصہ ہوا مر گئے۔ اور انصاف سے کام لے کر بتلایئے کہ مرزا جھوٹا ہوا یا نہ ؟۔ (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۳۴۸)

مولانا معمارؒ نے ایک مرتبہ اخبار اہل حدیث امرتسر میں ایک مضمون میں مولانا قصوری والے معاملے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ

'مولوی غلام دستگیرؒ نے اپنی کتاب میں اور مولوی اسماعیل علی گڈھیؒ نے میری نسبت قطعی حکم لگایا کہ وہ (مرزا) کاذب ہے تو ہم سے پہلے مرے گا اور ضرور ہم سے پہلے مرے گا کیونکہ کاذب ہے۔ مگر جب ان تالیفات کو دنیا میں شائع کر چکے تو پھر جلد آپ ہی مر گئے۔ اور اس طرح ان کی موت نے فیصلہ کر دیا کہ کاذب کون تھا' اس مضمون کو مرزا صاحب نے اربعین نمبر ۳ ص ۱۲۔ ۱۴ و اربعین نمبر ۴ ص ۱۳ و ضمیمہ اربعین نمبر ۴ ص ۶ و کتاب نزول المسیح ص ۱۳۱ و اعجاز احمدی وغیرہ کتب میں بھی لکھا ہے۔ حالانکہ یہ بات صریح خلاف واقعہ ہے۔ ان دو اصحاب نے اپنی تالیفات میں ہرگز یہ بات نہیں لکھی (اس کے بعد مولانا معمار، مولوی محمد علی کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ) آؤ تین ججوں کے سامنے اس معاملہ کو پیش کر کے ان سے فیصلہ کرالیں۔ (اہل حدیث ۲۴ مئی ۱۹۳۵ء ص ۶)

اگر لاہوری یا قادیانی مرزائیوں نے اس چیلنج کے جواب میں ججوں کے سامنے کبھی اپنا موقف پیش کر کے فیصلہ کروایا ہو تو کوئی صاحب ہمیں بتلا دیں، ہم انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں مناسب ترمیم و اضافہ کر دیں گے۔ اس وقت آپ کے سامنے مرزا صاحب کی ایک تحریر پیش کرتے ہیں آپ اسے پڑھ کر فیصلہ کر لیجیے کہ مرزا صاحب کی منطق کی زد کس کس پر پڑتی ہے۔ مرزا صاحب اپنی کتاب اتمام الحجۃ میں لکھتے ہیں

'یا الٰہی اس امت کے حال پر رحم کر اور ان مولویوں کے شر سے ان کو بچالے۔ اگر یہ ہدایت کے لائق ہیں تو ان کو ہدایت کر ورنہ ان کو زمین سے اٹھالے۔ تا زیادہ شر نہ پھیلے۔ اور یہ لوگ درحقیقت مولوی بھی تو نہیں ہیں۔ تبھی تو ہم نے ان لوگوں کے سرگروہ اور امام الفتن اور استاد شیخ محمد حسین بٹالوی کو اپنے رسالہ نور الحق میں مخاطب کر کے کہا ہے کہ اگر اس کو عربیت میں کوئی حصہ نصیب ہے تو اس رسالہ کی نظیر بنا کر پیش کرے اور

پانچ ہزار روپیہ انعام پاوے۔ مگر شیخ نے اس طرف منہ بھی نہیں کیا۔ حالانکہ شیخ مذکور ان تمام لوگوں کے لیے بطور استاد کے ہے اور اسی کی تحریکوں سے یہ مردے جنبش کر رہے ہیں۔ (روحانی خزائن جلد ۸، صفحہ ۳۰۳)

مرزا صاحب کی کتاب اتمام الحجۃ پہلی مرتبہ لاہور سے ۱۳۱۱ھ میں طبع ہوئی تھی۔ یعنی ۱۳۱۱ھ میں مرزا صاحب، مولوی محمد حسینؒ کی موت کی دعا کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر محمد حسین جھوٹا ہے تو ہدایت یاب ہو جائے، یا مر جائے۔ ہدایت یاب ہونے سے مرزا صاحب کا مطلب، مرزائی ہونا تھا۔ اور پھر ہوا یہ کہ مرزا صاحب ۱۳۲۵ھ میں مر گئے اور ان کی زندگی میں مولانا محمد حسینؒ کو نہ موت آئی اور نہ ہی وہ مرزائی ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ وہ پہلے ہی ہدایت پر تھے کیونکہ بصورت دیگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مرزا صاحب کی دعا قبول نہیں ہوئی، جبکہ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے کہ ان کی تمام دعائیں قبول ہوں گی، بجز شریکوں کے بارے میں ان کی دعاؤں کے۔ اگر یہ دعا قبول ہوئی تو مولانا کو مرزا کی زندگی میں موت کیوں نہ آئی؟ یا وہ مرزائی کیوں نہ ہوئے؟ اگر دعا قبول نہیں ہوئی تو مرزا صاحب کا اجیب کل دعائک الا فی شرکائک والا الہام جھوٹا ہے اور وہ مفتری علی اللہ ہیں۔

اور مرزا صاحب مولانا غلام دستگیر کے بارے میں کہتے ہیں کہ مولوی غلام دستگیر میرے خلاف دعائے مباہلہ شائع کر کے میری زندگی میں مر گیا ہے اس لیے وہ جھوٹا ہے اور میں سچا ہوں۔ یہاں مرزا صاحب کی درج بالا دعا پڑھ لیجیے جو مولانا بٹالویؒ کے بارے میں کی گئی ہے۔ یہ بعینہٖ اسی طرح کی دعا ہے جو مولانا قصوریؒ نے مانگی تھی۔ اگر مولانا قصوریؒ کی دعا، دعائے مباہلہ ہے، تو مرزا صاحب کی یہ دعا، دعائے مباہلہ کیوں نہ ہو؟ اور اگر مولانا قصوری کا مرزا صاحب کی زندگی میں فوت ہو جانا مرزا صاحب کی صداقت کا نشان ہے تو مرزا صاحب کا مولانا بٹالویؒ کی زندگی میں مر جانا ان کے کذاب ہونے کا نشان کیوں نہ ہو؟

مولانا محمد حسین بٹالویؒ بھی ۱۸۹۶ء والے چیلنج مباہلہ کے بعد مرزا صاحب کے مدمقابل رہے ہیں لیکن ان کے ساتھ بھی مرزا صاحب کا کوئی مباہلہ نہیں ہو سکا۔ تاہم دونوں کی نوک جھونک ایک عرصہ تک ہوتی رہی ہے اور سطور ذیل میں اسی کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔



مولانا بٹالویؒ اور چیلنج مباہلہ ۱۸۹۶ء

مرزا غلام احمد نے ۱۸۹۶ء میں مباہلے کا جو چیلنج دیا تھا اس کے ساتھ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اس وقت مباہلے کے لیے نکلیں گے جب دس نامور علماء ان کے چیلنج کو قبول کر کے بیک وقت سامنے آئیں گے۔ یہ شرط فضول تھی اور یک طرفہ بھی۔ فضول اس لیے کہ جب کسی ایک فرد کی حیات وموت بھی فریقین کے درمیان صدق و کذب کا فیصلہ کر سکتی ہے تو دس افراد کی کیا ضرورت تھی؟ یک طرفہ اس لیے کہ اس شرط کے بارے میں فریقین کی آپس میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی دونوں فریقوں نے باہم مل بیٹھ کر تعداد کا یہ معاملہ طے کیا تھا۔ مولانا محمد حسین مرحوم نے جب چیلنج کو قبول کرنے کا اعلان کیا تو اس مسئلے کو بھی اٹھایا۔ انہوں نے مرزا صاحب کو مخاطب کر کے لکھا کہ

'مولوی عبدالحق غزنویؒ اور مولوی غلام دستگیر قصوریؒ پہلے ہی آپ سے مباہلہ کے خواہاں ہیں۔ آپ ان سے مباہلہ کیوں نہیں کرتے؟ اس کی وجہ معقول بیان کریں تو بدرجہ سوم میں مباہلہ کے لیے حاضر ہوں۔ باقی رہی دس والی شرط، تو یہ آپ نے محض اس لیے لگائی ہے کہ اول تو اتنے لوگ بیک وقت مقابلے میں نہیں آئیں گے۔ اگر آ بھی گئے تو ان میں سے کوئی نہ کوئی تو ایسا ضرور ہوگا جس کا سال بھر میں کوئی مالی نقصان ہو جائے یا اس کی عزت کو کوئی صدمہ پہنچے یا اسے کوئی گالی دیدے یا کوئی تھپیڑ مار دے۔ تو ایسی صورت میں آپ فوراً یہ کہہ دیں گے کہ یہ میرے ساتھ مباہلے کا اثر اور میری جیت ہے۔ آپ سیدھی طرح مقابلے میں آئیں۔ آپ اکیلے نکلیں گے تو آپ کا مقابل بھی اکیلا نکلے گا اور اگر آپ اپنی جورو اور لڑکوں کو ساتھ لائیں گے تو وہ بھی مع عیال آئے گا۔ آپ الہام کا ٹیلی فون لگا کر اپنے ملہم سے یہ پوچھ دیں کہ کس قسم کا عذاب ہوگا؟ تا کہ پھر آپ کو اس کی شرح کرنے اور اس کے معانی بتانے کی حاجت نہ رہے'۔ (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۸)

مرزا صاحب کے پاس اس سیدھی سادھی بات کا کوئی جواب نہیں تھا اور وہ چاہتے ہی نہیں تھے کہ مباہلہ ہو۔ اسی لیے وہ چیلنج جاری کر کے مباہلے کو حیلوں بہانوں سے ٹالتے رہتے

تھے۔مولانا بٹالوی مرحوم نے جب مباہلے کی ایک آسان اور قابل عمل صورت پیش فرمائی اور مرزا صاحب کو کوئی راہ فرار نظر نہ آئی تو کہنے لگے کہ بھلا اپنوں سے بھی کوئی مباہلہ کیا کرتا ہے؟ مولانا آپ تو میرے پرانے دوست ہیں۔آپ کے لیے تو میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دن رات دست بدعا رہتا ہوں کہ وہ آپ کو میرے سلسلہ احمدیہ میں داخل کر دے۔اور معاملہ میری دعا تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس سے بہت آگے جا چکا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتا دیا ہے کہ آپ مرزائی ہو جائیں گے۔اس لیے میں آپ سے کیوں مباہلہ کروں؟ مرزا غلام احمد کے اصل الفاظ یہ ہیں

'مجھ کو خدا نے تین مرتبہ یہ اطلاع دی ہے کہ محمد حسین کو رجوع دیا جائے گا۔اس لیے میں نے اس پیش گوئی کو اس رسالہ سراج منیر میں جو ، اب چھپ رہا ہے درج کر دیا ہے ، اور جہاں تک میری طاقت ہے میں دعا بھی کروں گا۔مجھ کو اس بات سے بہت ہی خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ارادہ فرمایا ہے۔ واللہ علی کل شی قدیر۔

(مکتوبہ ۲۔اپریل ۱۸۹۷ء۔اشاعۃ السنۃ جلد ۱۸)

اور اپنی امت کے فرعون کی نشان دہی کرتے ہوئے مرزا صاحب لکھتے ہیں

'فرعون سے مراد محمد حسین ہے۔ خدا تعالیٰ کا ایک کشف ظاہر کر رہا ہے کہ وہ بالآخر ایمان لائے گا۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ ایمان فرعون کی طرح صرف اسی قدر ہو گا کہ آمنت بالذی آمنت بہ بنو اسرائیل یا پرہیزگار لوگوں کی طرح'۔

(روحانی خزائن جلد ۱۲ (استفتاء مطبوعہ ۱۸۹۷ء) ص ۱۳۰ حاشیہ)

اور اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں

'شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی (ایڈیٹر رسالہ اشاعت السنۃ) جو بانی مبانی تکفیر ہے اور جس کی گردن پر نذیر حسین دہلوی کے بعد تمام مکفروں کے گناہ کا بوجھ ہے اور جس کے آثار بظاہر نہایت ردی اور یاس کی حالت کے ہیں۔اس کی نسبت تین مرتبہ مجھے معلوم ہوا کہ وہ اپنی اس حالت پر ضلالت سے رجوع کرے گا۔اور پھر خدا اس کی آنکھیں کھولے گا'۔ (روحانی خزائن جلد ۱۲ (سراج منیر) ص ۸۰)

اس پیش گوئی کی وضاحت کے لیے مرزا صاحب کے ایک حواری مولوی محمد احسن امروہی، مولانا بٹالویؒ کو ایک خط میں لکھتے ہیں

'حضرت اقدس نے اس عاجز سے بار ہا یہ فرمایا ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بالآخر بہ سبب اپنی برکات علمی کے پھر اس ریویو سابق کی طرف رجوع فرمائیں گے۔ یہ جملہ معترضہ جو ان کو پیش آ گیا ہے وہ ایک ذلة الاقدام ہے۔ راقم سید محمد احسن از امروہہ شاہ علی سرائے ضلع مراد آباد ۶۔ اپریل ۱۸۹۷ء۔ (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۸ نمبر ۲ ص ۴۸)

اور ۱۹۰۲ء میں اپنی ایک کتاب میں مرزا صاحب فرماتے ہیں

'ہم اس کے ایمان سے ناامید نہیں ہوئے۔ بلکہ امید بہت ہے اسی طرح خدا کی وحی خبر دے رہی ہے۔ (اے مرزا) تجھ پر خدا تعالیٰ تیرے دوست محمد حسین کا مقسوم ظاہر کر دے گا۔ سعید ہے۔ پس روز مقدر اس کو فراموش نہیں کرے گا۔ اور خدا کے ہاتھوں زندہ کیا جاوے گا۔ پس پاکیزگی اور طہارت کا پانی اسے پلائیں گے۔ اور نسیم صبا، خوشبو اور طہارت لائے گی اور معطر کر دے گی۔ میرا کلام سچا ہے۔ میرے خدا کا قول ہے۔ جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا دیکھ لے گا'۔ (اعجاز احمدی طبع قادیان ۱۹۰۲ء صفحہ ۵۱۔۵۰)

اور ۱۸ اپریل ۱۹۰۳ء کو مرزا صاحب نے اپنے مریدوں کو بتایا کہ

'میں لیٹا ہوا تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب نظر آ گئے۔ پھر یہ لفظ الہام ہوئے

ساخبره فی آخر الوقت انک لست علی الحق

(میں اسے آخری وقت بتا دوں گا کہ تو حق پر نہیں تھا)۔ (تذکرہ صفحہ ۴۶۹)

دوسری طرف مولانا مرحوم کے پاس مرزا صاحب کی باتوں کا ایک ہی جواب تھا کہ

'میں خدا کے فضل و توفیق سے' نہ کہ اپنی ذاتی قابلیت ولیاقت سے' آپ کے اس دام میں نہیں پھنستا اور جب تک زندہ ہوں اور قرآن پاک پر ایمان رکھتا ہوں اور دین اسلام کا معتقد اور پابند ہوں آپ کی موجودہ حالت اور اعمال و اخلاق کے ساتھ اتفاق نہ کروں گا۔ (اشاعہ السنۃ جلد ۱۸۔ نمبر ۲ صفحہ ۴۹)

قصہ مختصر مرزا صاحب کی ان پیش گوئیوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مولانا بٹالویؒ سے مباہلہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ حیلے بہانے کر کے اپنی جان چھڑانا چاہتے تھے۔ لیکن وہ کامیاب بھی نہیں ہو رہے تھے۔ ایک دروازہ بند ہوتا تو دوسرا دروازہ کھل جاتا۔ انہوں نے ۱۸۹۶ء والے چیلنج سے کھلنے والے باب مباہلہ کو بلطائف الحیل بند کیا ہی تھا کہ ایک اور مسئلے میں الجھ کر پھر مولانا بٹالویؒ کے ہتھے چڑھ گئے۔ بات یوں ہوئی کہ ۱۸۹۷ء میں ان کا ایک

معاملہ پشاور کے ایک ہندو پنڈت لیکھرام سے چل رہا تھا۔ وہ شخص قتل ہوگیا اور اس کے قاتل کا پتہ نہ چل سکا۔ مرزا صاحب نے اعلان فرما دیا کہ لیکھرام ان کی پیش گوئی کے مطابق مرا ہے اس لیے وہ سچے ہیں۔ ۱۵ مارچ ۱۸۹۷ء کو انہوں نے اس مضمون کا ایک اشتہار جس میں بڑے زور شور کے ساتھ قتل کے اس واقعہ کو اپنی پیش گوئی اور اپنے دعویٰ مسیحیت کی صداقت کا عظیم الشان خدائی نشان قرار دیتے ہوئے اپنے مخالفین کو آڑے ہاتھوں لیا اور لکھا کہ

'اگر جلسہ عام میں میرے روبرو مولوی محمد حسین قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ پیش گوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھی اور نہ سچی نکلی تو اے قادر خدا! ایک سال کے اندر میرے پر کوئی عذاب شدید نازل کر۔ پھر اگر مولوی صاحب موصوف اس عذاب شدید سے ایک سال تک بچ گئے تو ہم اپنے آپ کو جھوٹا سمجھیں گے اور مولوی صاحب کے ہاتھ پر توبہ کریں گے۔ اور جس قدر ہمارے پاس اس بارے میں الہام ہوں گے جلا دیں گے۔

(چودھویں صدی کا مسیح ص ۳۸۱)

مولانا بٹالوی نے جواباً لکھا کہ

'یہ خاکسار اپنی نیک نیتی اور سچائی کی نظر سے اور خدا تعالیٰ کے ناصر و معاون حق کی امید و بھروسہ پر آپ کی دعوت قسم قبول کرنے کو بلا کسی معاوضہ یا تاوان حاضر ہے'

(اشاعۃ السنۃ نمبر ۲ جلد ۱۸ ص ۵۱-۵۲)

لیکھرام سے متعلق مولانا محمد حسین کی تحریر جو ۸۰ سے زائد صفحات پر مشتمل تھی ہمارے سامنے نہیں ہے اس لیے ذیل میں مولانا امرتسریؒ کی کتاب نا قابل مصنف مرزا سے ایک اقتباس پیش کیا جا رہا ہے جس سے اس واقعے پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ مولانا ثناء اللہ لکھتے ہیں

'مرزا صاحب اور ان کے حواری لیکھ رام کے قتل کے واقعہ کو بہت بڑا معجزہ بتایا کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ میں نے لیکھ رام کے قتل ہونے کا الہام شائع کیا تھا بلکہ تاریخ بھی بتا دی تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ لیکھ رام سے متعلق مرزا صاحب نے جو پیشگوئی کی تھی وہ اس کے قتل یا موت کی نہ تھی بلکہ خارق عادت عذاب کی تھی۔ ہمارے اس دعویٰ کا ثبوت اس معاہدہ سے ہوسکتا ہے جو پنڈت لیکھ رام اور مرزا صاحب کے درمیان پیش گوئی کے خاتمہ کے متعلق ہوا تھا اور جسے خود مرزا صاحب نے بھی شائع کیا تھا۔ آپ کے الفاظ میں مذکور معاہدہ کی عبارت یہ ہے ' وہ معاہدہ جو نشانوں کے دیکھنے کے لیے اس راقم (مرزا) اور لیکھ رام کے مابین تحریر پایا تھا۔ اس

معاہدے کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی پیشگوئی لیکھ رام کو سنائی جائے اور وہ سچی نہ ہوتو وہ ہندو دھرم کی سچائی کی دلیل ہوگی۔ اور فریق پیشگوئی کرنے والے (مرزا ملہم) پر لازم ہوگا کہ آریہ مذہب اختیار کرے یا تین سو ساٹھ روپیہ لیکھ رام کو دے دے...... اگر پیش گوئی کرنے والا سچا نکلے تو اسلام کی سچائی کی یہ دلیل ہوگی اور پنڈت لیکھ رام پر یہ واجب ہوگا کہ اسلام قبول کرے...... پھر اس کے بعد وہ پیشگوئی بتائی گئی جس کی رو سے ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو لیکھ رام کی زندگی کا خاتمہ ہوا ' (استفتاء۔ص ۹) (مولانا امرتسریؒ کہتے ہیں کہ) یہ معاہدہ صاف بتا رہا ہے کہ مرزا صاحب کی الہامی پیش گوئی کا وقوع ایسے طریق پر ہونا چاہیے تھا کہ پنڈت لیکھ رام اسلام قبول کر سکتا۔ یعنی زندہ رہتا۔ پس اس کا مر جانا یا مارا جانا پیش گوئی کی تصدیق نہیں بلکہ تکذیب کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے لیے اسلام قبول کرنے کا موقع ہی نہیں رہا۔

لیکھ رام والے معاملے میں مولانا بٹالویؒ نے مرزا صاحب سے کہا تھا کہ وہ ان کی پیش گوئی کے جھوٹے ہونے پر مؤکد بعذاب قسم کھانے کو تیار ہیں۔ اس بات کا ذکر کرتے ہوئے مرزا صاحب فرماتے ہیں

'شیخ محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ کا ایک اشتہار جس پر کوئی تاریخ نہیں اور جس کا یہ عنوان ہے ' الہامی قاتل مرزا غلام احمد ' میری نظر سے گذرا...... شیخ صاحب اپنے اشتہار میں لکھتے ہیں کہ لیکھرام والی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی اور نیز ارقام فرماتے ہیں کہ میں اس بارے میں قسم کھانے کے لئے تیار ہوں۔ مگر ایک برس کی میعاد سے ڈرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس قدر مدت میں مر جائیں یا کوئی اور عذاب نازل ہو جائے۔ لیکن میں ان کو مکرر سمجھاتا ہوں کہ ایک ایسے شخص کے ساتھ کہ اپنی ذکر کردہ میعاد کی بنیاد الہام ٹھہراتا ہے، ضد کرنا حماقت ہے...... ہماری طرف سے ایک برس تک ہی میعاد ہو گی...... قسم کھانے سے پہلے آپ جلسہ میں چپ بیٹھ کر برابر دو گھنٹے تک میری وہ وجوہات سنیں جو میں اپنے الہام اور پیش گوئی کے صحت وقوع کے بارے میں بیان کروں گا۔ اور آپ کو اختیار نہیں ہوگا کہ کچھ چون و چرا کریں۔ بلکہ میت کی طرح عالم خاموشی میں سنتے رہیں گے۔ اور پھر اٹھ کر اس عبارت کے ساتھ جو آپ اشتہار میں لکھ چکے ہیں تین مرتبہ قسم کھائیں گے اور ہم آمین کہیں گے۔ صرف اس قدر عبارت میں تبدیلی ہوگی

کہ بجائے 'فوراً' کے 'ایک برس' کا نام لیں گے۔ اور اگر ان باتوں سے آپ نے پہلوتہی کی اور بے ہودہ شرائط اور پیچ در پیچ حیلہ حوالے کی باتوں کو شروع کر دیا جیسا کہ آپ کی عادت ہے تو سب پر کھل جائے گا کہ آپ کی نیت صحیح نہیں ہے...... غرض یہ کہ ہمارا آخری اشتہار ہے۔ اگر آپ اپنی ملانہ حیلہ بازیوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کے ساتھ وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ (مجموعہ اشتہارات۔ جلد۲ ص ۶۔۴۰۵)

مرزا صاحب کا یہ اشتہار یکم مئی ۱۸۹۷ء کا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بٹالویؒ کہتے تھے کہ قسم کھائی جائے تو جھوٹے پر فوراً عذاب نازل ہو تا کہ فیصلہ جلد ہو جائے لیکن مرزا صاحب بات کو ایک سال تک لٹکانا چاہتے تھے۔ اب دیکھ لیجیے کہ مقابلے سے فرار کون ہو رہا تھا' جلدی فیصلہ چاہنے والا یا معاملے کو لٹکانے والا؟ اور جلسہ قسم میں میت کی طرح چپ بیٹھنے کا کیا مطلب؟

قصہ مختصر یہ کہ مرزا صاحب نے اس معاملے کو بھی شرائط کے گورکھ دھندے میں الجھا دیا اور مباہلہ منعقد نہ ہوسکا۔



ذلت کی مار

مرزا غلام احمد بعض اوقات خود پس پردہ رہ کر مریدوں کے ذریعے بھی مولانا محمد حسین بٹالوی کے خلاف اشتہار بازی کیا کرتے تھے جیسا کہ مولوی دوست محمد قادیانی نے کہا ہے

'مولوی عبد القادر لدھیانوی (مرزائی) نے حضرت اقدس (مرزا) سے بٹالہ میں مولوی محمد حسین سے مباہلہ کرنے کی درخواست کی جسے حضور (مرزا) نے منظور فرما لیا۔ جس پر انہوں نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بھی ایک طویل خط میں سچائی کے فیصلہ کے لئے حضرت اقدس (مرزا) سے بٹالہ میں بلاشرط مباہلہ کرنے کی پرزور دعوت دی اور انہیں تحریص و ترغیب دلانے کے لیے ۲۰۰ روپیہ نقد انعام دینے کی پیش کش کی۔ مولوی عبد القادر صاحب کا یہ خط جب الحکم قادیان ۲۰۔۲۷ ستمبر ۱۸۹۸ء میں شائع ہوا تو شملہ ۔ سیالکوٹ ۔ بٹالہ اور الہ آباد کی جماعتوں کے علاوہ اور دیگر مقامات کے بعض مخلص احباب کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ انہیں بھی مباہلہ کی تحریک میں شامل کیا جائے اور انعام کی پیش کش بھی کی جس سے اکتوبر ۱۸۹۸ء کے آخر تک انعامی رقم دو ہزار پانچ سو پچیس روپیہ آٹھ آنہ تک پہنچ گئی۔ (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۳۱)

اور پھر دو ہزار پانچ سو پچیس روپیہ آٹھ آنہ کے انعام کے اعلان کے ساتھ مولوی یعقوب علی تراب ایڈیٹر الحکم قادیان نے درج ذیل اشتہار شائع کیا۔

. یہ امر بوضاحت بیان ہو چکا ہے کہ میاں محمد حسین بٹالوی ہی جناب حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود کی تکفیر کا اصل محرک اور بانی ہوا ہے اور باقی تمام مکفرین نے اس کی یا اس کے استاد میاں نذیر حسین دہلوی کی پیروی کی ہے اس لیے اسی کو اس درخواست مباہلہ میں مخاطب کیا گیا ہے۔ چونکہ اس نے حضرت اقدس مرزا صاحب سلمہ ربہ کی تکفیر اور تکذیب پر حد سے زیادہ زور مارا ہے اور باوجودیکہ وہ اپنی ناکامیوں اور حضرت اقدس کی کامیابیوں کو بارہا دیکھ چکا ہے اور بہت سے نشانات ملاحظہ بھی کر چکا ہے مگر اپنی غلطیوں کا اعتراف نہیں کرتا اس لیے اس کو مباہلہ کی دعوت دی جاتی ہے جو

آسمانی اور خدائی فیصلہ ہے۔ یہ مباہلہ بدوں کسی قسم کی شرط کے ہوگا اور اگر ایک سال کے اندر نتیجہ مباہلہ ہمارے حق میں نہ ہوا اور ایک اثر قابل اطمینان ہماری تائید میں ظہور میں نہ آیا تو رقم مندرجہ بالا جو پہلے سے جمع کرا دی جاوے گی ان کو بطور نشان کامیابی ان صاحبوں کی طرف سے دی جاوے گی جنہوں نے مقرر کی ہے۔ میاں محمد حسین بٹالوی کو اختیار ہوگا کہ اخیر نومبر ۱۸۹۸ء تک کسی وقت منظوری مباہلہ کی درخواست مطبوعہ یا بصیغہ رجسٹری ہمارے پاس بھیج دیں۔ (مجموعہ اشتہارات جلد ۳ صفحہ ۸۸۔۹۰)

چونکہ اس قسم کے اشتہارات مرزا صاحب کی بجائے ان کے مریدوں کی طرف سے شائع ہو رہے تھے اس لیے دوسری جانب سے بھی مولانا بٹالویؒ نے براہ راست جواب نہیں بلکہ ان کے دوستوں نے یہ اشتہار دیا۔

سچے اور قطعی فیصلہ کی صورت صواب
دجال کادیانی کے اشتہار مباہلہ کا جواب

دجال کادیانی کو ڈگلس، ڈپٹی کمشنر گورداسپورہ نے دبایا اور اس سے عہد لے لیا کہ آئندہ دلآزار الفاظ سے زبان بند رکھے (چنانچہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۹ جلد ۱۸ کے صفحہ ۲۵۹ میں تفصیل سے بیان ہوا ہے) اور اس وجہ سے اس کو مجبوراً الہام کے ذریعہ لوگوں کی دلآزاری سے زبان بند کرنا پڑی اور الہامی گولے چلانا یا یوں کہو کہ گوز چھوڑنا ترک کرنا ضروری ہوا۔ اور پھر الہامی دلآزاری کے سوا اس کا کام بند ہونے لگا اور اس کی دکانداری میں نقصان واقع ہوا تو اس نے اپنے نائبین کے ذریعہ یہ کام شروع کر دیا۔ تب سے وہ کام اس کے نائب کر رہے ہیں۔ اور اخباروں اور اشتہاروں کے ذریعہ سے لوگوں کی دلآزاری میں مصروف ہیں۔ ازاں جملہ بعض کا ذکر اشاعۃ السنۃ نمبر ۳ جلد ۱۹ کے صفحہ ۷۷ وغیرہ میں ہوا ہے۔ ازاں جملہ بعض کا ذکر ذیل میں ہوتا ہے۔

اس کے چند نائین لاہور ولدھیانہ وپٹیالہ وشملہ نے مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب کے نام اس مضمون کے اشتہار جاری کیے ہیں کہ وہ بمقام بٹالہ کادیانی کے ساتھ مباہلہ کر لیں۔ اور اس مباہلہ کا اثر ظاہر نہ ہونے کی صورت میں آٹھ سو پچیس روپیہ (جس کو وہ ان چاروں مواضع سے جمع کر کے پیش کریں گے) انعام لیں۔ اس کے ساتھ ان لوگوں نے دل کھول کر دلآزاری و بدگوئی سے اپنے دلوں کا ارمان نکالا اور کادیانی کی نیابت کو پورا کر

دکھایا۔ میں ان لوگوں کی جرأت و حیا پر تعجب کرتا ہوں کہ باوجود یکہ مولانا مولوی صاحب اشاعۃ السنہ نمبر ۸ اور ۱۲ جلد ۱۵ کے صفحہ ۱۶۶ و ۱۸۸ و ۳۱۳ اور نمبر ۳ جلد ۱۸ کے صفحہ ۸۶ اور دیگر مقامات میں کادیانی سے مباہلہ کے لیے مستعدی ظاہر کر چکے ہیں اور اس سے گریز وانکار اسی کادیانی بدکار کی طرف سے ہوا ہے نہ مولانا موصوف کی طرف سے۔ پھر یہ لوگ کس منہ سے مولانا مولوی صاحب کو مباہلہ کے لیے بلاتے ہیں۔ اور شرم و حیا سے کچھ کام نہیں لیتے۔ اسی وجہ سے مولوی صاحب ان مجاہیل کی فضول لاف وگزاف کی طرف توجہ نہیں کرتے اور ان لوگوں کو مخاطب بنانا نہیں چاہتے۔ البتہ ان کے مرشد ، دجال اکبر، اکذب العصر سے مباہلہ کرنے کے لیے ہر وقت بغیر کسی شرط کے مستعد و تیار ہیں۔ اگر قادیانی اپنی طرف سے دعوت مباہلہ کا اشتہار دے یا کم سے کم یہ مشتہر کر دے کہ اس کے مریدوں نے جو اشتہار دیئے ہیں وہ اسی کی رضا مندی و ترغیب سے دیئے ہیں۔ اس میں مولوی صاحب ممدوح اپنی طرف سے کوئی شروط پیش نہیں کرتے۔ صرف کادیانی کی شروط و میعاد ایک سال کو اڑا کر یہ چاہتے ہیں کہ اثر مباہلہ اسی مجلس میں ظاہر ہو یا زیادہ سے زیادہ تین روز میں جو عبداللہ آتھم کے مباہلہ وقسم کے لیے اس نے تسلیم کیے تھے اور قبل از مباہلہ کادیانی اس اثر کی بھی تعیین کر دے کہ وہ کیا ہوگا۔ اس کی وجہ و دلیل بتفصیل مع حوالہ حدیث وتفسیر وہ اشاعۃ السنہ نمبر ۸ جلد ۱۵ کے صفحہ ۱۷۱ وغیرہ اور نمبر ۳ جلد ۱۸ کے صفحہ ۸۶ میں بیان کر چکے ہیں کہ یہ میعاد ایک سال کی خلاف سنت ہے اور اس میں کادیانی کی حیلہ سازی وفریب بازی کی بڑی گنجائش ہے اور درصورت نہ ہونے ظاہر اثر مباہلہ کے مولوی صاحب کچھ نقد انعام لینا نہیں چاہتے۔ صرف وہی سزا تجویز فرماتے ہیں جو کادیانی نے عبداللہ آتھم کے متعلق پیشگوئی پوری نہ ہونے کی صورت میں اپنے لیے خود تجویز کی تھی۔ کہ اس کا منہ کالا کیا جاوے، اس کو ذلیل کیا جاوے۔ (دیکھو جنگ مقدس میں آخری پرچہ کادیانی کا صفحہ اخیر) پس ہم کو یہ شرط منظور ہے۔ لیکن اس روسیاہی کے بعد اس کو گدھے پر سوار کر کے کوچہ بکوچہ ان چاروں شہروں میں پھرایا جاوے اور بجائے دینے جرمانہ یا انعام آٹھ سو پچیس روپیہ کے صرف آٹھ سو پچیس جوتے حضرت اقدس (اکذب) کے سر مبارک پر رسید ہوں۔ جن کو ان کے چاروں مواضع کے مرید آپ کی نذر کریں۔ اور اس کفش کاری اور پاپوش باری کے بعد پھر گدھے کی سواری

پر آپ کا جلوس نکلے اور آگے آگے آپ کے مخلص مرید بطور مرثیہ خوانی پڑھتے جاویں

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی
بنمائے بہ صاحب نظرے گوہر خود را
عیسیٰ نتواں گشت بہ تصدیق خرے چند
مرسل یزدانی و عیسیٰ نبی اللہ شدی
بازی گوئی کہ دجالت نخوانند اے حمار
کفشہا برسر خوری از افترائے ناسزا
روسیہ گشتی میان مردم قرب و جوار
اڑاتا خاک سر پر جھومتا مستانہ آتا ہے
یہ کھاتا جوتیاں سر پر مرا دیوانہ آتا ہے

راقم سید ابوالحسن تبتی حال وارد کوہ شملہ سنجولی ۳۱۔ اکتوبر ۱۸۹۸ء

ضروری نوٹ:

۱۔ نائبین دجال اکبر کادیانی لعین نے جو اشتہاروں میں لکھا ہے کہ نام کا مولوی عبدالقادر لودہانوی، مولوی محمد حسین صاحب کا ہم مکتب ہے۔ یہ محض دروغ ہے۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ بدنصیب بمقام ہندلہ (جبکہ ہم مولوی نور الحسن صاحب مرحوم سے شمس بازغہ پڑھتے تھے) ہم سے شرح ملا پڑھا کرتا تھا۔ اب وہ ہمارا ہم مکتب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس پر فخر کر رہا ہے۔ کیوں نہ ہو، یہ قدیم سے ہوتا چلا آیا ہے۔ جس کی شکایت اس شعر میں ہے

کس نیا موخت تیر از من کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

۲۔ یہ بھی مریدان دجال نے مشتہر کیا ہے کہ عبدالقادر نے قلمی خط مولوی محمد حسین صاحب کے پاس بھیجا ہے۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بھی محض کذب ہے لعنة الله على الكاذبين ، ہم کو عبدالقادر کا کوئی خط نہیں پہنچا۔ قلمی خط تو ایک طرف رہا کوئی مطبوعہ پرچہ اخبار الحکم جس میں اس کا خط درج ہوا ہے یا کوئی اشتہار لاہور یا شملہ وغیرہ سے بھی اس مضمون کا کادیانی یا اس کے اتباع کا مرسلہ ہم کو نہیں پہنچا۔ بہت مشکل اور تلاش سے ہم نے ایک مدرس سکول بٹالہ سے اخبار کا پرچہ مستعار لے کر شیخ فتح محمد اہل

حدیث گجرات کی قلم سے وہ خط نقل کرایا اور اشتہار اہل شملہ ہم نے شملہ کے ایک کلرک محکمہ آب و ہوا سے بتقاضا وصول کیا۔ اور اس دجال کے چیلوں کی قدیم عادت ہے کو جو مضمون جواب طلب چھاپتے ہیں اس کی کاپی ہماری طرف نہیں بھیجتے۔

۳۔ عربی نویسی میں دجال کادیانی کا مقابلہ کرنے سے گزیز یا اعراض کو جو ان نائبین دجال نے مولوی صاحب کی طرف منسوب کیا ہے اس میں ان گمناموں نے دجال اکبر کی سنت پر عمل کیا ہے۔ مولوی صاحب موصوف اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ نمبر ۸ جلد ۱۵ کے صفحہ ۱۵۹ میں کادیانی کو عربی میں مقابلہ کے لیے للکار چکے ہیں۔ پھر نمبر ۱۲ جلد ۱۵ میں کادیانی کی عربی نویسی کا اچھی طرح بخیہ ادھیڑ چکے ہیں۔ مگر اس گروہ بے شکوہ نے شرم و حیا کو نصیب اعداء سمجھ کر ان دعاوی باطلہ و اغلیط عاطلہ کادیانی کا اعادہ کر کے گڑے مردے اکھاڑنے کو عمل میں لا کر لوگوں کو دھوکا دیا ہے۔ ان میں ذرہ شرم ہوتی تو وہ اشاعۃ السنہ کے ان مقامات کو پڑھ کر ڈوب مرتے اور پھر عربی نویسی کا دعویٰ زبان پر نہ لاتے۔ مگر یہاں شرم کہاں؟ ان کا مقولہ ہے کہ

شرم چہ کنی است کہ پیش مرداں بیاید

۴۔ کادیانی کا مستجاب الدعوات ہونے کا جو اس شیخ چلی کے شاگردوں نے دعویٰ کر کے اس میں مولوی صاحب کا مقابلہ چاہا ہے اس کا جواب مولوی صاحب اشاعۃ السنہ نمبر ا جلد ۱۴ میں ۱۸۹۱ اور نمبر ا جلد ۱۶ بابت ۱۸۹۵ء کے صفحہ ۱۴۵ وغیرہ میں دے چکے ہیں۔ مگر ان حیا کے دشمنوں نے حیا سے قسم کھا کر انہی پچھلی باتوں کا اعادہ شروع کر دیا ہے۔ ہم کہاں تک جواب دیتے جاویں۔ مولوی سید ابوالحسن صاحب تبتّی نے جو ۸۲۵ روپیہ انعام کے بدلے آٹھ سو پچیس جوتے کادیانی کے لیے تجویز کیے ہیں اس پر حضور ایں جانب کا صاد ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس قدر رعایت ضروری ہے کہ اگر حضرت اقدس کادیانی اس قدر جوتوں کے بذات شریف و نفس نفیس متحمل نہ ہوسکیں اور سر مبارک حضرت اکذب کا گنجہ ہو جاوے یا جوتوں کی مار سے آپ کو الہامی قبض لاحق ہو جاوے تو باقی ماندہ آپ کے نائبین جنہوں نے گمنام اشتہارات دیئے ہیں آپس میں اس طرح بانٹ لیں کہ لاہور والے مخلص گمنام، پٹیالہ والوں کو، اور لدھیانہ والے، شملہ والوں کو، اور پٹیالہ والے، لدھیانہ والوں کو اور اسی طرح وہ ایک دوسرے کو بطور ہمدردی مدد

دیں۔ ہم کو اس بات پر اصرار نہیں کہ وہ سب جوتے حضرت اقدس (اکذب) ہی کے سر پر پورے کیے جاویں۔ یہ امر بحکم آیت لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا ہم کو پسندیدہ نہیں اور عام ہمدردی انسانی اور اصول اخلاق کے بھی مخالف ہے۔

الراقم ملا محمد بخش لاہور ۱۰ نومبر ۱۸۹۸ء

محمد بخش قادری مینیجر اخبار جعفر زٹلی تاج الہندی پریس لاہور

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ ۶۲۔۶۷)

اس اشتہار کے جواب میں مرزا صاحب نے ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء والہ مشہور اشتہار شائع کیا جس میں پیش گوئی فرمائی کہ مولانا بٹالوی' مولوی ابوالحسن اور محمد بخش جعفر زٹلی کو ۱۳ ماہ کے دوران ذلت اٹھانی پڑے گی۔ اور اس کے وقوع کو انہوں نے اپنے اور مولانا بٹالوی مرحوم کے درمیان حق و باطل کے تعین کے لیے آخری فیصلہ قرار دیا۔ یہ اشتہار درج ذیل ہے

'جن لوگوں نے شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی کے چند سال کے پرچہ اشاعۃ السنۃ دیکھے ہوں گے اور وہ اگر چاہیں تو محض للہ گواہی دے سکتے ہیں کہ شیخ صاحب موصوف نے اس راقم کی تحقیر اور توہین اور دشنام دہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی (اور میری صداقت کے) نشانوں سے شیخ محمد حسین اور اس کے ہم مشرب لوگوں نے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ سختی اور بدزبانی روز بروز بڑھتی گئی۔ چنانچہ ان دنوں میں میرے بعض دوستوں نے کمال نرمی اور تہذیب سے شیخ صاحب موصوف سے یہ درخواست کی تھی کہ آپ مباہلہ کر کے تصفیہ کر لیں اور یہ بھی کہا گیا تھا کہ اثر مباہلہ کے لیے اس طرف سے ایک سال کی شرط ہے۔ نہایت افسوس کی بات ہے کہ اس درخواست مباہلہ کو شیخ محمد حسین نے قبول نہیں کیا اور یہ عذر کیا کہ تین دن تک مہلت اثر مباہلہ ہم قبول کر سکتے ہیں زیادہ نہیں۔ سو شیخ محمد حسین نے باوجود بانی تکفیر ہونے کے اس راہ راست پر قدم مارنا نہیں چاہا اور بجائے اس کے کہ نیک نیتی سے مباہلہ کے میدان میں آتا یہ طریق اختیار کیا کہ ایک گندہ اور گالیوں سے پر اشتہار لکھ کر محمد بخش جعفر زٹلی اور ابوالحسن تبتی کے نام سے چھپوا دیا۔ اس وقت وہ اشتہار میرے سامنے رکھا ہے اور میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ مجھ میں اور محمد حسین میں آپ فیصلہ کرے اور وہ دعا جو میں نے کی یہ ہے کہ اے میرے ذوالجلال پروردگار! اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل جھوٹا اور مفتری ہوں جیسا کہ محمد حسین بٹالوی

نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں بار بار مجھ کو کذاب اور دجال اور مفتری کے لفظ سے یاد کیا ہے اور جیسا کہ اس نے اور محمد بخش جعفر زٹلی اور ابوالحسن تبّتی نے اس اشتہار میں جو ۱۰ نومبر ۱۸۹۸ء کو چھپا ہے میرے ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ تو اے میرے مولا اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل ہوں تو مجھ پر ۱۳ ماہ کے اندر یعنی ۱۵ دسمبر ۱۸۹۸ء سے ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء تک ذلت کی مار وارد کر۔ اور ان لوگوں کی عزت اور وجاہت ظاہر کر۔ اور اس روز روز کے جھگڑے کو فیصلہ فرما۔ لیکن اگر اے میرے آقا میرے مولا میرے منعم میری ان نعمتوں کے دینے والے جو تو جانتا ہے اور میں جانتا ہوں، تیری جناب میں میری کچھ عزت ہے تو میں عاجزی سے دعا کرتا ہوں کہ ان تیرہ مہینوں میں جو پندرہ دسمبر ۱۸۹۸ء سے ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء تک شمار کیے جاویں گے، شیخ محمد حسین اور جعفر زٹلی اور تبّتی مذکور کو جنہوں نے میرے ذلیل کرنے کے لیے یہ اشتہار لکھا ہے، ذلت کی مار سے دنیا میں رسوا کر...... میرے لیے یہ نشان ظاہر فرما کر ان تینوں کو ذلیل اور رسوا اور ضربت علیہم الذلۃ کا مصداق کر، آمین ثم آمین۔ (اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ) یہ دعا تھی جو میں نے کی۔ اس کے جواب میں یہ الہام ہوا کہ میں ظالم کو ذلیل اور رسوا کروں گا اور وہ اپنے ہاتھ کاٹے گا۔ یہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے جس کا ماحصل یہی ہے کہ ان دونوں فریق میں سے جن کا ذکر اس اشتہار میں ہے یعنی یہ خاکسار ایک طرف اور شیخ محمد حسین اور جعفر زٹلی اور مولوی ابوالحسن تبّتی دوسری طرف سے خدا کے حکم کے نیچے ہیں۔ ان میں سے جو کاذب ہوگا، وہ ذلیل ہوگا۔ یہ فیصلہ چونکہ الہام کی بنا پر ہے اس لیے حق کے طالبوں کے لیے ایک کھلا کھلا نشان ہو کر ہدایت کی راہ ان پر کھولے گا۔

(مجموعہ اشتہارات جلد ۳ صفحہ ۵۷۔ ۶۱)

چند روز بعد مرزا صاحب نے درج ذیل اشتہار جاری فرمایا

ایک شخص محمد حسین نامی نے جو ایڈیٹر رسالہ اشاعۃ السنہ کے اور ساکن بٹالہ ضلع گورداسپور ہے، میرے پر ایک کفر کا فتویٰ لکھا اور بہت سے مولویوں کے اس پر دستخط کرائے اور مجھے کافر اور دجال ٹھہرایا۔ اور یہاں تک فتویٰ دیا گیا کہ یہ شخص واجب القتل ہے، اور ان کا مال لوٹ لینا جائز اور ان کی عورتوں کو جبراً اپنے قبضہ میں لے کر ان کے ساتھ نکاح کر لینا، یہ سب باتیں درست ہیں۔ بلکہ موجب ثواب ہیں۔ چنانچہ اشتہار مورخہ ۲۹ رمضان

۱۳۰۸ھ مطبوعہ مطبع حقانی لودیانہ اور رسالہ سیف مسلول مطبوعہ ایجرٹن پریس راولپنڈی کی پشت پر جو محمد حسین کی تحریک سے لکھے گئے ہیں یہ دونوں فتوے موجود ہیں۔ مگر جب رعب گورنمنٹ سے ان فتووں پر عمل درآمد نہ ہو سکا تو محمد حسین نے ایک اور تدبیر سوچی کہ اس شخص (مرزا) کو نہایت سخت گالیوں اور دلآزار کلمات سے ہمیشہ رنج دینا چاہیے جیسا کہ اس نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ مطبوعہ ۱۸۹۸ء میں کئی جگہ اس بات کا خود اظہار کیا ہے۔ اس قسم کی گندی گالیوں اور بدزبانیوں کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے ایک چالاک شخص کو جس کا نام محمد بخش جعفر زٹلی ہے اور لاہور میں رہتا ہے، مقرر کیا اور ہر قسم کے گندے اشتہار خود لکھ کر اس کے نام پر چھپوائے اور در پردہ وہ سب کارروائی خود محمد حسین کی ہے۔ اور اس اپنی کارروائی سے وہ لوگوں کو طلاع بھی دیتا رہا ہے اور اپنے رسالوں میں بھی شیخی کے طور پر یہ کام اپنی طرف منسوب کرتا رہا ہے۔ اور یہ تمام اشتہارات جو نہایت چالاکی اور بدزبانی سے ایک سال سے یا کچھ زیادہ عرصہ سے محمد حسین شائع کر رہا ہے۔ یہ نہایت اوباشانہ طریق سے گندے پیرایہ میں لکھے جاتے ہیں اور ان اشتہاروں میں کوئی پہلو میری بے عزتی اور بے آبروئی کا اٹھا نہیں رکھا۔ اور میرے ننگ و ناموس کو خاک میں ملانا چاہا ہے اور ایسی گندی اور ناپاک تہمتوں پر مشتمل ہیں کہ میں گمان بھی نہیں کر سکتا کہ اس سختی اور بے شرمی کا برتاؤ کبھی ذلیل سے ذلیل قوم کے آدمی نے کسی اپنے مخالف کے ساتھ کیا ہو۔ ان اشتہارات میں سے جو ۱۲ اگست ۱۸۹۸ء کا اشتہار ہے جو مطبع تاج الہند میں چھپا ہے۔ ایسا ہی ایک دوسرا اشتہار جو ۲۵ ستمبر ۱۸۹۸ء میں مطبع فخر الدین پریس لاہور میں طبع ہوا۔ اور ایسا ہی ایک تیسرا اشتہار اور ضمیمہ ۱۱ جون ۱۸۹۷ء کا جو اسی مطبع میں طبع ہوا ہے۔ ان چاروں کا نمونہ کے طور پر کسی قدر مضمون اس جگہ درج کرتا ہوں تا حکام کو معلوم ہو کہ کہاں تک میری ذلت کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اور نہ ایک ماہ، نہ دو ماہ، بلکہ ایک سال سے ایسے گندے اشتہار جاری کر رہے ہیں جن کے متواتر زخموں کے بعد مجھے اشتہار ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء لکھنا پڑا جس میں جھوٹے کی ذلت خدا سے طلب کی ہے۔ اور محمد حسین کے یہ چاروں اشتہار جو جعفر زٹلی کے نام پر نکالے گئے مجھے بے عزت کرنے کے لیے ان میں نہایت سخت اور گندے اور ناپاک الفاظ استعمال کیے ہیں۔ (روحانی خزائن جلد ۱۴ (کشف الغطا) ص ۱۹۶۔ ۱۹۷)

چند روز بعد مرزا صاحب نے خاص اپنی جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا

'میں اپنی جماعت کے لیے خصوصاً یہ اشتہار شائع کرتا ہوں کہ وہ اس اشتہار کے نتیجے کے منتظر رہیں کہ جو ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء کو بطور مباہلہ شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنہ اور اس کے دو رفیقوں کی نسبت شائع کیا گیا ہے جس کی میعاد ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء میں ختم ہو گی...... مجھے افسوس سے اس جگہ یہ بھی لکھنا پڑا ہے کہ ہمارے مخالف ناانصافی اور دروغ گوئی اور کجروی سے باز نہیں آتے۔ وہ خدا کی باتوں کی بڑی جرأت سے تکذیب کرتے اور خدائے جلیل کے نشانوں کو جھٹلاتے ہیں۔ مجھے امید تھی کہ میرے اشتہار ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء کے بعد جو بمقابلہ شیخ محمد حسین بٹالوی اور محمد بخش جعفر زٹلی اور ابوالحسن تبّتی کے لکھا گیا تھا یہ لوگ خاموش رہتے کیونکہ اشتہار میں صاف طور پر یہ لفظ تھے کہ ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء تک اس بات کی میعاد مقرر ہو گئی ہے کہ جو شخص کاذب ہو گا خدا اس کو ذلیل اور رسوا کرے گا۔ اور یہ ایک کھلا کھلا معیار صادق و کاذب کا تھا جو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام کے ذریعے قائم کیا تھا اور چاہیے تھا کہ لوگ اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد چپ ہو جاتے اور ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء تک خدا تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کرتے۔ لیکن افسوس انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ زٹلی مذکور نے اپنے اشتہار ۲۰ نومبر ۱۸۹۸ء میں وہی گند پھر بھر دیا جو ہمیشہ اس کا خاصہ ہے اور سراسر جھوٹ سے کام لیا...... اب یہ اشتہار ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء آخری فیصلہ ہے۔ چاہیے کہ ہر طالب صادق، صبر سے انتظار کرے۔ خدا جھوٹوں کذابوں دجالوں کی مدد نہیں کرتا...... اب یہ معاملہ آسمان پر ہے۔ زمین پر چلانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ دونوں فریق اس کے سامنے ہیں اور عنقریب ظاہر ہو گا کہ اس کی مدد اور نصرت کس طرف آتی ہے۔' (اشتہار مورخہ ۳۰ نومبر ۱۸۹۸ء۔ مجموعہ اشتہارات جلد ۳ صفحہ ۶۷-۷۳)

اور انہوں نے فرمایا کہ

'۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء کا ہمارا اشتہار جو مباہلہ کے رنگ میں شیخ محمد حسین اور اس کے دو ہم راز رفیقوں کے مقابل پر نکلا ہے وہ صرف ایک دعا ہے۔ جس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جھوٹے کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ذلت پہنچے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کو جھوٹا مارا جائے۔ یا کسی کوٹھے سے گرے۔ چونکہ محمد حسین اور زٹلی اور تبّتی نے افتراؤں اور لعنتوں اور گالیوں سے صرف میری ذلت چاہی ہے اس لیے میں نے خدا تعالیٰ سے یہی چاہا ہے کہ اگر

درحقیقت میں ذلت کے لائق اور کاذب اور دجال اور لعنتی ہوں جیسا کہ محمد حسین نے اس قسم کی گالیوں سے اپنے رسالے بھر دیئے ہیں اور بار بار میرا دل دکھایا ہے تو اور بھی ذلیل کیا جاؤں اور شیخ محمد حسین کو خدا تعالیٰ کی طرف سے عزت ملے۔لیکن اگر میں کاذب اور دجال اور لعنتی نہیں ہوں تو جناب احدیت میں میری فریاد ہے کہ میرے ذلیل کرنے والے محمد حسین اور زٹلی اور تبّتی کو خدا کی طرف سے ذلت پہنچے...... مجھے یہ الہام ہوا ہے کہ ان دونوں فریق میں سے جو فریق درحقیقت خدا تعالیٰ کی نظر میں ظالم اور کاذب ہے اس کو خدا ذلیل کرے گا اور یہ واقعہ ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء تک پورا ہو جائے گا۔

(روحانی خزائن جلد۱۴(راز حقیقت) ص۱۷۳۔۱۷۶ بعنوان حاشیہ متعلقہ ص اول مورخہ اشتہار ۳۰ نومبر ۱۸۹۸ء)

مرزا صاحب نے یہ بھی کہا

'پس جب کہ یہ ظلم محمد حسین اور اس کے گروہ یعنی محمد بخش جعفر زٹلی وغیرہ کا حد سے گذر گیا...... اور پھر مباہلہ کے لیے متواتر درخواست بھی کی تو بالآخر میں نے اشتہار ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء جاری کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ خدا تعالیٰ ہم دونوں گروہ میں سے اس کو ذلیل کرے جو جھوٹا ہے اور پھر اس اشتہار کی شرح ۳۰ نومبر ۱۸۹۸ء کے اشتہار میں اور بھی تصریح کر دی'۔ (روحانی خزائن جلد۱۴(کشف الغطاء) ص۱۹۸)

نیز فرمایا کہ

'شیخ محمد حسین اور جعفر زٹلی اور تبّتی مذکور کو جنہوں نے میرے ذلیل کرنے کے لیے یہ اشتہار لکھا ہے ذلت کی مار سے دنیا میں رسوا کر (یہ تیرہ مہینے خدا تعالیٰ کے الہام سے معلوم ہوئے ہیں یعنی سال پر ایک ماہ اور زیادہ ہے) غرض اگر یہ لوگ تیری نظر میں سچے اور متقی اور پرہیزگار ہیں اور میں کذاب اور مفتری ہوں تو مجھے ان تیرہ مہینوں میں ذلت کی مار سے تباہ کر۔اور اگر مجھے تیری جناب میں وجاہت اور عزت ہے تو میرے لیے یہ نشان ظاہر فرما کر کہ ان تینوں کو ذلیل اور رسوا اور ضربت علیھم الذلۃ کا مصداق کر۔ آمین ثم آمین ۔یہ دعا جو میں نے کی اس کے جواب میں یہ الہام ہوا 'میں ظالم کو ذلیل اور رسوا کروں گا اور وہ اپنے ہاتھ کاٹے گا' اور ہاتھ کاٹنے سے مراد یہ ہے کہ جن ہاتھوں سے ظالم نے جو حق پر نہیں ہے ناجائز تحریر کا کام کیا اور وہ ہاتھ اس کی حسرت کا موجب ہوں گے اور افسوس کرے گا کہ کیوں یہ ہاتھ ایسے کام پر چلے۔اور چند عربی الہام ہوئے

(جیسا کہ) ویعض الظالم علی یدیہ۔ جزا سیئۃ بمثلھا۔ (تذکرہ۔صفحہ ۳۲۴۔۳۲۵)

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مولوی محمد حسین

آج تک توہین اور تحقیر اور گالیاں دینے سے باز نہ آیا۔ اور گندی گالیوں کے مضمون اپنے ہاتھ سے لکھے اور محمد بخش جعفر زٹلی اور ابوالحسن تبتّی کے نام سے پر چھپوائے... یہی موجبات تھے جن کی وجہ سے میں نے اشتہار مباہلہ ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء کو شائع کیا۔ جس کے بعد محمد حسین نے ایک چھری خریدی جس سے مجھے اس طور سے بدنام کرنا منظور تھا کہ گویا میں اس کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن جس شخص نے پہلے اس سے میرے قتل کا فتوی دیا اس کا چھری خریدنا کس بات کی دلالت کرتا ہے؟۔ (خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۳۴۹۔۴۳۸)

مرزا صاحب کی نومبر اور دسمبر ۱۸۹۸ء کی ان تحریروں سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ مختصراً یوں ہے کہ مولانا بٹالویؒ، مولانا محمد جعفر زٹلیؒ اور مولانا ابوالحسن تبتّیؒ رسائل اور اشتہارات کے ذریعے مرزا صاحب کے عقائد ونظریات کا رد کر رہے تھے۔ مرزا صاحب کو ان بزرگوں کے کلام اور طرز کلام سے اگرچہ بہت تکلیف ہو رہی تھی لیکن وہ (بقول خود) ایک عرصہ تک صبر کرتے رہے۔ پھر ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور انہوں نے بارگاہ احدیت میں دعا فرمائی کہ اے اللہ اگر وہ (یعنی مرزا) کاذب اور دجال ہیں تو بٹالوی، زٹلی اور تبتّی کو عزت عطا فرما، اور خود انہیں (یعنی مرزا کو) ذلیل کر۔ اور اگر وہ کاذب اور دجال نہیں ہیں تو اے اللہ ان تینوں کو ذلیل کر اور خود انہیں (مرزا) عزت عطا فرما۔ اور یہ کہ اے اللہ یہ (عزت وذلت) کا فیصلہ تیرہ ماہ یعنی ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء تک کے عرصہ میں ہو جائے۔ مرزا صاحب نے عزت وذلت کی اس دعا کے نتیجے کو اپنے اور مخالفین کے درمیان آخری فیصلہ قرار دیا اور فرمایا کہ یہ کام ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء تک ہو جائے گا۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ اس دعا کے بعد انہیں الہام ہوا ہے کہ اللہ ظالم کو ذلیل اور رسوا کرے گا اور انہوں نے واضح طور پر یہ بھی لکھ دیا کہ یہ ۱۵ دسمبر ۱۸۹۸ء سے ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء تک تیرہ ماہ کی مدت انہیں خدا تعالیٰ کے الہام سے معلوم ہوئی ہے۔

آگے بڑھنے سے قبل مرزا صاحب کی ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء والی اشتہاری دعا کو پھر ملاحظہ کر لیجیے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں

'میں نے خدا تعالیٰ کی ہے کہ وہ مجھ میں اور محمد حسین میں آپ فیصلہ کرے۔ اور وہ دعا یہ ہے۔ اے میرے ذوالجلال پروردگار اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل جھوٹا اور مفتری

ہوں جیسا کہ محمد حسین بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں بار بار مجھ کو کذاب دجال اور مفتری کے لفظ سے یاد کیا ہے اور جیسا کہ اس نے اور محمد بخش جعفر زٹلی اور ابو الحسن تبّتی نے اس اشتہار میں جو ۱۰ نومبر ۱۸۹۸ء کو چھپا ہے میرے ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تو اے میرے مولا اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل ہوں تو مجھ پر ۱۳ ماہ کے اندر یعنی ۱۵ دسمبر ۱۸۹۸ء سے ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء تک ذلت کی مار وارد کر۔ اور اگر تیری جناب میں مجھے وجاہت اور عزت ہے تو میرے لیے یہ نشان ظاہر فرما کہ ان تینوں کو ذلیل و رسوا اور ضربت علیھم الذلۃ کا مصداق کر۔ آمین ثم آمین...... (اور کہتے ہیں کہ) یہ دعا تھی جو میں نے کی اور جواب میں الہام ہوا کہ میں ظالم کو ذلیل اور رسوا کروں گا یہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ فریقین میں جو کاذب ہے وہ ذلیل ہوگا'

یہ ہے مولانا بٹالویؒ اور ان کے دوستوں سے آخری فیصلہ کے بارے میں مرزا صاحب کی دعا اور الہام اور پیش گوئی ، جس میں بتایا گیا ہے کہ ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء تک مولانا بٹالویؒ اور ان کے ساتھیوں کو ذلت سے دو چار ہونا پڑے گا ۔ اس ذلت کو حق و باطل کا معیار ٹھہرا کر انہوں نے اپنے اور مولانا بٹالویؒ کے درمیان آخری فیصلہ قرار دیا۔ اس پیش گوئی کے بعد مرزا صاحب نے مولانا بٹالویؒ اور ان کے ساتھیوں کے شب و روز اور عالم اسلام کے حالات پر گہری نظر رکھنا شروع کر دی۔ کسی جانب پتہ بھی جنبش کرتا تو مرزا صاحب کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ پڑتا۔ پھر انہوں نے ۲۷ دسمبر ۱۸۹۸ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں بڑے طمطراق کے ساتھ اپنے سلطان القلم ہونے کی بایں الفاظ داد دی۔

'میری وہ پیش گوئی جو الہام ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء میں فریق کاذب کے بارے میں تھی...... مولوی محمد حسین پر پوری ہوگئی...... محمد حسین نے مذہبی اختلاف کی وجہ سے مجھے دجال اور کذاب اور ملحد اور کافر ٹھہرایا تھا اور اپنی جماعت کے تمام مولویوں کو اس میں شریک کر لیا تھا...... آخر میں نے تنگ آ کر اسی وجہ سے مباہلہ کا اشتہار ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء جاری کیا...سو آج وہ پیش گوئی پوری ہوگئی۔

(روحانی خزائن جلد ۱۴ (کشف الغطاء) صفحہ ۲۲۲' مجموعہ اشتہارات جلد ۳ صفحہ ۴۷)

اور جس بات کو مرزا صاحب نے مولوی محمد حسین صاحب کی ذلت اور پیش گوئی کے پورا ہو جانے کے ثبوت کے طور پر پیش کیا وہ یہ تھی کہ مولانا بٹالویؒ نے ظہور مہدی کے بارے

میں ایک ایسا مضمون لکھ دیا ہے جو بعض اہل علم کو پسند نہیں آیا۔ اور اس مضمون میں انہوں نے مہدی کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا ہے وہ ان کے سابقہ موقف سے مختلف ہے۔ گویا نظریات میں تبدیلی مرزا صاحب کے نزدیک مولانا بٹالویؒ کی ذلت تھی۔ اگر نظریات میں تبدیلی نشان ذلت ہے تو خود مرزا صاحب باقرار خود، ذلیل تھے۔ وہ کہتے ہیں

'میں نے براہین احمدیہ میں یہ بھی اعتقاد ظاہر کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ واپس آئیں گے۔ مگر یہ میری غلطی تھی'۔ (روحانی خزائن جلد ۱۴ (ایام الصلح) ص ۲۷۲)

اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں

'میں نے براہین احمدیہ میں غلطی سے توفی کے معنی ایک جگہ پورا دینے کے کیے ہیں۔ جس کو بعض مولوی صاحبان بطور اعتراض پیش کیا کرتے ہیں۔ مگر یہ امر جائے اعتراض نہیں۔ میں مانتا ہوں کہ وہ میری غلطی ہے'۔

(ایام الصلح ص ۴۱' براہین احمدیہ حصہ ۵ ص ۳۷ حاشیہ منقول از تذکرہ ص ۹۷ حاشیہ)

مرزا صاحب کی ان تحریروں کی روشنی میں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر نظریات میں تبدیلی نشان ذلت ہے تو مرزا صاحب خود بھی اس کی زد میں آتے ہیں۔ اور مرزا صاحب کو بھی اپنی اس کمزوری کا احساس تھا اس لیے وہ اس بات پر پختہ نہیں رہے بلکہ مزید نشانات بھی ڈھونڈتے رہے۔ اور جب ۱۹۰۰ء میں مد والے مناظرے میں مولانا امرتسریؒ نے مرزائی مناظر کو للکارتے ہوئے فرمایا کہ مولانا بٹالویؒ کی ذلت کے بارے میں مرزا صاحب کی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی اور اگر کسی کو میری بات سے اختلاف ہے تو ان تیرہ مہینوں کے دوران مولانا بٹالوی اور ان کے دونوں ساتھیوں کو پہنچنے والی ذلت کا ثبوت پیش کریں۔ مرزائیوں کو مناظرے کے دوران تو مولانا امرتسری کی اس بات کا کوئی جواب نہ سوجھا لیکن بعد میں مرزا صاحب نے اپنی کتاب اعجاز احمدی میں لکھا کہ

'مولوی ثناء اللہ نے مد کے مباحثہ میں یہ اعتراض بھی پیش کیا ہے کہ جو ذلت کی پیش گوئی محمد حسین اور جعفر زٹلی اور ان کے دوسرے رفیق کی نسبت کی گئی تھی وہ پوری نہیں ہوئی۔ اگر یہ لوگ (یعنی مولوی ثناء اللہ وغیرہ) ایسے اعتراض نہ کرتے تو پھر یہود سے مشابہت کیونکر ہوتی۔ میرے نزدیک ضروری تھا کہ یہ ایسے اعتراض ہوتے۔ اے بھلے مانس جس حالت میں اسی مقدمہ کے اثناء میں مولوی محمد حسین کی وہ تحریر پکڑی گئی جو فتویٰ تکفیر کے

مخالف ہے تو کیا ایک عالمانہ حیثیت کی نظر سے اس کی ذلت اور رسوائی نہیں ہوئی؟......
رہی عزت جعفر زٹلی کی۔ پس ان لوگوں کا کوئی مستقل وجود نہیں۔ یہ سب مولوی محمد حسین
کے سایہ ہیں وہ ان کا ایڈووکیٹ جو ہوا۔ جبکہ ان کے ایڈووکیٹ کی ذلت ثابت ہوگئی تو
کیا ان کی ذلت پیچھے رہ گئی۔ سایہ اصل کا ہمیشہ تابع ہوتا ہے۔ جب اصل درخت ہی گر
پڑا تو سایہ کیونکر کھڑا رہ سکتا ہے۔

(روحانی خزائن جلد ۹ (اعجاز احمدی۔ضمیمہ نزول المسیح) ص ۱۱۸۔۱۱۹)

یعنی ۱۹۰۰ء میں مرزا صاحب نے یہ اقرار کیا کہ جعفر زٹلی اور محمد بخش کی کوئی ذلت نہیں ہوئی لیکن چونکہ محمد حسین ان کا وکیل ہے اس لیے محمد حسین کو پہنچنے والی ذلت گویا ان کی ذلت بھی ہے۔ یہاں مرزا صاحب تھوڑی سی رعایت کر گئے۔ ورنہ وہ کہہ سکتے تھے کہ محمد حسین کی ذلت تمام اہل حدیث کی ذلت ہے کیونکہ وہ اہل حدیث کا ایڈووکیٹ کہلاتا ہے۔ اور وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ محمد حسین کی ذلت تمام مسلمانوں کی ذلت ہے کیونکہ وہ رد قادیانیت کے محاذ پر مسلمانوں ہی کا مقدمہ تو لڑ رہا ہے۔ مرزا صاحب سے ایسی باتیں بعید نہیں تھیں کیونکہ آپ نے براہین کی پانچ جلدوں کو یہ کہہ کر پچاس جلدوں کے برابر قرار دے دیا تھا کہ ۵ اور ۵۰ میں ایک صفر ہی کا تو فرق ہے۔ وہ ایسا کہہ دیتے تو یہ بھی ان کی سادگی ہی شمار ہوتی ہے کیونکہ آپ اس دس ہزار روپیہ کو جو براہین احمدیہ کے لیے وصول کیا گیا تھا، بڑی آسانی سے یہ کہہ کر ہضم کر سکتے تھے کہ مسلمانوں کو اتنی تکلیف کیوں ہو رہی ہے میں نے ایک روپیہ ہی تو کھایا ہے۔ کیونکہ ایک روپے اور دس ہزار روپے میں آخر فرق ہی کیا ہے۔ ۱ اور ۱۰۰۰۰ میں چار صفروں ہی کا تو فرق ہے۔ اور صفریں جتنی بھی ہوں ان کا حاصل جمع، صفر ہی ہوتا ہے۔

ظہور مہدی والے معاملے میں مرزا صاحب کی بات نہ بن سکی تو انہوں نے مولانا بٹالویؒ کی ایک اور ذلت تلاش کر لی۔ ہوا یہ کہ انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کا کشمیر میں سراغ مل گیا۔ اور اس مزعومہ قبر کو محمد حسین صاحب کی ذلت قرار دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا

'محمد حسین اور اس کے گروہ کو ایک......فوری ذلت پیش آئی ہے کہ واقعات صحیحہ یقینیہ
سے بپایہ ثبوت پہنچ گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ صلیب پر فوت ہوئے اور نہ
آسمان پر چڑھے، بلکہ یہود کے قتل کے ارادہ سے مخلصی پا کر ہندوستان آئے اور آخر
ایک سو بیس سال کی عمر پا کر سری نگری کشمیر میں فوت ہوئے۔ پس محمد حسین وغیرہ کے لیے

یہ ماتم سخت اور ذلت سخت ہے'

(روحانی خزائن جلد۱۴ (راز حقیقت) صفحہ ۱۷۳۔۱۷۶ بعنوان حاشیہ متعلقہ ص اول مورخہ اشتہار ۳۰ نومبر ۱۸۹۸)

یعنی پیش گوئی ایک مرتبہ پوری ہوگئی اور ۱۳ ماہ والی دعا کا نتیجہ برآمد ہوگیا۔ تاہم سوچنے کی بات یہ تھی کہ اگر یہ ثابت ہوگیا کہ مسیح علیہ السلام کشمیر میں دفن ہیں تو اس میں مولانا محمد حسینؒ کی ذلت کی کیا تخصیص ہے؟ دنیا بھر کے عیسائی یہ نہیں مانتے کہ عیسیٰ کشمیر میں دفن ہیں۔ یہودیوں کے نزدیک ابھی مسیح تشریف ہی نہیں لائے۔ اس لیے ان کی موت اور مدفن کی بات ان کے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتی۔ دنیا بھر کے مسلمان مسیح کی موت تسلیم نہیں کرتے۔ مدفن تو بعد کی بات ہے۔ بدھوں اور ہندوؤں اور کمیونسٹوں کے نزدیک مسیح کے جنم اور مدفن کی بات کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ وہ سرے سے مسیح کو مانتے ہی نہیں۔ یعنی دنیا کی ۹۹ فی صد آبادی کشمیر میں مسیح کی کسی قبر کو نہیں مانتی۔ اگر مرزا صاحب کے نزدیک مسیح کا مدفن کشمیر میں ثابت ہوگیا ہے اور یہ ثبوت اس لیے محمد حسینؒ کی ذلت کی علامت ہے کہ اس کے عقیدہ کے خلاف ہے تو یہ بات دنیا کی ۹۹ فی صد آبادی کی بھی ذلت ہے۔ اور جہاں اتنے سارے لوگ ذلیل ہوں، وہاں کس کی ذلت، کس کے سامنے ہوگی؟ اور کس کی نظر میں کون ذلیل ہوگا؟

ویسے کشمیر میں حضرت عیسیٰ کی قبر کی دریافت خود مرزا صاحب کی ذلت کا نشان بھی ہے کیونکہ ان کی اس نئی دریافت نے ان کی ایک پرانی دریافت کو جھوٹا ثابت کر دیا تھا۔ اس بات کی تشریح یہ ہے کہ کشمیر پر نظر عنایت ڈالنے سے پہلے ان کی تحقیق یہ تھی کہ مسیح علیہ السلام کی قبر شام میں ہے۔ انہوں نے ۱۸۹۴ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب اتمام الحجۃ میں اسی بات سے اپنے مخالفین پر حجت قائم کی تھی۔ ان کا کہنا تھا

'حضرت عیسیٰ کی بھی بلاد شام میں قبر موجود ہے۔ اور ہم زیادہ صفائی کے لیے اس جگہ حاشیہ میں اخویم حبی فی اللہ سید مولوی محمد سعید طرابلسی کی شہادت درج کرتے ہیں اور انہی حدود میں حضرت عیسیٰ کی قبر ہے۔ اگر کہو کہ وہ قبر جعلی ہے تو اس جعل کا ثبوت دینا چاہیے۔

(روحانی خزائن جلد ۸ (اتمام الحجۃ) صفحہ ۲۹۷۔۲۹۶)

اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب کے ساتھ جو معاملہ کیا ہے اس میں اولی الابصار کے لیے عبرت کا بہت سامان موجود ہے۔ جس بات کو مرزا صاحب نے دعویٰ سے بیان کیا اسی کا الٹ ہوا۔ جس بات کی انہوں نے پیش گوئی کی، اسی کا الٹ ہوا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ مسیح علیہ

السلام مر چکے ہیں اور ملک شام میں ان کی قبر موجود ہے اور کسی کو شک ہے تو اس قبر کے جعلی ہونے کا ثبوت پیش کرے ورنہ مجھے مسیح تسلیم کرے۔ اس چیلنج کو چار سال بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ ۱۸۹۸ء میں خود ہی کہہ رہے ہیں...... مسیح کشمیر میں دفن ہیں...... یعنی ملک شام والی قبر جعلی ہے......اور ۱۸۹۴ء والی ان کی تحقیق انیق جھوٹ کا پلندہ ہے۔

مرزا صاحب اور ان کی امت نے ۱۳ ماہ والی پیش گوئی کو سچا ثابت کرنے کے لیے اور باتوں کا ذکر بھی کیا ہے مثلاً ایک مرزائی کہتا ہے کہ اس نے لاہور میں مولانا بٹالوی کو ریلوے سٹیشن کی طرف جاتے ہوئے اس حال میں دیکھا کہ اپنا (سامان کا) تھیلہ انہوں نے خود اٹھایا ہوا تھا۔ اور اپنا سامان خود اٹھانا ان کی ذلت کا نشان ہے (سیرۃ المہدی) اور ایک دفعہ مرزا صاحب نے لکھا کہ مولوی محمد حسین مفلس ہو گیا ہے۔ پرانے کپڑے پہنتا ہے۔ کابل گیا تو وہاں اس کی تکریم نہیں ہوئی اور بیمار ہو کر واپس چلا آیا۔ (انجام آتھم۔ صفحہ ۹۴۔۱۰۰)

جب مولانا بٹالوی نے فرمایا کہ چلو کابل چلتے ہیں، اور قصہ ءزمین برسرزمین طے کر لیتے ہیں، تو یہ بات سن کر مرزا صاحب کے اوسان خطا ہو گئے اور فرمایا

"گورنمنٹ نے اس حاسد (محمد حسین) کی باتوں کی طرف کچھ توجہ نہ کی تو پھر اپنی قوم کو اکسانا شروع کیا اور میری نسبت یہ فتویٰ شائع کیا کہ اس شخص کو قتل کرنا موجب ثواب ہے۔ چنانچہ اس فتویٰ کو دیکھ کر اور کئی مولویوں نے بھی قتل کا فتویٰ دے دیا۔ پس بلاشبہ یہ سچ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ اپنے فضل سے یہ سامان پیدا نہ کرتا کہ اس گورنمنٹ عالیہ کے زیر سایہ مجھے پناہ دیتا تو معلوم نہیں کہ ایسے غازی مجاہد اب تک کیا کچھ نہ کر دکھاتے۔ یہ شخص (محمد حسین) بار بار مجھے امیر کابل کی دھمکی دیتا رہا ہے کہ وہاں چلو تو زندہ واپس نہ آؤ گے۔ یہ تو ہمیں معلوم تھا کہ یہ شخص امیر کابل کے پاس ضرور گیا تھا مگر یہ بھید اب تک نہیں کھلا کہ امیر (کابل) نے اس شخص کو میرے قتل کی نسبت کیوں اور کس وجہ سے وعدہ دیا؟ (روحانی خزائن ج ۱۴ (حقیقت مہدی) ص ۴۳۵۔۴۳۶)

مرزا صاحب نے کابل کا رخ نہ کیا۔ وہاں سے ایں جابیا کے بلاوے آتے رہے لیکن مرزا صاحب کے کان بند رہے۔ حقیقت یہ تھی کہ کابل کے امیر نے مولانا بٹالوی کا بہت اکرام کیا تھا۔ مولانا کی مالی حیثیت بھی حسب سابق تھی۔ پرانے کپڑے پہننا کوئی اہانت کی بات نہیں۔ ہاں کابل میں آپ بیمار ضرور ہوئے تھے لیکن میدانی علاقوں کے افراد کا سرد پہاڑی

علاقوں میں جا کر بیمار ہو جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ اور اگر کسی کا بیماری ہو جانا اس کی ذلت کا نشان ہے تو مرزا صاحب دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل ہیں۔ کیونکہ انہیں اتنی بیماریاں لاحق تھیں کہ ان کی تعداد دونوں ہاتھوں کی انگلیوں پر بھی نہیں گنی جا سکتی۔

مرزا صاحب یونہی گھر بیٹھے قصے کہانیاں گھڑتے اور سناتے رہے حتی کہ ۱۹۰۷ء میں ان کے ایک منحرف مرید ڈاکٹر عبدالحکیم نے ان سے پوچھا کہ بتاؤ مولانا بٹالویؒ والی ۱۳ ماہیہ پیش گوئی کب اور کہاں پوری ہوئی؟ جواب میں مرزا صاحب نے فرمایا، کون سے تیرہ مہینے؟

'جو کچھ مولوی محمد حسین اور ان کے رفقاء کی نسبت پیش گوئی خدا کے الہام سے لکھی گئی تھی اس کی نسبت کوئی تاریخ مقرر نہ تھی۔ صرف میری دعا میں اپنے الفاظ تھے۔ الہامی الفاظ نہ تھے۔ اور صرف میری طرف سے دعا تھی کہ اتنی مدت میں ایسا ہو۔ سو خدا تعالیٰ اپنی وحی کا پابند ہوتا ہے۔ اس پر فرض نہیں کہ جو اپنی طرف سے التجا کی جائے بعینہٖ اس کو ملحوظ رکھے۔ اس لیے پیش گوئی میں جو عربی میں شائع ہو چکی ہے کوئی مدت مقرر نہیں کہ فلاں مہینہ یا برس میں رسوا کیا جائے گا'۔ (روحانی خزائن ج ۲۲ (حقیقت الوحی) ص ۱۹۵)

بالفاظ دیگر مئی ۱۹۰۷ء (حقیقت الوحی کی تصنیف) تک وہ پیش گوئی پوری نہیں ہوئی تھی۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے مرزا صاحب جن باتوں کو اپنی پیشگوئی کے پورے ہونے کے ثبوت میں پیش کرتے تھے وہ باتیں دراصل مولانا بٹالوی کی ذلت نہیں تھی۔ بلکہ مرزا صاحب کی غلط تاویلیں اور ان کے جھوٹے دعوے تھے۔ اور یہ بات کہ پیش گوئی کے پورا ہونے کی کوئی مدت مقرر نہ تھی، بالکل خلاف واقعہ ہے۔ مرزا صاحب صاف لکھ چکے تھے کہ مدت متعین ہے اور یہ تعین الہامی ہے۔

مرزا صاحب نے یا تو ۱۸۹۸ء میں اس تعین کو الہامی کہہ کر جھوٹ بولا تھا۔ اگر وہ ۱۸۹۸ء میں سچ بول رہے تھے تو ۱۹۰۷ء میں اس تعین کو عدم تعین قرار دے کر جھوٹ بول رہے تھے۔ دونوں صورتوں میں ان کی ذلت کا نشان ہے۔ اور اگر تاریخ مقرر نہ تھی تو پیش گوئی یوں بنے گی کہ دونوں فریقوں میں سے جو غلطی پر ہے وہ کسی نہ کسی وقت ذلیل ہو گا۔ اس لیے ہم بتائیں گے کہ اس پیش گوئی کے بعد مرزا صاحب کو کن کن محاذوں پر مولانا بٹالویؒ اور جمیع مسلمانوں کے سامنے ذلت کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس سے پہلے ایک عدالت میں مرزا صاحب کی پیشی اور ان کی ایک اور پیش گوئی کا بیان سن لیجیے۔

چلن تبدیل کرنے کا اقرار

مولانا بٹالویؒ نے ایک مرتبہ انتظامیہ کو درخواست دی کہ چونکہ مرزا صاحب نے میرے متعلق پیش گوئی کر رکھی ہے اور مجھے ان کی طرف سے خطرہ جان ہے۔ بنابریں مجھے بطور حفاظت خود اختیاری ہتھیار رکھنے کی اجازت دی جائے۔ اس پر مرزا صاحب کی عدالت میں طلبی ہوئی کہ کیوں نہ ان سے حفظ امن کی ضمانت لی جائے۔ یہ مقدمہ زور شور سے چلا۔ اور مرزا صاحب نے الٹی سیدھی باتیں کر کے مجسٹریٹ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی لیکن اس کا فیصلہ یوں سامنے آیا

'فیصلہ جے ایم ڈوئی صاحب بہادر آئی سی ایس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور بمقدمہ مرزا غلام احمد ساکن قادیان۔ سرکار ہند مستغیث بنام مرزا غلام احمد ساکن قادیان ضلع گورداسپور ملزم الزام زیر دفعہ ۱۰۷ مجموعہ ضابطہ فوجداری تاریخ مرجوعہ ۱۵ دسمبر ۱۸۹۸ء

ہم نے دو اقرار نامہ جات کا مسودہ مشتمل بر ۶ دفعات طیار کیا ہے جس کو مرزا غلام احمد قادیانی اور مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی نے خوشی سے منظور کر لیا ہے۔ ان اقرار نامہ جات کی نظر سے یہ مناسب ہے کہ کارروائی حال کی مسدود کی جائے۔ لہٰذا ہم مرزا غلام احمد قادیانی کو رہا کرتے ہیں اور ہدایت کرتے ہیں کہ مولوی محمد حسین بٹالوی کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ دستخط۔ جے ایم ڈوئی مجسٹریٹ ۲۴ فروری ۱۸۹۹ء

نقل اقرار نامہ مرزا غلام احمد قادیانی بمقدمہ فوجداری باجلاس مسٹر جے ایم ڈوئی صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر و ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع گورداسپور۔ مرجوعہ ۵ جنوری ۱۸۹۹ء۔ فیصلہ ۲۵ فروری ۱۸۹۹ء نمبر بستہ قادیان۔ سرکار دولت مدار بنام مرزا غلام احمد ساکن قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور ملزم الزام زیر دفعہ ۱۰۷ مجموعہ ضابطہ فوجداری

اقرار نامہ۔ میں مرزا غلام احمد قادیانی بحضور خداوند تعالیٰ باقرار صالح اقرار کرتا ہوں کہ آئندہ

۱۔ میں ایسی پیشگوئی شائع کرنے سے پرہیز کروں گا جس کے یہ معنی ہوں یا ایسے معنی

خیال کیے جاسکیں کہ کسی شخص کو ذلت پہنچے گی یا وہ مورد عتاب الٰہی ہوگا۔

۲۔ میں خدا کے پاس ایسی اپیل کرنے سے اجتناب کروں گا کہ وہ کسی شخص کو ذلیل کرنے سے یا ایسے نشان ظاہر کرنے سے کہ وہ مورد عتاب الٰہی ہے یا یہ ظاہر کرے کہ مذہب میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے؟

۳۔ میں کسی چیز کو الہام جتا کر شائع کرنے سے مجتنب رہوں گا جس کا یہ منشا ہو یا جو ایسا منشا رکھنے کی معقول وجہ رکھتا ہو کہ فلاں شخص ذلت اٹھائے گا یا مورد عتاب الٰہی ہوگا۔

۴۔ میں اس امر سے بھی باز رہوں گا کہ مولوی ابو سعید محمد حسین بٹالوی یا ان کے کسی دوست یا پیرو کے ساتھ مباحثہ کرنے میں کوئی دشنام آمیز فقرہ یا دلآزار لفظ استعمال کروں یا کوئی ایسی تحریر یا تصویر شائع کروں جس سے ان کو درد پہنچے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ ان کی ذات کی نسبت یا ان کے کسی دوست اور پیرو کی نسبت کوئی لفظ مثل دجال' کافر' کاذب' بطالوی نہیں لکھوں گا۔ میں ان کی پرائیویٹ زندگی یا ان کے خاندانی تعلقات کی نسبت کچھ شائع نہیں کروں گا جس سے ان کو تکلیف پہنچنے کا عقلاً احتمال ہو۔

۵۔ میں اس بات سے بھی پرہیز کروں گا کہ مولوی ابو سعید محمد حسین یا ان کے کسی دوست یا پیرو کو اس امر کے مقابلہ کے لیے بلاؤں کہ خدا کے پاس مباہلہ کی درخواست کریں تاکہ وہ ظاہر کرے کہ فلاں مباحثہ میں کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔ نہ میں ان کو یا ان کے کسی دوست یا پیرو کو کسی شخص کی نسبت کوئی پیش گوئی کرنے کے لیے بلاؤں گا۔

۶۔ جہاں تک میرے احاطہ طاقت میں ہے میں تمام اشخاص کو جن پر میرا کچھ اثر یا اختیار ہے ترغیب دوں گا کہ وہ بھی بجائے خود اسی طریق پر عمل کریں۔ جس طریق پر کار بند ہونے کا میں نے دفعہ ۱۔۲۔۳۔۴۔۵ میں اقرار کیا ہے۔

العبد۔ مرزا غلام احمد بقلم خود...... گواہ شد۔ خواجہ کمال الدین بی اے ایل ایل بی

دستخط جے ایم ڈوئی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ۲۴ فروری ۱۸۹۹ء

مرزا صاحب کے اس اقرار سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ کا دعویٰ الہام و نبوت اختیاری تھا، ماموری نہ تھا، ورنہ باختیار خود اپنے الہامات روک رکھنے کا اقرار نہ کرتے۔

(اہل حدیث ۱۳ جون ۱۹۴۱ ص ۵۔۶ الہامات مرزا۔ ص ۸۴۔۹۵۔ طبع ششتم۔ الاعتصام لاہور ۱۳ اپریل ۲۰۰۱)

اس اقرار نامے کے بعد لوگوں نے مرزا صاحب سے پوچھا کہ جناب آپ تو نبی ہیں،

مسیح موعود ہیں، مختار حیات وممات ہیں عالم کان و مایکون ہیں۔ یہ آپ نے کیا کیا کہ مجسٹریٹ کی ایک دھمکی پر اپنے اوسان کھو بیٹھے اور اپنے الہامات اور وحی کی نشر و اشاعت اور تبلیغ سے باز رہنے کا اقرار کرلیا؟ مرزا صاحب آخر سلطان القلم تھے۔ بات بنانا جانتے تھے انہوں نے فوراً اشتہار دے دیا کہ

'یہ سچ ہے کہ اس نوٹس پر میری طرف سے بھی اس عہد کے ساتھ دستخط ہیں کہ میں پھر محمد حسین کی موت یا ذلت کے لیے کوئی پیش گوئی نہیں کروں گا۔ مگر یہ ایسے دستخط نہیں ہیں جن سے ہمارے کاروبار میں کچھ بھی حرج ہو۔ بلکہ مدت ہوئی کہ میں کتاب انجام آتھم کے صفحہ اخیر میں بتصریح اشتہار دے چکا ہوں کہ ہم آئندہ ان لوگوں کو مخاطب نہیں کریں گے جب تک کہ خود ان کی طرف سے تحریک نہ ہو۔ بلکہ اس بارے میں ایک الہام بھی شائع کر چکا ہوں جو میری کتاب آئینہ کمالات اسلام میں درج ہے اور میں ہمیشہ اس الہام کے بعد محمد حسین سے اعراض کرتا تھا اور اس کو قابل خطاب نہیں سمجھتا تھا۔ مگر اس کی چند گندی کارروائیوں اور ایسی بدکارروائی کے بعد جو اس نے جعفر زٹلی کے ساتھ مل کر کی تھی مجھے ضروری طور پر اس کے بارے میں کچھ لکھنا پڑا تھا۔

(روحانی خزائن جلد ۵ (تریاق القلوب) صفحہ ۳۱۴ حاشیہ)

عذاب کی تین سالہ پیش گوئی

مرزا صاحب نے مولانا محمد حسین مرحوم بٹالوی اور مولوی ابو الحسن تبتّی کے حق میں جنوری ۱۹۰۰ء سے اخیر ۱۹۰۲ تک عذاب کی سہ سالہ پیش گوئی شائع کی تھی۔ اس عرصہ میں گورنمنٹ کی طرف سے پنجاب کی ایک نو آبادی میں مولانا موصوف کو چار مربع زمین رعایتی قیمت پر مل گئی تھی۔ پیشگوئی کی میعاد گزرنے پر جب سوال ہوا کہ مولانا پر کیا عذاب آیا تو مرزا صاحب نے کہا کہ زمین داری کا شغل ایک عالم کے لیے کمال ذلت ہے۔ مولوی محمد حسین کو جو زراعتی زمین ملی ہے یہی عذاب ہے (جل جلالہ)۔ اس پر بھی سوال باقی رہا کہ مولانا ابوالحسن تبتّی کو تو زمین بھی نہیں ملی۔ مرزا صاحب نے جواب دیا کہ وہ تو مولوی محمد حسین کے توابع میں سے ہیں۔ اور محمد حسین کی ذلت ان کی بھی ذلت ہے۔ ایک مرتبہ مولانا امرتسریؒ نے مرزا قادیانی سے پوچھا کہ محمد حسین کے بارے میں یہ سہ سالہ عذاب کی پیش گوئی کب پوری ہوئی؟ مرزا صاحب نے مولانا امرتسریؒ کے سوال کو نقل کر کے لکھا

> 'میاں ثناء اللہ کے تین اعتراض اور باقی ہیں اور وہ یہ کہ وہ (ثناء اللہ) پرچہ اخبار عام میں یہ کہتا ہے کہ محمد حسین کو چار مربع زمین مل گئی ہے اور کسی ریاست سے اس کا کچھ وظیفہ مقرر ہو گیا ہے اور مسٹر جے ایم ڈوئی صاحب نے اس (محمد حسین) کی منشا کے موافق مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے (مرزا صاحب جواب میں فرماتے ہیں کہ) یہ سوال کہ محمد حسین کو کچھ زمین مل گئی ہے یعنی بجائے ذلت کے عزت ہو گئی ہے۔ یہ نہایت بے ہودہ خیال ہے۔ کنز العمال کی کتاب المزارعہ میں یعنی صفحہ ۲۳۷ میں جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث موجود ہے لاتدخل سكة الحرث على قوم الا اذلهم الله یعنی کھیتی کا لوہا اور آلہ کسی قوم میں نہیں آتا جو اس قوم کو ذلیل نہیں کرتا۔ پھر اسی صفحہ میں ایک دوسری حدیث ہے انه ﷺ راى شيئا من آلة الحرث فقال لا يدخل هذا بيت قوم الا دخله الذل یعنی آنحضرت ﷺ نے ایک آلہ زراعت کا دیکھا اور فرمایا کہ یہ آلہ کسی قوم کے گھر میں داخل نہیں ہوتا مگر اس قوم کو ذلیل کرتا ہے۔ اب دیکھو ان احادیث سے صریح طور پر

ثابت ہو رہا ہے کہ جہاں کاشت کاری ہو گی وہیں ذلت ہو گی۔ اب ہم میاں ثناء اللہ کی بات مانیں یا رسول اللہ ﷺ کی۔ (نیز لکھتے ہیں) جس کسی کے گلے میں کاشت کاری کا سامان پڑا یہ بھی ایک قسم کی ذلت ہے'

(مجموعہ اشتہارات جلد ۳ ص ۲۱۵۔ ۲۱۶ روحانی خزائن جلد ۱۵ (تریاق القلوب) ص ۴۴۹۔ ۴۴۸)

اور ایک دوسری جگہ مولانا امرتسریؒ کی تردید کرتے ہوئے مرزا صاحب لکھتے ہیں

حالانکہ یہی زمین تو ان (یعنی محمد حسین) کی ذلت کی گواہ ہے'

(روحانی خزائن جلد ۱۹ (ضمیمہ نزول المسیح) ص ۱۴۴)

خود مرزا صاحب اور ان کے آباء زمین دار بیان کیے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے آباء ایک بڑی جاگیر کے مالک تھے جو انہیں مغلوں کی طرف سے ملی تھی۔ پھر سکھوں نے اس جاگیر پر قبضہ کر لیا۔ رنجیت سنگھ کے آخری دور میں پانچ دیہات واپس ہوئے اور جب یہ علاقہ انگریزی عمل داری میں شامل ہوا تو جاگیر قادیان کے گاؤں تک محدود ہو گئی اور باقی کے عوض ۷۰۰ روپیہ پنشن مقرر ہو گئی۔ اور مرزا صاحب کی اولاد بھی زمین دار تھی۔ محمد حسین کی چار مربعے کی زمین داری اگر عذاب ہے تو قادیان کے پورے گاؤں کی زمین داری اور مرزا صاحب کی آل اولاد کے زرعی فارم عذاب شدید کیوں نہ ہوں؟ ویسے مرزا صاحب نے کنز العمال کے حوالے سے جو حدیث نقل فرمائی ہے وہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔ اور قارئین جانتے ہیں کہ بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ سمجھا جاتا ہے اور قارئین یہ بھی جانتے ہیں کہ کنز العمال کی بجائے بخاری سے حوالہ دینا مخالف پر حجت قائم کرنے کے لیے کتنا موثر ہوسکتا ہے۔ مرزا صاحب نے تاہم بخاری سے حوالہ نہیں دیا۔ جانتے ہیں کیوں؟ اس لیے کہ صحیح بخاری کا نام سن کر مرزا صاحب کو ۱۸۹۱ء میں ہونے والی وہ ذلت یاد آ جاتی تھی جس کا ذکر ہم اس کتاب کے پہلے حصے میں کر چکے ہیں۔ ہوا یوں کہ مباحثہ لدھیانہ میں مولانا بٹالویؒ کے بالمقابل مرزا صاحب نے بخاری سے حوالہ بیان فرما دیا۔ مولانا نے مطالبہ کیا کہ وہ حوالہ بخاری سے نکال کر دکھایا جائے۔ یہ سن کر مرزا صاحب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے کیونکہ حوالہ ملتا نہیں تھا جیسا کہ ان کے صاحبزادے مرزا بشیر احمد لکھتے ہیں

'پیر سراج الحق صاحب نعمانی نے بذریعہ تحریر خاکسار سے بیان کیا کہ مولوی محمد حسین سے مباحثہ تھا اور میں اس میں کاتب تھا اور حضرت مسیح موعود کے پرچوں کی نقل کرتا تھا......

لدھیانہ کے مباحثہ میں مولوی محمد حسین نے بخاری کا ایک حوالہ طلب کیا تھا۔ بخاری موجود تھی لیکن اس وقت اس میں یہ حوالہ نہیں ملتا تھا۔ آخر کہیں سے توضیح تلویح منگا کر حوالہ نکال کر دکھایا کہ صاحب توضیح نے لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری میں ہے (سیرۃ المہدی حصہ سوم ص ۵)

اور خود مرزا صاحب، بخاری والے اس حوالے کے متعلق کہتے ہیں

'آپ (بٹالوی) کو تلویح کی عبارت کا ایک حصہ سنا دیا گیا تھا۔ جس کے حوالے سے وہ حدیث بیان کی گئی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ صاحب تلویح نے بطور شاہد اپنے تئیں قرار دے کر بیان کیا ہے کہ وہ حدیث یعنی عرض الحدیث علی القرآن کی حدیث بخاری میں موجود ہے۔ اب اس کے مقابل پر یہ عذر پیش کرنا کہ نسخہ جات موجودہ بخاری جو ہند میں چھپ چکے ہیں ان میں یہ حدیث موجود نہیں سراسر ناسمجھی کا خیال ہے...... اور آپ کو یہ دعویٰ نہیں اور نہ کر سکتے ہیں کہ تمام دنیا کے نسخہ جات بخاری کے قلمی و غیر قلمی آپ دیکھ چکے ہیں...... بخاری کے مطبوعہ نسخوں میں بھی بعض الفاظ کا اختلاف ہے۔ پھر سارے جہان کے قلمی نسخوں کا کون ٹھیکہ لے سکتا ہے۔' (روحانی خزائن ج ۳ (ازالہ اوہام) ص ۵۷۵)

بات تو صاف تھی کہ مرزا صاحب نے بخاری کا حوالہ دیا اور ان کا فرض تھا کہ اس حوالے کو صحیح بخاری سے نکال کر پیش کرتے۔ جو انہوں نے نہیں کیا اور ذلت کا داغ اپنے چہرے پر لگا لیا۔ اس کے بعد سے مرزا صاحب، صحیح بخاری سے ناراض، ناراض سے رہتے تھے اور اس کا نام سن کر کانوں کو ہاتھ لگایا کرتے تھے کیونکہ انہیں مباحثہ لدھیانہ میں ہونے والی ذلت یاد آ جاتی تھی۔

بخاری شریف کے حوالے سے بات چلی ہے تو قادیانیوں کی ایک اور تحریر ملاحظہ فرما لیجیے جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ وہ شکست و فتح کے الفاظ سے کیا معنی لیتے ہیں؟

لکھا ہے، مولوی نورالدین صاحب بیان فرماتے تھے کہ

'ایک دفعہ کسی بحث کے دوران حضرت مسیح موعود سے کسی مخالف نے کوئی حوالہ طلب کیا...... حضرت صاحب نے بخاری کا ایک نسخہ منگایا اور یوں ہی اس کی ورق گردانی شروع کر دی اور جلد جلد ایک ایک ورق الٹانے لگ گئے۔ اور آخر ایک جگہ پہنچ کر آپ ٹھہر گئے اور کہا لو۔ یہ لکھ لو۔ دیکھنے والے سب حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اور کسی نے حضرت صاحب سے دریافت بھی کیا۔ جس پر حضرت صاحب نے فرمایا کہ جب میں

نے کتاب ہاتھ میں لے کر ورق الٹانے شروع کیے تو مجھے کتاب کے صفحات ایسے نظر آتے تھے کہ گویا وہ خالی ہیں۔ اور ان پر کچھ نہیں لکھا ہوا۔ اسی لیے میں ان کو جلد جلد الٹتا گیا۔ آخر مجھے ایک صفحہ ملا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا اور مجھے یقین ہوا کہ یہ وہی حوالہ ہے جس کی مجھے ضرورت تھی۔ (سیرۃ المہدی ج ۲ روایت ۳۰۶ حاشیہ از مرتب تذکرہ)۔ مکرمی شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی لکھتے ہیں کہ جہاں تک میری یاد مساعدت کرتی ہے...... یہ واقعہ لاہور میں ہوا تھا...... مولوی عبدالحکیم کلانوری سے حضرت مسیح موعود کی محدثیت اور نبوت پر بحث ہوئی تھی...... مسیح موعود نے محدثیت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے بخاری کی ایک حدیث کا حوالہ دیا جس میں حضرت عمرؓ کی محدثیت پر استدلال تھا۔ مولوی عبدالحکیم صاحب کے مددگاروں میں سے مولوی احمد علی صاحب نے حوالہ کا مطالبہ کیا اور بخاری خود بھیج دی۔ مولوی محمد احسن صاحب نے حوالہ نکالنے کی کوشش کی مگر نہ نکلا۔ آخر حضرت مسیح موعود نے خود نکال کر پیش کیا...... جب حضرت صاحب نے یہ حدیث نکال کر دکھائی تو فریق مخالف پر گویا ایک موت وارد ہوگئی...... اسی پر مباحثہ ختم کر دیا'۔

(تذکرہ صفحہ ۷۶۵۔۷۶۶)

قادیانی علم الکلام کے کیا کہنے۔ محدث والی بحث مباحثہ لاہور میں ہوئی تھی اور یہ مباحثہ ۱۸۹۲ء میں مرزا صاحب اور مولانا عبدالحکیم صاحب کلانوری کے مابین ہوا تھا۔ اس مباحثے کے نتیجے میں مرزا صاحب نے اپنے مؤقف سے رجوع کیا اور تحریر لکھ کر دی کہ میں نے اس موضوع پر پہلے جو کچھ لکھا ہوا وہ غلط ہے اور لوگوں سے درخواست کی کہ وہ ان کی مطبوعہ کتابوں میں فلاں لفظ کاٹ دیں اور اس کی جگہ فلاں لفظ لکھ لیں۔ ہم مباحثہ لاہور کی تفصیل اس کتاب کے حصہ اول میں بیان کر چکے ہیں۔ ہمارے قارئین اس بحث کو وہاں ملاحظہ کر کے خود فیصلہ کر لیں کہ لاہور کی چونہ منڈی کے میدان مباحثہ سے بے آبرو ہو کر کون نکلا تھا اور ذلت کی موت کس پر وارد ہوئی تھی؟ اگر مرزا صاحب کے معافی نامے کا مطلب قادیانی علم الکلام میں فتح ہے تو پھر ہم مان لیتے ہیں کہ مد میں بھی قادیانی ہی فتح سے ہمکنار ہوئے تھے۔ لدھیانہ میں بھی فتح نے ان ہی کے قدم چومے تھے اور دہلی میں بھی فتح نے انہی کی بلائیں لی تھیں۔

ذلت کے نشان

آیئے دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کو درج بالا تیرہ ماہ والی اور تین سال والی پیش گوئیوں کے بعد کن کن ذلتوں سے واسطہ پڑا؟

مرزا صاحب نے اپنی ایک شادی کی پیش گوئی کر رکھی تھی اور وہ لوگوں کو کہتے تھے کہ وہ شادی ہو کر رہے گی۔ ایک دفعہ مولانا بٹالویؒ کی طرف سے اشارہ کر کے انہوں نے فرمایا

'شیخ محمد حسین بٹالوی کو حلفاً پوچھنا چاہیے کہ کیا یہ قصہ نہیں کہ یہ عاجز اس شادی سے پہلے جو دہلی میں ہوئی، اتفاقاً اس کے مکان پر موجود تھا۔ اس نے سوال کیا کہ کوئی الہام مجھ کو سناؤ۔ میں نے ایک تازہ الہام جوانہی دنوں میں ہوا تھا اور اس شادی اور اس کی دوسری جز پر دلالت کرتا تھا، اس کو سنایا۔ اور وہ یہ تھا بکر و ثیب۔ یعنی مقدر یوں ہے کہ ایک بکر سے شادی ہوگی اور پھر بعدہ ایک بیوہ ہے۔ میں اس الہام کو یاد رکھتا ہوں۔ مجھے نہیں امید کہ محمد حسین نے بھلا دیا ہو۔ مجھے اس کا وہ مکان یاد ہے جہاں کرسی پر بیٹھ کر میں نے اس کو الہام سنایا تھا اور احمد بیگ کے قصہ کا ابھی نام و نشان نہ تھا اور نہ ابھی اس دوسری شادی کا کچھ ذکر تھا۔ پس اگر وہ سمجھے تو سمجھ سکتا ہے کہ یہ خدا کا نشان تھا جس کا ایک حصہ اس نے دیکھ لیا اور دوسرا حصہ ثیب یعنی بیوہ کے متعلق ہے دوسرے وقت میں دیکھ لے گا'۔ (روحانی خزائن ج ۱۱ (انجام آتھم) ص ۲۹۸)

اور ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں انہوں نے لکھا ہے کہ خدا نے انہیں بتایا کہ

'خواتین مبارکہ سے جن میں سے بعض کو اس کے بعد پائے گا، تیری نسل بہت ہوگی'

اس الہام کے بعد مرزا صاحب کا کوئی نکاح نہیں ہوا۔ نہ خواتین مبارکہ سے اور نہ خواتین نامبارکہ سے۔ اور جب اس کے بعد کسی خاتون سے ان کی شادی ہی نہیں ہوئی تو ایسی خواتین سے اولاد کیسے ہوتی؟ اور مرزا صاحب کی اس پیش گوئی کا پورا نہ ہونا، ان کی ذلت کا نشان نہیں تو اور کیا ہے؟ مرزا صاحب نے بڑی تحدی سے الہامی پیش گوئیاں سنائی تھیں۔ اور ان کا چیلنج تھا کہ وہ پیش گوئیاں ضرور پوری ہوں گی اور اگر وہ پوری نہ ہوں تو انہیں بد سے بدتر

کہا جائے۔مرزا صاحب چلے گئے ، پیش گوئیاں بھی ان کے ساتھ ہی چلی گئیں۔ بد سے بدتر بلکہ بدترین کون ہوا؟

مرزا صاحب کی ایک اور ذلت ان کے درج ذیل دعویٰ کے پورا نہ ہونے کے باعث ہوئی۔مرزا صاحب فرماتے ہیں

'طالب حق کے لیے میں یہ بات پیش کرتا ہوں کہ میرا کام جس کے لیے میں اس میدان میں کھڑا ہوں یہ ہے کہ میں عیسیٰ پرستی کے ستون کو توڑ دوں۔اور بجائے تثلیث کے توحید کو پھیلاؤں۔اور آنحضرت ﷺ کی جلالت اور عظمت اور شان دنیا پر ظاہر کروں۔پس اگر مجھ سے کروڑوں نشان بھی ظاہر ہوں اور یہ علت غائی ظہور میں نہ آئے تو میں جھوٹا ہوں۔پس دنیا مجھ سے کیوں دشمنی کرتی ہے؟ وہ میرے انجام کو کیوں نہیں دیکھتی؟ اگر میں نے اسلام کی حمایت میں وہ کام کر دکھایا جو مسیح موعود اور مہدی معہود کو کرنا چاہیے تو پھر میں سچا ہوں۔اور اگر کچھ نہ ہوا اور میں مر گیا تو سب لوگ گواہ رہیں کہ میں جھوٹا ہوں' (اخبار بدر قادیان ۔ ۱۹ جولائی ۱۹۰۲ء) (مولانا امرتسری پوچھتے ہیں) کیا مرزا صاحب کا یہ مقصد پورا ہو گیا؟ یعنی تثلیث اور عیسیٰ پرستی دنیا سے معدوم ہو کر توحید پھیل گئی؟ مرزا صاحب کے صاحبزادے مرزا محمود نے بھی تسلیم کیا کہ 'مسیح موعود (مرزا) کے وعدوں میں سے ابھی اربواں حصہ بھی پورا نہیں ہوا۔ (الفضل ۱۶۔اکتوبر ۱۹۳۷ء)

(اہل حدیث امرتسر ۶ نومبر ۱۹۴۲ء ص ۴۔۵)

مرزا صاحب کا اپنے مشن کو مکمل کیے بغیر مولانا بٹالویؒ کی زندگی میں مر جانا، مولانا کی صداقت اور مرزا کی ذلت کا نشان ہے کہ نہیں؟

مرزا صاحب کی کتاب ضمیمہ کشف الغطا میں لکھا ہے

'مجھے اس رسالہ کے لکھنے کے بعد محمد حسین صاحب اشاعۃ السنہ کا انگریزی میں ایک رسالہ ملا جس کو اس نے مطبع وکٹوریہ پریس لاہور میں چھاپ کر بماہ اکتوبر ۱۸۹۸ء میں شائع کیا ہے' (اور پھر مرزا صاحب نے حکومت سے اپنی وفاداری کی قسمیں کھانے کے بعد لکھا ہے کہ) دوسرا امر جو اسی رسالہ میں محمد حسین نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ میں نے کوئی الہام اس مضمون کا شائع کیا ہے کہ گورنمنٹ عالیہ کی سلطنت آٹھ سال کے عرصہ میں تباہ ہو جائے گی۔ میں اس بہتان کا جواب بجز اس کے کیا لکھوں کہ خدا جھوٹے کو تباہ کرے۔

میں نے ایسا الہام ہرگز شائع نہیں کیا۔ میری تمام کتابیں گورنمنٹ کے سامنے موجود ہیں۔ میں بادب گذارش کرتا ہوں کہ گورنمنٹ اس شخص سے مطالبہ کرے کہ کس کتاب یا خط یا اشتہار میں میں نے ایسا الہام شائع کیا ہے؟ اور میں امید رکھتا ہوں کہ گورنمنٹ عالیہ اس کے اس فریب سے خبردار رہے گی کہ یہ شخص اپنے اس جھوٹے بیان کی تائید کے لیے یہ تدبیر نہ کرے کہ اپنی جماعت اور اپنے گروہ میں سے ہی جو مجھ سے اختلاف مذہب کی وجہ سے دلی عناد رکھتے ہیں جھوٹے بیان بطور شہادت گورنمنٹ تک پہنچا دے۔ اس شخص اور اس کے ہم خیال لوگوں کی میرے ساتھ کچھ آمد و رفت اور ملاقات نہیں تا میں نے ان کو کچھ زبانی کہا ہو۔ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اپنی کتابوں اور اشتہاروں میں شائع کرتا ہوں اور میرے خیالات اور میرے الہامات معلوم کرنے کے لیے میری کتابیں اور اشتہارات متکفل ہیں اور میری جماعت کے معززین گواہ ہیں۔'

(روحانی خزائن جلد ۱۴ (ضمیمہ کشف الغطا) ص ۲۱۶)

برطانیہ کی سلطنت کے بارے میں کی جانے والی الہامی پیشگوئی سے انکار کر کے مرزا صاحب جھوٹ بول رہے تھے۔ انہوں نے سلطنت برطانیہ تا ہشت سال والی پیش گوئی فرمائی ہوئی تھی جس کا حال ہم اس کتاب کے پہلے حصے میں بیان کر چکے ہیں۔ مرزا صاحب کا یہ جھوٹ، عالم اسلام کے سامنے ان کی ذلت کا ایسا عبرت ناک نشان ہے جو ان کی موت کے بعد انہی کے صاحبزادوں اور چہیتے مریدوں نے ان کے خلاف گواہی دے کر فراہم کیا ہے۔

مرزا صاحب نے یہ پیش گوئی بھی کر رکھی تھی کہ مولانا محمد حسین بٹالویؒ ان کی مخالفت ترک کر کے قادیانیت اختیار کر لیں گے اور اس موضوع پر بہت سی قادیانی تحریریں موجود ہیں ہم ان سب کا ذکر کرنے کے بجائے صرف ان تحریروں کا ذکر کرتے ہیں جو تیرہ ماہ والی اس پیش گوئی کے بعد کی ہیں۔

مرزا صاحب کے ملفوظات میں ۱۲ اگست ۱۹۰۲ء کی ڈیٹ لائن کے ساتھ لکھا ہے

'اس کے بعد حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ مولوی محمد حسین صاحب کا ایک رسالہ آیا ہے جس میں چینیانوالی مسجد میں قیامت کے عنوان سے آپ نے ایک مضمون لکھا ہے جو مولوی عبداللہ چکڑالوی کے خلاف ہے۔ لکھتے لکھتے ایک مقام پر (مولانا بٹالوی) لکھتا ہے کہ ہم اس (چکڑالوی) کو پرافٹ آف قادیان سے ملاتے

ہیں۔یعنی کفر کا فتوی دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کے نیچے پھر کفر کا فتویٰ مرتب کیا ہے۔اس پر حضرت اقدس (مرزا) نے فرمایا کہ (چکڑالوی کی) وجوہ کفر کیا ہیں؟ (انہیں بتایا گیا کہ بقول مولانا بٹالوی) مولوی چکڑالوی کہتا ہے کہ حدیث کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ حدیث کا پڑھنا ایسا ہے جیسا کہ کتے کو ہڈی کا چسکا ہوسکتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا درجہ قرآن لانے میں اس سے بڑھ کر نہیں جیسا کہ ایک (نعوذ باللہ) چپراسی یا مذکوری کا درجہ پروانہ سرکاری لانے میں ہوتا ہے۔حضرت اقدس مسیح موعود (مرزا) نے فرمایا ایسا کہنا کفر ہے (چکڑالوی) رسول اللہ ﷺ کی بڑی بے ادبی کرتا ہے۔احادیث کو ایسی حقارت سے نہیں دیکھنا چاہیے......اس کے بعد حضرت اقدس (مرزا) نے اپنا پرانا خواب مولوی محمد حسین صاحب کے متعلق بیان فرمایا جو کہ کتاب سراج منیر کے آخر میں درج ہے اس کے بعد فرمایا...... کسی وقت کا اخلاص اور خدمت انسان کے کام آجاتا ہے۔شاید ان وقتوں کا اخلاص ہی ہو جو بالآخر مولوی محمد حسین صاحب کو اس سلسلہ (قادیانیت) کی طرف رجوع کرنے کی توفیق دے۔کیونکہ وہ بہت ٹھوکریں کھا چکے ہیں۔اور دیکھ چکے ہیں کہ خدا کے کاموں میں کوئی حارج نہیں ہوسکتا'۔ (ملفوظات جلد۳ صفحہ ۳۲۵۔۳۲۸)

یعنی ۱۹۰۲ء میں مرزا صاحب اپنی پرانی بات کو دہرا رہے ہیں کہ مولانا بٹالویؒ مرزائی ہو جائیں گے۔اس کے کچھ عرصہ بعد بقول مرزا بشیر احمد

'مصنف عصائے موسیٰ (مولوی الٰہی بخش) کو جب لاہور میں طاعون ہوا تو حضرت مسیح موعود (مرزا) کے پاس یہ بات پیش ہوئی کہ حضور نے اعجاز احمدی میں لکھا ہے کہ مولوی محمد حسین اور مصنف عصائے موسیٰ رجوع کرلیں گے۔اس پر آپ (مرزا) نے فرمایا ان کو مرنے دو۔خدائی کلام کی تاویل ہوسکتی ہے آخر وہ (الٰہی بخش) طاعون ہی سے مرگیا'

(سیرۃ المہدی حصہ سوم ص ۲۹۱)

یعنی اس وقت تک مولوی محمد حسینؒ کے مرزائیت قبول کرلینے والی مرزا صاحب کی پیش گوئی موجود تھی۔مرزا صاحب نے نہ تو ابھی اس کی کوئی تاویل کی تھی اور نہ ہی اسے منسوخ کیا تھا۔اس کے بعد ۱۵ جنوری ۱۹۰۷ء کی ڈیٹ لائن کے ساتھ ملفوظات کا مرتبہ لکھتا ہے

'مولوی محمد حسین کا ذکر آیا کہ وہ رجوع کیوں کر کرے گا۔(مرزا نے) فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل بات نہیں۔وہ جب چاہیے دل پھیر دے' (ملفوظات جلد ۹۔ص ۱۶۹)

یعنی مرزا صاحب اپنی زندگی کے آخری مہینوں میں بھی مولانا بٹالویؒ کے مرزائی ہو جانے کے خواب دیکھتے تھے۔ آیئے اب دیکھتے ہیں کہ وہ اس پیش گوئی کا کیا حشر ہوا؟

مرزا صاحب کی موت کے آٹھ سال بعد دسمبر ۱۹۱۶ء میں سرگودھا میں مولانا ثناء اللہ اور میر محمد اسحاق کے مابین ایک مباحثہ ہوا۔ اس میں میر اسحاق نے لکھا کہ

'مولوی محمد حسین صاحب فرقہ اہل حدیث کے ایڈووکیٹ اور لیڈر ہیں اور جو مرزا صاحب کا دعویٰ سن کر سب سے پہلے منکر ہوئے اور جو فتویٰ تکفیر مرزا صاحب کے بانی ہیں'۔

(مباحثہ سرگودھا۔ صفحہ ۷۸)

میر محمد اسحاق کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیانیوں کے نزدیک ۱۹۱۶ء میں یعنی مرزا کی موت کے آٹھ سال بعد بھی مولانا بٹالویؒ کی یہ حیثیت مسلمہ تھی کہ وہ بانی تکفیر مرزا ہیں اور وہی ہیں جو سب سے پہلے مرزا کا دعویٰ سن کر ان کے مخالف ہوئے تھے۔ اور اس تحریر سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۱۶ء تک وہ مرزائی نہیں ہوئے تھے اور نہ انہوں نے تکفیر مرزا سے رجوع کیا تھا۔ اس کے برعکس وہ نہ صرف ایک اہل حدیث مسلمان تھے بلکہ اہل حدیث کے لیڈر بھی شمار ہوتے تھے۔ اس سے اور آگے چلیں تو ہمیں حافظ عنایت اللہ اثری کی یہ تحریر نظر آتی ہے۔

'۱۹۱۹ء میں، میں نے خلیفہ قادیان کو عریضہ روانہ کیا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی میری اور آپ کی زندگی میں اسلام پر فوت ہو کر آپ کے باپ کی پیش گوئی کو جھوٹا ثابت کریں گے کہ وہ مرزائی ہو کر مرے گا۔ جب میری یہ پیش گوئی اپنی ہر سہ قیود کے ساتھ پوری ہوئی تو میں نے اسے اہل حدیث (امرتسر) میں (اشاعت کے لیے) روانہ کیا'۔ (الجسر البلیغ صفحہ ۲۷ حاشیہ در رسائل اہل حدیث جلد ۲ صفحہ ۱۹۶۔۱۹۷)

یہ بات ۱۹۲۰ء کی ہے جب مولانا بٹالویؒ بقول حافظ عنایت اللہ، ان کی پیش گوئی کے مطابق حالت اسلام میں فوت ہوئے۔ مرزا محمود قادیانی اور اس کے اخلاف اس طرح کی باتیں تو کرتے آئے ہیں کہ مولوی محمد حسین صاحب کے 'بھائی کے سسر کا پوتا' مرزائی ہو گیا تھا۔ یا مولوی صاحب کے 'بیٹے کے سالہ کا ماموں زاد بھائی' مرزائی ہو گیا تھا۔ لیکن آج تک کسی قادیانی لیڈر یا محقق کو یہ کہنے کی جرأت نہیں ہو سکی کہ خود مولانا بٹالویؒ بھی مرزائی ہو گئے تھے۔ مرزا صاحب کی اس پیش گوئی کا من کل الوجوہ جھوٹا ثابت ہو جانا مولانا بٹالویؒ اور دیگر مسلمانوں کے سامنے مرزا صاحب کی ابدی ذلت کا نشان ہے۔

حجاز ریلوے

مرزا صاحب نے ایک پیش گوئی حرمین شریفین کے درمیان ریلوے لائن کی تعمیر اور ریل گاڑیوں کے اجرا کے متعلق فرمائی تھی۔ انہوں نے لکھا کہ آیت

واذا العشار عطلت اشارہ کرتی ہے جس کی تصدیق میں مسلم میں یہ حدیث موجود ہے ویترك القلاص فلا یسعی علیها اور اونٹوں کے چھوڑے جانے اور نئی سواری کا استعمال اگرچہ بلاد اسلامیہ میں قریباً سو برس سے عمل میں آ رہا ہے لیکن یہ پیش گوئی اب خاص طور پر مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کی ریل تیار ہو جانے سے پوری ہو جائے گی کیونکہ وہ ریل جو دمشق سے شروع ہو کر مدینہ میں آئی، وہی مکہ معظّمہ میں آئے گی۔ اور امید ہے کہ بہت جلد اور صرف چند سال تک یہ کام تمام ہو جائے گا۔ تب وہ اونٹ جو تیرہ سو برس سے حاجیوں کو لے کر مکہ سے مدینہ کی طرف جاتے تھے یک دفعہ بے کار ہو جائیں گے۔ اور ایک انقلاب عظیم عرب اور بلاد شام کے سفروں میں آ جائے گا۔ چنانچہ یہ کام بڑی سرعت سے ہو رہا ہے۔ اور یہ تعجب نہیں کہ تین سال کے اندر اندر یہ ٹکڑا مکہ سے مدینہ کی راہ کا تیار ہو جائے اور حاجی لوگ بجائے بدوؤں کے پتھر کھانے کے، طرح طرح کے میوے کھاتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچا کریں۔ بلکہ اغلباً معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑی ہی مدت میں اونٹ کی سواری تمام دنیا سے اٹھ جائے گی اور یہ پیشگوئی ایک چمکتی ہوئی بجلی کی طرح تمام دنیا کو اپنا نظارہ دکھائے گی اور تمام دنیا اس کو بچشم خود دیکھے گی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ کی ریل کا تیار ہو جانا گویا تمام اسلامی دنیا میں ریل کا پھر جانا ہے کیونکہ اسلام کا مرکز مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ ہے...... ذرا اس وقت کو سوچو کہ جب مکہ معظّمہ سے کئی لاکھ آدمی ریل کی سواری میں ایک ہیئت مجموعی میں مدینہ کی طرف جائے گا۔ یا مدینہ سے مکہ کی طرف آئے گا...... اور (کوئی) یہ حدیث پڑھے گا کہ ویترك القلاص فلا یسعی علیها یعنی مسیح موعود کے زمانہ میں اونٹنیاں بے کار ہو جائیں گی اور ان پر کوئی سوار نہ ہوگا تو سننے والے اس پیش گوئی کو سن کر کس قدر وجد میں آئیں گے۔

(روحانی خزائن جلد ۱۷ (تحفہ گولڑویہ) صفحہ ۱۹۴-۱۹۵)

ایک دوسری جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں

'قرآن اور حدیث دونوں بتا رہے ہیں کہ مسیح کے زمانہ میں اونٹ بے کار ہو جائیں گے۔ یعنی ان کے قائمقام کوئی اور سواری پیدا ہو جائے گی۔ یہ حدیث مسلم میں موجود ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ویترکن القلاص فلا یسعی علیها اور قرآن کے الفاظ یہ ہیں واذا العشار عطلت شیعوں کی کتابوں میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ مگر کیا کسی نے اس نشان کی کچھ بھی پرواہ کی؟ ابھی عنقریب اس پیش گوئی کا دلکش نظارہ مکہ اور مدینہ کے درمیان نمایاں ہونے والا ہے جبکہ اونٹوں کی لمبی قطار کی جگہ ریل کی گاڑیاں نظر آئیں گی اور تیرہ سو برس کی سواریوں میں انقلاب ہو کر ایک نئی سواری پیدا ہو جائے گی۔''

(روحانی خزائن جلد ۱۸ (نزول المسیح) صفحہ ۴۰۶)

اور مرزا صاحب نے مولانا بٹالویؒ کو مخاطب کر کے ایک جگہ لکھا ہے

'مسیح موعود کے وقت میں اونٹنیاں بے کار ہو جائیں گی اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس زمانہ میں مدینہ سے مکہ کی طرف ریل کی سواری ہو جائے گی۔ مگر آپ کے نزدیک یہ حدیث بھی غلط۔ پس جب کہ پیغمبر ﷺ کی حدیثیں آپ کے نزدیک غلط ہیں تو میری پیش گوئیوں کو غلط کہنے کے وقت آپ کیوں شرم کرنے لگے' میں مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب کو محض حسبۃ للہ نصیحت کرتا ہوں کہ آپ آخر عمر تک پہنچ گئے ہیں۔ اب خدا تعالیٰ کے مقابل پر بے ہودہ چالاکیوں کو چھوڑ دیں...... میں آپ کو نیک صلاح دیتا ہوں کہ درندگی کا طریق چھوڑ کر اب بھی آپ میری نسبت تحقیق کر لیں'۔

(روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۲۸۱ و ۲۹۶)

یہ تھی حرمین شرفین کے درمیان ریل کی پیش گوئی جو مرزا صاحب نے فرمائی اور انہوں نے قرآن اور حدیث کی رو سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مسیح موعود کے دور میں دنیا سے اونٹ کی سواری ختم ہو جائے گی اور مدینہ اور مکہ کے درمیان ریلوے لائن تیار ہو کر حاجیوں کی آمد و رفت کا ذریعہ بن جائے گی۔ اور انہوں نے مولانا بٹالویؒ کو کہا کہ دیکھو یہ بھی میری صداقت کا نشان ہے۔

اس پیشگوئی کا حشر جاننے کے لیے مولانا امرتسریؒ کی ذیل کی تحریر مفید مطلب ہے۔

مولانا فرماتے ہیں

'سلطان عبدالحمید خان مرحوم نے اسلامی دنیا میں تحریک کی تھی کہ حاجیوں کی تکلیف دور کرنے کے لیے حجاز میں ریل بنائی جائے۔ چنانچہ مسلمانان دنیا نے اس تحریک کو قومی جان کر بطیّب خاطر چندہ بھی دیا۔ چنانچہ ریل مذکور دمشق سے چل کر مدینہ طیبہ تک پہنچ گئی۔ آمد و رفت بھی مدینہ منورہ تک شروع ہوگئی۔ اس وقت کے جوش کو دیکھ کر قرین قیاس بلکہ یقین تھا کہ چند ہی روز میں ریل مکہ معظّمہ سے گذر کر جدہ تک آنے والی ہے۔ اتنے میں مرزا صاحب نے اعلان کر دیا کہ یہ ریل میری صداقت کی دلیل ہوگی کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے واذا العشار عطلت یعنی اونٹ بے کار ہو جائیں گے۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ مسیح موعود کے آنے کے وقت مکہ مدینہ میں ریل بن کر اونٹوں کی سواری بند ہو جائے گی۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ لیترکن القلاص فلا یسعی علیہا یعنی اونٹ چھوڑ دیئے جائیں گے ان پر سواری نہ کی جائے گی۔ یہ بھی مسیح موعود کے زمانہ کی طرف اشارہ ہے۔ پس حجاز میں ریل بننے سے میرے دعوے کا ثبوت ہوتا ہے۔ اس تشریح کے بعد مرزا صاحب کے اپنے الفاظ سنئے۔ آپ فرماتے ہیں 'آسمان نے بھی میری لیے گواہی دی اور زمین نے بھی۔ مگر دنیا کے اکثر لوگوں نے مجھے قبول نہ کیا۔ میں وہی ہوں جس کے وقت میں اونٹ بے کار ہو گئے اور پیش گوئی آیت کریمہ واذا العشار عطلت پوری ہوئی۔ اور پیش گوئی حدیث ولیترکن القلاص فلا یسعی علیہا نے اپنی پوری چمک دکھلا دی۔ یہاں تک کہ عرب اور عجم کے ایڈیٹران اخبار اور جرائد والے بھی اپنے پرچوں میں بول اٹھے کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان جو ریل تیار ہو رہی ہے یہی اس پیش گوئی کا ظہور ہے جو قرآن اور حدیث میں ان لفظوں سے کی گئی تھی جو مسیح موعود کے وقت کا یہ نشان ہے' (اعجاز احمدی ص۲) (مرزا کی عبارت نقل کر کے مولانا امرتسریؒ لکھتے ہیں) ہم حیران تھے کہ تمام مسلمانان دنیا کی ضرورت کے مطابق ریل کا انتظام ہوا۔ بہت سا حصہ اس کا بن بھی گیا مگر عین موقع پر

دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

مدینہ شریف پہنچ کر ریل کی تیاری رک گئی۔ نہ عبدالحمید خان ہے نہ وہاں ترکی کی سلطنت رہی۔ غرض

آں قدح بشکت و آں ساقی نماند

آخر مسلمانوں کی اس ناکامی کی وجہ کیا ہوئی؟ ظاہری اسباب تو درحقیقت باطنی حکمت کی تکمیل کے لیے ہوا کرتے ہیں اور غور کرنے سے ہماری سمجھ میں یہی رمز آئی کہ چونکہ مرزا صاحب قادیانی نے اس ریل کو اپنے غلط دعوے کی دلیل میں پیش کیا تھا اس لیے خدائی حکمت نے ریل کو بند کر کے دکھا دیا کہ مرزا صاحب اس بیان کی رو سے بھی غلطی پر ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانان دنیا کی ضروریات سفر کے مقابلے میں مرزا صاحب کی تکذیب کرانا خدا کے نزدیک زیادہ اہم ہے۔ سچ ہے ۔واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔ (شہادات مرزا مصنفہ مولانا امرتسری)

مولانا امرتسریؒ کی تحریر کو ایک عرصہ گذر گیا ہے اور شاید مرزائی کہیں کہ یہ پرانی باتیں ہیں اس لیے ہم انہیں دعوت دیتے ہیں کہ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ریلوے لائن کا وجود آج کے دور میں ثابت کر دیں۔ مرزا صاحب نے کہا تھا کہ اونٹوں کی سواری دنیا سے مسیح کے دور میں ختم ہو جائے گی۔ اور مکہ سے مدینہ تک ریل شروع ہو جائے گی۔ اب جس میں دور میں یہ دونوں کام ہوں گے اس دور میں کوئی شخص مسیح ہونے کا دعویٰ کرے تو اس پیش گوئی کی روشنی میں شاید قابل اعتنا ہوسکتا ہے۔ لیکن جس شخص کی موت کے ایک صدی بعد بھی حرمین کے درمیان ریل کا نام ونشان نہ مل رہا ہو اور نہ ہی اونٹوں کی سواری دنیا سے متروک ہوئی ہو وہ شخص اس پیش گوئی کی رو سے کیسے مسیح ہوسکتا ہے؟ مرزا صاحب کو تو مرے ہوئے بھی اب سو سال ہونے کو ہے۔ اور ابھی تک نہ صرف یہ کہ مدینہ سے مکہ تک ریل نہیں چلی بلکہ مدینہ تک جو لائن بن چکی تھی اس کا استعمال بھی متروک ہو چکا ہے۔ مرزا صاحب نے مولانا بٹالویؒ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ درندگی چھوڑ کر میری نسبت تحقیق کر لیں۔ تحقیق کرنے سے تو مرزا صاحب کا جھوٹ اور مولانا بٹالویؒ کے مقابلے میں ان کی ذلت ہی کا نشان اس ریل والے معاملے ملتا ہے۔



براہین احمدیہ کی قیمت

مرزا صاحب نے ۱۸۷۹ء میں اپنی کتاب براہین احمدیہ کا اشتہار دے کر لوگوں سے بطور امداد اور بطور پیشگی قیمت بہت سی رقم جمع کی تھی اس لیے لوگ اس کتاب کے شائع ہونے کا انتظار کرتے تھے۔ مرزا صاحب نے کتاب کے چار حصے شائع کیے۔ اور پھر ۱۸۸۰ء کا عشرہ گزر گیا اور جب ۱۸۹۰ء کے عشرے کے بھی دو سال گزر گئے اور کتاب کے بقیہ ۴۶ حصے شائع ہونے کے آثار نظر نہ آئے تو مولانا محمد حسین نے یکم جنوری ۱۸۹۳ء کو مرزا غلام احمد کو لکھا

'آپ مسلمانوں کا دس ہزار سے زیادہ روپیہ کتاب براہین احمدیہ کی قیمت اور قبولیت دعاؤں کی طمع دے کر خورد برد کر چکے ہیں اور براہین ہنوز دربطن شاعر کے مصداق ہے'

اس کے جواب میں مرزا صاحب نے لکھا

'آپ کا یہ خیال کہ گویا یہ عاجز براہین احمدیہ کی فروخت میں دس ہزار روپیہ لوگوں سے لے کر خورد برد کر گیا ہے یہ اس شیطان نے آپ کو سبق دیا ہے جو ہر وقت آپ کے ساتھ رہتا ہے۔ آپ کو کیونکر معلوم ہو گیا کہ میری نیت میں براہین کا طبع کرنا نہیں۔ اگر براہین طبع ہو کر شائع ہو گئی تو کیا اس دن شرم کا تقاضا نہیں ہوگا کہ آپ غرق ہو جائیں'۔

(روحانی خزائن جلد ۵ (دافع الوساوس) ص ۳۰۶)

اور اب جب کہ مرزا صاحب کو مرے ہوئے بھی ایک صدی گزرنے کو ہے، کیا کوئی مرزائی بتا سکتا ہے کہ براہین احمدیہ کی جلد ششم کب شائع ہوئی اور جلد ہفتم کہاں شائع ہوئی اور جلد ۴۰ کب اور ۴۹ کہاں شائع ہوئی؟ مرزا صاحب مولانا بٹالویؒ کو کہتے تھے کہ براہین شائع ہو گئی تو کیا اس دن شرم کا تقاضا نہیں ہوگا کہ وہ غرق ہو جائیں گے۔ اور جب بقیہ جلدیں شائع نہیں ہوئیں تو کیا یہ بات مرزا غلام احمد کے لیے شرم اور ڈوب مرنے کا مقام نہیں ہے؟ اور کیا یہ ان کی ذلت کا نشان نہیں ہے؟

قادیانیوں کا دعویٰ مرزا صاحب کی موت کے بعد ایک عرصہ تک یہی رہا کہ مرزا صاحب اپنی زندگی میں براہین احمدیہ کی تصنیف مکمل کر چکے تھے۔ اور اس کا مسودہ بھی ان کے

پاس موجود تھا، جیسا کہ مرزا بشیر احمد نے لکھا ہے

'خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب حضرت مسیح موعود (مرزا) نے ۱۸۷۹ء میں براہین کے متعلق اعلان شائع فرمایا تو اس وقت آپ براہین احمدیہ تصنیف فرما چکے تھے اور کتاب کا حجم دو اڑھائی ہزار صفحہ تک پہنچ گیا تھا۔ اور اس میں آپ نے اسلام کی صداقت میں تین سو ایسے زبردست دلائل تحریر کیے تھے کہ جن کے متعلق آپ کا دعویٰ تھا کہ ان سے صداقت اسلام آفتاب کی طرح ظاہر ہو جائے گی۔ اور آپ کا ارادہ تھا کہ جب اس کے شائع ہونے کا انتظام ہو تو کتاب کو ساتھ ساتھ اور زیادہ مکمل فرماتے جاویں۔ اور اس کے شروع میں ایک مقدمہ لگائیں اور بعض تمہیدی باتیں لکھیں اور ساتھ ساتھ ضروری حواشی بھی زائد کرتے جائیں۔ چنانچہ اب جو براہین احمدیہ کی چار جلدیں شائع شدہ موجود ہیں ان کا مقدمہ اور حواشی وغیرہ سب دوران اشاعت کے زمانہ کے ہیں اور اس میں اصل ابتدائی تصنیف کا حصہ بہت ہی تھوڑا آیا ہے۔ یعنی صرف چند صفحات سے زیادہ نہیں۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تین سو دلائل جو آپ نے لکھے تھے ان میں سے مطبوعہ براہین احمدیہ میں صرف ایک ہی دلیل بیان ہوئی ہے اور وہ بھی نامکمل طور پر۔ ان چار حصوں کے طبع ہونے کے بعد اگلے حصص کی اشاعت خدائی تصرف کے ماتحت رک گئی۔ اور سنا جاتا ہے کہ بعد میں اس ابتدائی تصنیف کے مسودے بھی کسی وجہ سے جل کر تلف ہو گئے۔' (سیرۃ المہدی جلد۲ ص ۱۱۱۔۱۱۲)

'اور بیان کیا مجھ (بشیر احمد) سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ ایک دفعہ لالہ ملاوامل نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ مرزا صاحب یعنی حضرت مسیح موعود نے مجھے ایک صدوقچی کھول کر دکھائی تھی۔ جس میں ان کی ایک کتاب کا مسودہ رکھا ہوا تھا۔ اور آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ بس میری جائیداد اور مال سب یہی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ براہین احمدیہ کے مسودہ کا ذکر ہے۔' (سیرۃ المہدی جلد۲ ص ۱۱۳)

مولانا امرتسریؒ ۱۹۴۸ء میں فوت ہوئے اور وہ ساری عمر قادیانیوں کے دونوں گروہوں کہ کہتے رہے کہ خدارا مکمل براہین شائع کرو۔ اس سلسلے کی ایک تحریر میں انہوں نے خلیفہ قادیان اور امیر جماعت مرزائیہ لاہور کو مخاطب کر کے لکھا

'آپ دونوں صاحب گو چند مسائل میں باہم مختلف ہیں۔ اسی لیے آئے دن ایک

دوسرے کو مباحثہ کا چیلنج دیتے رہتے ہیں۔ مگر اس امر پر متفق ہیں کہ مرزا صاحب کی تصنیفات خواص اور عوام کو مفید ہیں۔ اسی لیے قادیانی اور لاہوری دونوں جماعتیں مرزا صاحب کی کتب کو مکرر، سہ کرر چھپوا کر شائع کر رہی ہیں۔ آپ لوگوں کے اسی فعل پر ہماری درخواست متفرع ہے کہ وہ براہین احمدیہ جس کا مسودہ مرزا صاحب تیار کر چکے تھے اور جس کا ذکر مرزا صاحب نے اس کتاب کے صفحہ ۹۳ وغیرہ پر کیا ہے...... اور جس کی عدم اشاعت کا اعتراف اور آئندہ اشاعت کا مژدہ مرزا صاحب نے آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ ۳۰۶ پر دیا ہوا ہے۔ سب کام چھوڑ کر سب سے پہلے اس کتاب کے مسودہ کو شائع کر دیں تاکہ اسلام کی خدمت مکمل ہو جائے جس کے لیے مرزا صاحب مبعوث ہوئے تھے اور آپ نے اس کتاب کی تعریف کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ 'اس کتاب میں دھوم دھام سے حقانیت اسلام کا ثبوت دکھلایا گیا ہے کہ...... جس سے ہمیشہ کے مجادلات کا خاتمہ فتح عظیم کے ساتھ ہو جائے گا' (اشتہار عرض ضروری ملحقہ براہین) ۔اگر آپ لوگوں نے یہ اسلامی خدمت انجام نہ دی اور ہمارا یقین ہے کہ نہیں دیں گے تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ مرزا صاحب کا یہ بیان متعلقہ تکمیل مسودہ کتاب حقیقت نہیں بلکہ شاعرانہ تخیل تھا'۔ (ناقابل مصنف مرزا)

مسلمانوں کے تقاضوں سے تنگ آ کر آخر کار مرزائیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ براہین مکمل نہیں ہوئی، لیکن اس کا نامکمل رہ جانا بھی مرزا صاحب کی صداقت کا نشان ہے۔ اور یہ عجیب علم الکلام ہے کہ مرزا صاحب صحت مند ہوں تو ان کی صحت، ان کی صداقت کا نشان۔ اور ان کے جسم کے اوپر اور نیچے کے حصوں میں دائمی بیماریاں ہوں، تو وہ بیماریاں بھی ان کی صداقت کا نشان۔ انہیں مالی تنگ دستی ہو، تو وہ بھی ان کی صداقت کا نشان، اور مریدوں کی طرف سے چندے کی بھرمار ہو جائے، تو وہ بھی ان کی صداقت کا نشان۔ ان کی شادی ایک کمسن خاتون سے ہو جائے تو وہ بھی نشان صداقت اور کسی اور کی منکوحہ بیوی کی یاد میں آہیں بھرتے دنیا سے رخصت ہو جائیں، تو وہ بھی ان کی صداقت کا نشان۔ پیشگی قیمت وصول کر لینے کے باوجود خریداروں کو کتاب نہ دے سکیں تو وہ بھی نشان صداقت اور ۵۰ میں سے ۴۶ جلدوں کا مسودہ اپنے کفن میں لپیٹ کر قبر میں جا سوئیں تو وہ بھی نشان صداقت۔

اس لایعنی علم الکلام کا ایک نمونہ الفضل قادیان کے ذریعے منظر عام پر آیا تو امرتسریؒ

نے اپنے اخبار میں گرفت کرتے ہوئے لکھا

''ناظرین (اخبار اہل حدیث) جانتے ہوں گے کہ مرزا صاحب قادیانی کی مایہ ناز تصنیف براہین احمدیہ ہے جس کی بابت مرزا صاحب نے اعلان کیا تھا کہ تین سو زبردست دلائل اس کتاب میں ایسی لکھی جائیں گی جن سے صداقت قرآن اور صداقت نبوت محمدیہ ﷺ واضح طور پر ثابت ہوگی۔ اس کے سوا بھی بہت کچھ اس کتاب کی تعریف میں لفاظی کی تھی۔ مگر خدا کی شان تین سو دلائل میں سے صرف پہلی دلیل کے متعلق چند آیات لکھ کر چوتھی جلد ختم کر دی اور پھر اپنی مسیحت میں ایسے مشغول ہوئے جیسے بقول اہل ہنود کرشن جی گوپیوں میں مشغول رہتے تھے۔ اس پر ان مخالفوں نے عموماً اور جن لوگوں نے براہین کی مطلوبہ قیمت پیشگی دی ہوئی تھی خصوصاً اعتراضات کی بھرمار کی کہ براہین احمدیہ کیوں پوری نہیں کی جاتی؟ اس پر بھی مرزا صاحب کو اس طرف توجہ نہ ہوئی یا باعتقاد ہمارے بحکم قرآن مجید ﴿کره الله انبعاثهم فثبطهم﴾ مرزا صاحب کو توفیق تکمیل نہ ملی۔ اس مضمون کو ہم نے بالتفصیل رسالہ علم کلام مرزا میں لکھا ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں ایک مضمون جدید الفضل قادیان میں نکلا ہے جو بہت ہی لطیف اور خوش کن ہے۔ حق تو یہ ہے کہ ہمیں اس کے پڑھنے سے بہت لطف حاصل ہوا۔ کیونکہ ہمیں یقین ہوا کہ ہمارا قلم، واقعی لوہے کا قلم ہے اور ہمارا پنجہ، واقعی پنجہ شیر ہے جس سے شکار کا نکل جانا محال ہے۔ ہم اس لطف میں اپنے ناظرین کو شریک کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے الفضل کا مضمون سارا نقل کرتے ہیں پس حضرات ناظرین تھوڑی سی توجہ سے پڑھیں اور لطف پائیں۔ وہ یہ ہے

'حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کا شروع میں یہی ارادہ تھا کہ حقانیت اسلام کے متعلق ایک ایسی کتاب لکھی جائے جس میں تین سو دلائل فضیلت اسلام کے بیان ہوں۔ اور اسی غرض سے آپ نے براہین احمدیہ کی تصنیف شروع فرمائی۔ مگر دوران تحریر میں جب خدا تعالیٰ نے آپ کو اصلاح خلق کے لیے مقرر کیا اور آپ کی توجہ کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا تو اس ارادہ کی تکمیل ظاہری صورت میں نہ ہوسکی۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود (مرزا) نے لکھا کہ اب ہماری طرف سے کوئی ایسی شرط نہیں کہ کتاب تین سو جزو تک ضرور پہنچے۔ بلکہ جس طور سے خدا تعالیٰ مناسب سمجھے گا کم یا زیادہ بغیر لحاظ پہلی شرائط کے اس کو انجام

دے گا (تبلیغ رسالت ج ا ص ۹۲) ہمارا (مرزائیوں کا) دعویٰ ہے کہ فضیلت اسلام ثابت کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود (مرزا) نے جس پاکیزہ ارادوں کے ماتحت براہین احمدیہ لکھنا شروع فرمائی تھی انہیں خدا تعالیٰ نے پورا فرما دیا۔ اور وہ اس طرح کہ آپ کے قلم سے اسی (۸۰) کے قریب ایسی بے نظیر کتب لکھوائیں جن میں وہ تمام دلائل بالتفصیل موجود ہیں جن سے اسلام دیگر ادیان پر غالب ثابت ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس مقصد کے پیش نظر حضرت مسیح موعود (مرزا) کی کتب کا مطالعہ کرے تو اسے اسلام کی سچائی کا ثبوت ان میں سورج سے بھی درخشاں نظر آئے گا۔ علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود (مرزا) براہین احمدیہ کے بعد جس شان میں دنیا کے سامنے جلوہ گرہ ہوئے یعنی نبوت ورسالت اور مسیحیت ومہدویت کا خلعت پہن کر، وہ بذات خود اتنا بڑا ثبوت ہے کہ اگر تین سو سے زیادہ دلائل بھی براہین احمدیہ میں رقم کیے گئے جاتے تو ان سے اسلام کو اتنا فائدہ ہرگز نہ پہنچ سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ خواہ کس قدر اسلام کی حقانیت کے علمی دلائل پیش فرماتے، قرآن مجید سے بڑھ کر نہ ہو سکتے، مگر مسلمان جب قرآن مجید کے ہوتے ہوئے اسلام کو ادیان باطلہ پر غالب ثابت نہ کر سکتے تھے تو ان تین سو دلائل سے کیونکر فائدہ اٹھاتے۔ کیونکہ اسلام غالب ثابت ہوتا بھی، تو محض علمی رنگ میں۔ مگر خدا تعالیٰ نے آپ کو ماموریت کی شان عطا فرما کر اسلام کی حقانیت کا ایک زندہ ثبوت دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ پس قطع نظر ان عظیم الشان تحریرات کے جو بعد میں خدا تعالیٰ نے آپ (مرزا) کے ہاتھ سے شائع کرائیں اور قطع نظر ان سینکڑوں اشتہارات اور تقریروں کے جو آپ نے صداقت اسلام پر کیں۔ براہین احمدیہ کی تکمیل سے جس قدر حقانیت اسلام ظاہر ہو سکتی تھی اس سے بہت زیادہ آپ کے وجود کے ذریعہ اسلام کی حقانیت ظاہر ہوئی۔ اور یہی خدا تعالیٰ چاہتا تھا کہ دنیا پر اپنے زندہ اور تازہ آسمانی نشانات سے حقانیت اسلام ظاہر کرے۔ غرض حقانیت اسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا جو منشا تھا وہ پورا ہوا۔ اور اسلام کے متعلق مسیح موعود کے ہاتھوں لیظهره علی الدین کله کا نشان ظاہر ہو گیا۔

یہ حقانیت اسلام کو اس قدر نمایاں کر دینے والا نشان ہے کہ اس کے ماتحت ہر وہ معجزہ جو حضرت مسیح موعود کے ذریعہ ظاہر ہوا اسلام کی صداقت کا ثبوت ہے۔ اور اگر اس رنگ میں غور کیا جائے تو صداقت اسلام کے ہزاروں دلائل حضرت مسیح موعود نے دنیا

کے سامنے پیش فرمائے۔ براہین احمدیہ کی عدم تکمیل کے متعلق یہ بتانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ گو مخالفین سلسلہ کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ براہین نامکمل رہ گئی اور آپ نے اپنے وعدوں کا پاس نہ کیا۔ لیکن دراصل اس میں حضرت مسیح موعود کی صداقت کا نشان مخفی ہے اور وہ اس طرح کہ ۱۸۶۴ء یا ۱۸۶۵ میں حضرت مسیح موعود نے ایک رویا دیکھا، جس کا براہین احمدیہ میں آپ نے بایں الفاظ ذکر کیا ہے۔

اس احقر نے ۱۸۶۴ء یا ۱۸۶۵ء میں یعنی اس زمانہ کے قریب جب یہ ضعیف اپنی عمر کے پہلے حصہ میں ہنوز تحصیل علم میں مشغول تھا جناب خاتم الانبیا ﷺ کو خواب میں دیکھا اور اس وقت اس عاجز کے ہاتھ میں ایک دینی کتاب تھی جو خود اس عاجز کی تالیف معلوم ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کتاب کو دیکھ کر عربی زبان میں پوچھا کہ تو نے اس کتاب کا کیا نام رکھا ہے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ اس کا نام میں نے قطبی رکھا ہے۔ جس کی تعبیر اس اشتہاری کتاب کے تالیف ہونے پر یہ کھلی کہ وہ ایسی کتاب ہے کہ جو قطب ستارہ کی طرح غیر متزلزل اور مستحکم ہے۔ جس کے کامل استحکام کو پیش کر کے دس ہزار روپے کا اشتہار دیا گیا ہے۔ غرض آنحضرت ﷺ نے وہ کتاب مجھ سے لے لی اور جب وہ کتاب حضرت مقدس نبوی کے ہاتھ میں آئی تو آنجناب ﷺ کا ہاتھ مبارک لگتے ہی ایک نہایت خوش رنگ اور خوبصورت میوہ بن گئی کہ جو امرود سے مشابہ تھا مگر بقدر تربوز تھا۔ آنحضرت ﷺ نے جب اس میوہ کو تقسیم کرنے کیلئے قاش قاش کرنا چاہا تو اس قدر اس میں سے شہد نکلا کہ آنجناب ﷺ کا ہاتھ مرفق مبارک تک بھر گیا۔ تب ایک مردہ، جو دروازے سے باہر پڑا تھا آنحضرتؐ کے معجزے سے زندہ ہو کر اس عاجز کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور یہ عاجز آنحضرت ﷺ کے سامنے کھڑا تھا جیسے ایک مستغیث، حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ بڑے جاہ و جلال اور حاکمانہ شان سے ایک زبردست پہلوان کی طرح کرسی پر جلوس فرما رہے تھے۔ پھر خلاصہ کلام یہ کہ ایک قاش آنحضرت ﷺ نے مجھ کو اس غرض سے دی کہ میں اس شخص کو دوں جو نئے سرے سے زندہ ہوا اور باقی تمام قاشیں میرے دامن میں ڈال دیں۔ اور وہ ایک قاش میں نے اس نئے زندہ کو دے دی اور اس نے وہیں کھالی۔ پھر جب وہ نیا زندہ اپنی قاش کھا چکا تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی کرسی مبارک اپنے پہلے مکان سے بہت ہی اونچی

ہوگئی اور جیسے آفتاب کی کرنیں پھوٹتی ہیں ایسا ہی آنحضرت ﷺ کی پیشانی مبارک متواتر چمکنے لگی کہ جو دین اسلام کی تازگی اور ترقی کی طرف اشارت تھی۔ تب اسی نور کا مشاہدہ کرتے کرتے آنکھ کھل گئی۔ والحمد لله علی ذالک

(الفضل کا مضمون نگار اپنی بات جاری رکھتے ہوئے لکھتا ہے کہ) یہ خواب درج کرنے کے بعد حضرت مسیح موعود تحریر فرماتے ہیں۔ یہ وہ خواب ہے کہ تقریباً دوسو آدمیوں کو انہی دنوں میں سنائی گئی تھی جن میں سے پچاس یا کم وبیش ہندو بھی ہیں کہ جو اکثر ان میں سے ابھی تک صحیح سلامت ہیں اور وہ تمام لوگ خوب جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں براہین احمدیہ کا ابھی نام ونشان نہ تھا اور نہ یہ مرکوز خاطر تھا کہ کوئی دینی کتاب بنا کر اس کے استحکام اور سچائی کو ظاہر کرنے کے لیے دس ہزار روپیہ کا اشتہار دیا جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اب وہ باتیں جن پر خواب دلالت کرتی ہے کسی قدر پوری ہوگئیں۔ اور جس قطبیت کے اسم سے اس وقت کی خواب میں کتاب کو موسوم کیا گیا تھا اسی قطبیت کو اب مخالفوں کے مقابلے میں بوعدہ انعام کثیر پیش کر کے حجت اسلام ان پر پوری کی گئی ہے۔ اور جس قدر اجزا اس خواب کے ابھی تک ظہور میں نہیں آئے ان کے ظہور کا منتظر رہنا چاہیے کہ آسمانی باتیں کبھی ٹل نہیں سکتیں۔ (براہین احمدیہ حصہ سوم ص ۲۴۸۔۲۵۰ حاشیہ)

(مرزائی مضمون نگار اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ) اس خواب سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حقانیت اسلام پر زبردست دلائل کا مجموعہ وہ میوہ ہے جو رسول کریم ﷺ کی متابعت کے طفیل حضرت مسیح موعود کو ملا۔ اس میوہ سے شہد تو بہت نکلا مگر مسلمان کہلانے والوں کے حصہ میں صرف ایک قاش آئی۔ کیونکہ وہ شخص جو مردہ تھا اور پھر زندہ ہوا۔ اسلام کا تمثل تھا۔ اسی لیے آخر میں حضور (مرزا) نے فرمایا 'یہ دین اسلام کی تازگی اور ترقی کی طرف اشارت تھی' اس رویا کے مطابق حضرت مسیح موعود کو حقائق و معارف کا بہت سا شہد خدا تعالیٰ نے دیا مگر مسلمانوں کو صرف ایک قاش براہین احمدیہ کی شکل میں ملی۔ چنانچہ براہین احمدیہ میں ایک ہی دلیل صفحہ ۵۱۲ سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد حکمت الٰہی سے یہ کتاب بند ہوگئی اور سلسلہ صداقت اسلام ایک دوسرے نہج پر منتقل ہوگیا اور یہ جو کچھ ہوا خدا تعالیٰ کی اس بتائی ہوئی خبر کے مطابق ہوا کہ اسلام والوں کو صرف ایک قاش ملے گی اور باقی تمام قاشیں حضرت مسیح موعود کے پاس رہیں گی۔ اور

آپ جس طرح چاہیں گے اسے تقسیم کریں گے۔ یعنی حقانیت اسلام کے باقی دلائل اور رنگوں میں ظاہر ہوں گے۔ پس براہین احمدیہ کی عدم تکمیل بھی حضرت مسیح موعود کی رؤیا کی صداقت کا زبردست ثبوت ہے نہ کہ بزعم مخالفین اعتراض عائد کرنے والا۔

(الفضل ۷ استمبر ۱۹۳۵ء ص ۵)

(مولانا امرتسریؒ فرماتے ہیں کہ) مرزائیوں کی اس ساری طول طویل تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ براہین احمدیہ کی چار جلدوں کے بعد جو خدمات مرزا صاحب نے اپنی مسیحیت کی معرفت صداقت اسلام کے متعلق کیں وہی براہین احمدیہ ہیں۔ اس لیے براہین احمدیہ ناقص نہیں رہی بلکہ مکمل ہوگئی (جل جلالہ) ہم بہت دفعہ کہہ چکے ہیں کہ ہم مرزا صاحب کے اس بارے میں شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہم کو اپنی امت کی کج روی کے جواب دینے سے سبکدوش کیا ہوا ہے۔ یعنی جونہی یہ لوگ غلط بات کہیں ہم فوراً مرزا صاحب کے قول سے اس کی تردید کر سکتے ہیں۔ چنانچہ آج بھی اسی اصول سے کام لیتے ہیں۔

براہین احمدیہ کی چوتھی جلد کے آخیر میں ان تین سو دلائل حقہ میں سے ایک دلیل کو بیان کرنا شروع کیا ہے جس کے متعلق چند آیات لکھی ہیں۔ پھر ۲۳ برس کی بندش کے بعد آپ نے پانچویں جلد شروع کی تو اس کے دیباچہ میں حسب ذیل نوٹ لکھا

' اما بعد واضح ہو کہ یہ براہین احمدیہ کا پانچواں حصہ ہے کہ جو اس دیباچہ کے بعد لکھا جائے گا۔ خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے ایسا اتفاق ہوا کہ چار حصے اس کتاب کے چھپ کر پھر تخمیناً ۲۳ برس تک اس کتاب کا چھپنا ملتوی رہا۔ اور عجیب تر یہ کہ ۸۰ کے قریب اس مدت میں میں نے کتابیں تالیف کیں جن میں سے بعض بڑے بڑے حجم کی تھیں۔ لیکن اس کتاب کی تکمیل کے لیے توجہ پیدا نہ ہوئی اور کئی مرتبہ دل میں یہ درد پیدا بھی ہوا کہ براہین احمدیہ کے ملتوی رہنے پر ایک زمانہ دراز گزر گیا مگر باوجود کوشش بلیغ اور باوجود اس کے کہ خریداروں کی طرف سے بھی کتاب کے مطالبہ کے لیے سخت الحاح ہوا اور اس مدت مدید اور اس قدر زمانہ التوا میں مخالفوں کی طرف سے بھی وہ اعتراض مجھ پر ہوئے کہ جو بدظنی اور بدزبانی کے گند سے حد سے زیادہ آلودہ تھے۔ اور بوجہ امتداد مدت درحقیقت وہ دلوں میں پیدا ہو سکتے تھے مگر پھر بھی قضا وقدر کے مصالح نے مجھے یہ توفیق نہ دی کہ میں اس کتاب کو پورا کر سکتا۔ (دیباچہ براہین احمدیہ حصہ ۵ ص ۱)

(مولانا امرتسری کہتے ہیں) اس کلام بانظام سے صاف واضح ہوتا ہے کہ ۲۳ سالہ مدت کی ۸۰ کتابوں کو مرزا صاحب براہین کی تکمیل نہیں جانتے تھے تبھی تو اس کی تکمیل کے لیے پانچواں حصہ لکھنا شروع کیا۔ اس قول مرزا سے الفضل کی صاف تردید ہوتی ہے جو ۸۰ کتابوں کی تصنیف کے ذریعہ خدمات مرزا کو تکمیل براہین کہتا ہے'۔

(اہل حدیث امرتسر ۴۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء ص ۱۱۔ ۱۳)

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مرزا صاحب مولانا بٹالویؒ کو للکار کر کہتے تھے کہ جب براہین مکمل ہو گی تو تمہارے لیے شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہوگا۔ اور مرزا صاحب اپنی زندگی کے آخری دور میں خود اقرار واعتراف کر رہے ہیں کہ براہین مکمل نہیں ہو سکی تو کیا یہ مرزا صاحب کی ذلت نہ ہوئی؟

۱۳ ماہ والی پیشگوئی میں مرزا صاحب نے کہا تھا کہ میں نے دعا کی تو اس کے جواب میں الہام ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ذلیل اور رسوا کرے گا اور وہ اپنے ہاتھ کاٹے گا۔ اور ہاتھ کاٹنے سے مراد یہ ہے کہ جن ہاتھوں سے ظالم نے جو حق پر نہیں ہے۔ ناجائز تحریر کا کام کیا وہ ہاتھ اس کی حسرت کا موجب ہوں گے اور افسوس کرے گا کہ کیوں یہ ہاتھ ایسے کام پر چلے۔ اور چند عربی الہام ہوئے۔ (جیسا کہ) يعض الظالم علی یدیه۔ جزاء سيئة بمثلها (تذکرہ ص ۳۲۴۔ ۳۲۵) اور اس کی تشریح مرزا صاحب یوں کرتے تھے کہ مولانا بٹالویؒ نے ان کے خلاف نہ لکھنے کا وعدہ حکام سے کر لیا ہے۔ اور مولانا کا یہ اقرار کہ وہ مرزا صاحب کے خلاف نہیں لکھیں گے ان کے الہام کی سچائی ہے کہ ناحق اور خلاف لکھنے والے ہاتھ کٹ جائیں گے۔ وغیرہ

آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ تیرہ ماہ والی پیش گوئی (جس کی میعاد ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء مقرر تھی) کے بعد کیا مولانا بٹالویؒ نے مرزا صاحب کے رد میں لکھنا بند کر دیا تھا؟ ہمیں دور جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ خود مرزا صاحب کا اپنا لٹریچر شہادت دے رہا ہے کہ مولانا بٹالویؒ اس پیش گوئی کے بعد بھی رد قادیانیت میں تحریری کام کرتے رہے ہیں۔ ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ۱۹۰۵ء کے گرد و پیش کی تصنیف ہے اور اس میں مرزا صاحب رقم طراز ہیں

'اب ہم چند شبہات مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی کو جو انہوں نے پرچہ پیسہ اخبار ۱۹ جون ۱۹۰۵ء میں چھپوائے ہیں اس جگہ رفع دفع کرتے ہیں۔ (مولوی صاحب

کہتے ہیں) کہ وہ (مرزا) لکھتا ہے کہ میں نے براہین احمدیہ میں اس زلزلہ کی خبر دی تھی اور لکھا تھا کہ پہاڑ پھٹ جائیں گے۔ یہ ایسا جھوٹ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ (پھر مرزا صاحب اپنے طور پر اس کا جواب دیتے ہیں) کہ کیا آپ کو اس بات میں کچھ شک ہے کہ براہین احمدیہ صفحہ ۵۱۶ میں یہ عبارت موجود ہے:

فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا والله موهن کید الکافرین ولنجعله آیة للناس ورحمة منا وکان امراً مقضیاً

یعنی جب اس عاجز کا رب ایک پہاڑ مخصوص پر تجلی کرے گا تو اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ اور خدا منکروں کے مکر کو سست کر دے گا۔ اور ہم پہاڑوں کے اس واقعہ کو لوگوں کے لیے ایک نشان بنائیں گے۔ اور مومنوں کے لیے یہ رحمت کا موجب ہوگا۔ اور یہ امر ابتداء سے فیصلہ شدہ تھا۔ یعنی پہلے نبیوں نے خبر دی تھی کہ مسیح موعود کے وقت زلزلے آئیں گے...... جب یہ عبارتیں براہین احمدیہ میں موجود ہیں...... پھر اس (زلزلہ) بارے میں جو کچھ اشتہار میں لکھا گیا سفید جھوٹ کیونکر ہو گیا۔ کیا پہاڑ کے پھٹ جانے کو زلزلہ پر دلالت التزامی نہیں؟۔ (براہین حصہ پنجم ص ۲۶۵)

یہاں مرزا صاحب مولانا بٹالویؒ کی ایک تحریر کا جواب دے رہے ہیں جو بقول ان کے ۱۹ جون ۱۹۰۵ء کے ایک اخبار میں شائع ہوئی تھی اور ایک ایسے معاملے کے بارے میں تھی جو ۱۹۰۵ء ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ تحریر اس بات کا ثبوت ہے کہ مولانا بٹالوی نے ۱۳ ماہ والی پیش گوئی کے بعد مرزا صاحب کے رد میں لکھنا بند نہیں کیا تھا اور جب انہوں نے تردید قادیانیت کا کام بند ہی نہیں کیا تھا تو مرزا صاحب کی الہامی پیش گوئی سچی کیسے ہوگئی؟

مزید یہ کہ انجمن اہل حدیث وزیر آباد کی طرف سے فتویٰ شریعت غرا نمبر ایک شائع ہوا۔ جو مرزا صاحب کے کفر و اسلام کے بارے میں تھا اس پر تمام مکاتیب فکر کے علماء کے دستخط تھے۔ اس فتویٰ کے ساتھ ایک اور فتویٰ بھی ہے کہ ایک مسجد کے اہل سنت امام نے مرزائیوں کی تکفیر کے فتویٰ سے واقف ہو کر دیدہ دانستہ ایک مرزائی کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اب ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ علماء نے فتویٰ دیا کہ ایسے شخص کو اعلانیہ توبہ کرنی چاہیے ورنہ اہل سنت کو اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے کیونکہ ایسے منافق کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ یہ فتویٰ مفتی عبداللہ ٹونکیؒ نے دیا ہے اور اس پر مولانا غلام قادر بھیرویؒ لاہور اور

مولانا محمد حسین بٹالویؒ کے تائیدی دستخط ہیں۔ اور شریعت غزا فتویٰ دوم کے نام سے ایک فتویٰ بھی موجود ہے جس میں مولانا بٹالویؒ نے لکھا کہ جو شخص مرزا کے عقائد معلوم کر کے اس کو کافر و خارج از اسلام نہ جانے وہ بھی اسی کا پیرو ہے۔ اس فتویٰ پر محمد عبدالحق دہلویؒ محمد کفایت اللہ شاہجہانپوریؒ مفتی عزیز الرحمٰنؒ دیوبند' مولانا محمودؒ اول مدرس دیوبند' مولانا عبدالحق ملتانیؒ' مولانا حفیظ اللہؒ ندوۃ العلماء' محمد شبلیؒ جیراجپوری' محمد عبدالرحمٰن بہاریؒ اور مولانا عبدالجبار غزنویؒ وغیرہ کے دستخط تھے۔ یہ فتوے جو ۱۹۰۶ء میں شائع ہوتے تھے اس بات کا ثبوت ہیں کہ مولانا بٹالویؒ مرزا صاحب کی ۱۳ ماہ والی پیش گوئی کے بعد بھی تحریک ختم نبوت میں اسی طرح سرگرم تھے جس طرح اس سے پہلے تھے۔ نہ انہوں نے اپنا موقف تبدیل کیا تھا اور نہ ہی ان کا قلم رد قادیانیت سے باز آیا تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مرزا صاحب کی الہامی پیشگوئی غلط نکلی جو مولانا کے مقابلے میں مرزا صاحب کی ذلت کا نشان ہے۔

قادیانی زلزلے

اوپر ایک تحریر میں مرزا صاحب نے چند زلزلوں کا ذکر کیا ہے جنہیں مرزا صاحب اور ان کی امت اپنی صداقت کے نشانات کے طور پر پیش کیا کرتے ہیں اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں اس موضوع پر بھی کچھ بات ہو جائے۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ اوپر والی تحریر میں مذکور زلزلوں کی خبر انہوں نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں بطور پیش گوئی دی ہوئی ہے اور ان زلزلوں کا آنا ان کی پیش گوئی کی صداقت اور ان کے مسیح موعود ہونے کا ثبوت ہے۔ مولانا بٹالویؒ کو مرزا صاحب کی اس بات سے انکار تھا، وہ کہتے تھے کہ براہین موجود ہے، لیکن اس میں زلزلوں کی پیش گوئی کہاں ہے؟ (روحانی خزائن ج۲۱ ص۲۲۶) اور مولانا یہ بھی کہتے تھے کہ '(زلزلوں سے متعلق) کرشن قادیانی نے جھوٹ بولا ہے۔ (روحانی خزائن ج۲۱ ص۲۶۸)

اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ مولوی محمد حسین مجھ پر الزام لگاتا ہے کہ مرزا غلام احمد 'براہین احمدیہ کی پیش گوئی کو سچا بنانے اور اس پر زلزلہ کا رنگ چڑھانے اور اس ذریعہ سے اپنی غیب دانی اور نبوت کا سکہ جمانے کی غرض سے اس بات کا مدعی ہو گیا ہے کہ براہین احمدیہ کی پیش گوئی سے مجھے بہت صفائی سے خدا کی طرف سے یہ خبر مل چکی ہے کہ اس سے زلزلہ مراد ہے تاہم میں نے قوم کی بدگوئی اور بدظنی کے خوف سے اس کو چھپایا اور عربی کا ترجمہ اردو میں کر کے شائع نہ کیا۔ اور میں اس فعل سے خدا کے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا اور ۲۵ برس تک اسی گناہ پر قائم رہا...... مولوی صاحب آج آپ نے تحریف کرنے میں یہودیوں کے بھی کان کاٹے۔ مولوی کہلانا اور اس قدر صریح عبارت کے معنی بیان کرنے میں عمداً خیانت کرنا، کیا یہ ان لوگوں کا کام ہوسکتا ہے جو یوم الحساب پر ایمان لاتے ہیں۔ (روحانی خزائن جلد۲۱ ص۲۷۲)

اور مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ

محمد حسین کی عقل پر یہ کیسے پتھر پڑ گئے ہیں کہ کھلی کھلی بات ان کو سمجھ میں نہیں آتی اور ستر

برس کی عمر تک پہنچ جانے کے باوجود ان سے طفولیت کی سادہ لوحی ظاہر ہونے لگی ہے اور اس کی 'اس دلیری اور شوخی اور منہ زوری کے مقابل پر ہم بجز اس کے کیا لکھ سکتے ہیں کہ

لعنۃ اللہ علی الکاذبین

اور مولانا بٹالوی کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ

۔ 'اے مفتری نابکار! کیا اب بھی ہم یہ نہ کہیں کہ جھوٹے پر خدا کی لعنت۔ اے سخت دل ظالم تجھے مولوی کہلا کر شرم نہ آئی کہ تو نے ناحق اس قدر میرے پر جھوٹ بولا۔ کیا تو دکھلا سکتا ہے کہ میرے اشتہار ۱۱ مئی ۱۹۰۵ء میں یا کسی اور اشتہار میں یا رسالہ میں یہ عبارت موجود ہے جو تو نے لکھی ہے لعنت اللہ علی الکاذبین

اور فرماتے ہیں

'میں نے اپنے اشتہار انذار من وحی السماء میں جو ۲۱ اپریل ۱۹۰۵ء کو شائع ہوا تھا درحقیقت یہ عبارت اشتہار کے صفحہ ۷ مطبوعہ نور لکشور پریس لاہور میں لکھی ہے۔ چنانچہ پوری عبارت یہ ہے ' یاد رہے کہ ان دونوں زلزلوں کا ذکر میری کتاب براہین احمدیہ میں بھی موجود ہے جو آج سے ۲۵ برس پہلے اکثر ممالک میں شائع کی گئی تھی۔ اگرچہ اس وقت اس خارق عادت بات کی طرف ذہن منتقل نہ ہو سکا لیکن اب ان پیش گوئیوں (فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا) پر نظر ڈالنے سے بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ آئندہ آنے والے زلزلوں کی نسبت پیش گوئیاں تھیں جو اس وقت نظر سے مخفی رہ گئیں' اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ میں نے اس اشتہار میں صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ میرا اس وقت سے پہلے جب کہ زلزلہ ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء ظہور میں آ گیا اس بات کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوا تھا جیسا ظاہر الفاظ ، پہاڑ کے پھٹ جانے ، سے سمجھا جاتا ہے درحقیقت براہین احمدیہ کے ان الہامات سے زلزلہ ہی مراد ہے'

(روحانی خزائن جلد ۲۱ ص ۴۶۷۔۲۷۶)

اور فرماتے ہیں کہ

'اے مولوی (محمد حسین) صاحب! خدا آپ کو ہدایت دے اور وہ دن لاوے کہ آپ کی آنکھیں کھلیں۔ آپ اس شخص کی طرح جس کی گردن کے پیچھے بہت بڑا پھوڑا ہو اور اس وجہ سے وہ ہمیشہ زمین کی طرف جھکا رہے آسمان کی طرف نظر نہ اٹھا سکے' آسمانی انوار

سے محروم ہیں۔ اور ان سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اب تک دس ہزار سے بھی زیادہ خدا تعالیٰ میری تائید میں نشان ظاہر کر چکا ہے۔ (اور نشانات گنواتے ہوئے مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ) میں نے لکھا تھا کہ مسیح موعود کے وقت اونٹنیاں بے کار ہو جائیں گی اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس زمانہ میں مدینہ سے مکہ کی طرف ریل کی سواری ہو جائے گی۔ مگر آپ کے نزدیک یہ حدیث بھی غلط۔ پس جب کہ پیغمبر ﷺ کی حدیثیں آپ کے نزدیک غلط ہیں تو میری پیش گوئیوں کو غلط کہنے کے وقت آپ کیوں شرم کرنے لگے۔ ' (روحانی خزائن جلد ۲۱ ص ۲۸۱)

اور آخر میں مرزا صاحب لکھتے ہیں

'میں مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب کو محض حسبۃ للہ نصیحت کرتا ہوں کہ آپ آخر عمر تک پہنچ گئے ہیں۔ اب خدا تعالیٰ کے مقابل پر بے ہودہ چالاکیوں کو چھوڑ دیں...... میں آپ کو نیک صلاح دیتا ہوں کہ درندگی کا طریق چھوڑ کر اب بھی آپ میری نسبت تحقیق کر لیں۔ (روحانی خزائن ج ۲۱ ص ۲۹۶)

اور جب اس موضوع پر ہونے والی تحقیق کو مولانا محمد عبداللہ معمارؒ نے صفحہ قرطاس پر منتقل کیا تو مرزا صاحب کے ڈھول کے اور بھی بہت سے پول کھل گئے۔ مولانا معمارؒ لکھتے ہیں

'یکم جون ۱۹۰۴ء کو مرزا صاحب نے حسب عادت کئی ایک گول مول فقرات بنام الہام سنائے۔ ان میں ایک یہ بھی تھا عفت الديار محلها ومقامها۔ یہ الہام اخبار الحکم ۳۱۔ مئی ۱۹۰۴ء کے صفحہ ۹ کالم ۴ پر درج ہے۔ اس کے آگے خطوط وحدانی کے اندر مرقوم ہے متعلقہ طاعون۔ اس کے سوا اور کوئی لفظ اس کی تشریح میں نہیں۔ نہ تو اس کا ترجمہ ہی کیا ہے اور نہ ہی یہ بتایا کہ یہ کسی آئندہ پڑنے والی طاعون کی بیماری کے بارے میں ہے یا کسی گذشتہ طاعون کی حکایت ہے۔ جس نے قادیان میں زور دار صفائی پھیری تھی۔ بہر حال ایک ربڑ کا گیند ہے جسے ٹھوکر مار کر ہر طرف لڑھکایا جا سکتا ہے۔

عفت الديار محلها ومقامها دراصل لبید بن ربیعہ العامری کے اس قصیدہ کا اول مصرع ہے جو سبعہ معلقہ کا چوتھا قصیدہ ہے۔ اس کا ترجمہ بالفاظ مرزا یہ ہے

'میرے پیاروں کے گھر منہدم ہو گئے۔ ان عمارتوں کا نام ونشان نہ رہا۔ جو عارضی سکونت کی عمارتیں تھیں اور نہ وہ عمارتیں رہیں جو مستقل سکونت کی عمارتیں تھیں' اسے ہمارے

پنجابی مسیح قادیانی نبی نے الہام بنا کر شائع کر دیا۔ بہر حال اس الہام میں 'طاعون کا ذکر نہیں' (ضمیمہ نصرۃ الحق ص۸۸) مگر مرزا جی نے پنجاب میں طاعون کی رفتار دیکھ کر اسے متعلقہ طاعون ظاہر کیا۔ مطلب یہ کہ اگر آئندہ زمانہ میں مثل سابق پنجاب میں کبھی دوبارہ طاعون کا زور ہوا تو کہہ دیں گے کہ دیکھو ہم نے پہلے سے ہی اس کی خبر دے رکھی تھی۔ اب کوئی سخت بے حیا ہی ہوگا جو اس صریح واضح اور عظیم الشان فوق العادت پیش گوئی سے منکر ہو۔ اور اگر طاعون نہ پھیلا تو چونکہ اس مصرع میں زمانہ ماضی کا ذکر ہے، کہہ دوں گا کہ ان آنکھوں کے اندھوں بدذات علماء کو نظر نہیں آتا کہ الہام میں صاف ماضی کا ذکر ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء میں جب پنجاب میں طاعون کا تھوڑا سا زور ہوا تو آپ نے جھٹ کہہ دیا کہ 'دوستو! خدا تعالیٰ آپ کے حال پر رحم کرے۔ آپ صاحبوں کو معلوم ہوگا کہ میں نے آج سے قریباً نو ماہ پہلے الحکم اور البدر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اطلاع پا کر یہ وحی الٰہی شائع کرائی تھی کہ عفت الدیار محلها ومقامها۔ یعنی ملک عذاب الٰہی سے مٹ جانے کو ہے، نہ مستقل سکونت کی جگہ رہے گی اور نہ عارضی سکونت کی۔ یعنی طاعون کی وبا ہر جگہ عام طور پر پڑے گی۔ دیکھو اخبار الحکم ۳۰ مئی ۱۹۰۴ء نمبر ۱۸ جلد ۸ کالم ۳ اور اخبار البدر نمبر ۲۰۔۲۱ مورخہ ۲۴ مئی یکم جون ۱۹۰۴ء۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ وقت بہت قریب آ گیا ہے۔ میں نے اس وقت جو آدھی رات کے بعد چار بج چکے ہیں بطور کشف دیکھا ہے کہ دردناک موتوں سے عجیب طرح پر شور قیامت برپا ہے۔ میرے منہ پر یہ الہام الٰہی تھا کہ موتا موتی لگ رہی ہے۔ خدا نے مجھے خبر دی ہے طاعون کے اس سخت حملہ کی جو عنقریب ہونے والا ہے۔ یہ اس لیے کہ لوگ متنبہ ہو جائیں'۔

(اشتہار الوصیت مندرجہ تبلیغ رسالت ج ۱۰ ص ۷۲ تا ۷۵)

اس تحریر میں خود مرزا جی نے اس فقرہ عفت الدیار سے مراد بوحی الٰہی طاعون لکھی ہے۔ اس کی مزید تشریح دوسرے مقام پر یوں کی گئی ہے کہ 'کسوف اور خسوف کے ساتھ ہی قرآن شریف میں این المفر آیا ہے۔ جس سے یہی مراد ہے کہ طاعون اس کثرت سے ہوگی کہ کوئی جگہ پناہ نہ رہے گی۔ میرے الہام عفت الدیار محلها ومقامها کے یہی معنی ہیں' ناظرین اس لفظ 'یہی' کو یاد رکھیں (اخبار الحکم ۲۴ نومبر ۱۹۰۴ء ص۲)۔

(مولانا معمار فرماتے ہیں کہ) حضرات دیکھئے کس زور شور سے اس الہام سے لفظ 'یہی'

کے ساتھ طاعون پر تمسک کیا ہے۔ مگر آپ یہ سن کر انگشت بدنداں رہ جائیں گے کہ مرزا جی نے اسی الہام سے (جس کا مطلب یہاں طاعون بتایا ہے وہ بھی لفظ ،یہی ،کے ساتھ جو حصر کے لیے آتا ہے) دوسرے وقت میں اسی لفظ 'یہی' سے زلزلہ عظیمہ کے بعد اس کا مطلب زلزلہ بتایا ہے۔ ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں اور مرزا صاحب کی مسیحیت کی داد دیں۔ آپ راقم ہیں

'دیکھو وہ نشان کیسا پورا ہوا۔ اور جیسا کہ میں نے ابھی لکھا ہے کہ پیش گوئی مذکورہ الحکم اور البدر میں اس زلزلہ سے قریباً پانچ ماہ پہلے شائع کر دی گئی تھی۔ اور پیش گوئی یہ ہے عفت الدیار محلها ومقامها اے عزیزو اس کے 'یہی' معنی ہیں کہ محلوں اور مقاموں کا نام و نشان نہ رہے گا۔ طاعون تو صرف صاحب خانہ کو لیتی ہے مگر جس حادثہ کی اس وحی الٰہی میں خبر دی گئی اس کے تو یہ معنی ہیں کہ نہ خانہ رہے گا نہ صاحب خانہ۔ سو خدا تعالیٰ کا فرمان پورا ہو گیا۔ آپ صاحبوں کو معلوم ہے کہ اس کی نسبت اشتہار الوصیت میں خبر دی گئی تھی۔ (اشتہار الانذار مورخہ ۸۔اپریل ۱۹۰۵ء مندرجہ تبلیغ رسالت ج۱۰ص۸۰)

(مولانا معمارؒ لکھتے ہیں کہ) مثل مشہور دزدے کہ بکف چراغ دارد اس جگہ ٹھیک چسپاں ہو رہی ہے۔ آپ اشتہار الوصیت کی عبارت ایک دفعہ پھر پڑھ لیں وہاں صاف الفاظ میں اس فقرہ کا مطلب طاعون لکھا ہے۔ باانصاف و باایمان اصحاب ملاحظہ فرمائیں کہ پہلے تو بڑے زور شور سے اس الہام کو 'یہی' سے زلزلہ کے متعلق محصور کر لیا۔ اور جب لوگوں نے اس دورنگی پر اعتراض کیا تو اس کے جواب میں مرزا جی نے لکھا کہ ایڈیٹر الحکم نے (جو اس الہام کو ۳۱ مئی ۱۹۰۴ء کے پرچے میں خطوط وحدانی کے اندر متعلقہ طاعون لکھا ہے) ایسا لکھنے میں غلطی کی۔ اور ایسی غلطی خود انبیاء سے پیشگوئیوں کے سمجھنے میں بعض دفعہ ہوتی رہتی ہے۔ (ضمیمہ نصرۃ الحق ص۱۹)

قارئین ملاحظہ ہو کہ مرزا صاحب نے آپ ہی اپنے اشتہار الوصیت میں اس کو متعلقہ طاعون لکھا۔ پھر اخبار الحکم ۲۴ مئی ۱۹۰۴ء میں لفظ یہی کے ساتھ طاعون ہی سے حصر کیا۔ مگر یہاں معترض کے جواب میں 'ایڈیٹر الحکم والی تحریر' کو پیش کر کے اس غلطی کو اس بے چارے ناکردہ گناہ کے سرتھوپ دیا۔ اول تو یہی جھوٹ ہے کہ اخبار الحکم ۳۱ مئی ۱۹۰۴ء کے الفاظ ایڈیٹر الحکم کے ذاتی تھے۔ یقیناً وہ موافق تشریح

مرزا صاحب تھے۔ دوم بفرض محال تسلیم بھی کیا جائے تو خود مرزا نے جو اپنی خود نوشت تحریروں میں اسے طاعون سے محصور کیا ہے اس کا کیا جواب؟

(مولانا معمارؒ مزید لکھتے ہیں کہ) مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں اپنے الہاموں کی نمبر شماری کرتے ہوئے صفحہ ۵۵۷ حاشیہ در حاشیہ نمبر۴ پر ایک الہام یہ لکھا ہے۔ الفتنة ھھنا فاصبر کما صبر اولو العزم اس جگہ ایک فتنہ ہے سو اولوالعزم انبیاء کی طرح صبر کر۔ فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا جب خدا مشکلات کے پہاڑ پر تجلی کرے گا تو انہیں پاش پاش کر دے گا۔ قوة الرحمان بعبید الله الصمد یہ خدا کی قدرت ہے جو اپنے بندے کے لیے وہ ظاہر کرے گا' مرزا جی کے اس خود ساختہ بے تعین و تخصیص بے سرو پا فقرہ سے ظاہر ہے کہ براہین احمدیہ کے وقت جن مشکلات میں مرزا جی گھرے ہوئے تھے ان سے رہائی ہو گی۔ چنانچہ الفاظ 'اس جگہ فتنہ ہے' سے موجود فتن کا اظہار ہو رہا ہے۔ ان سطور میں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ آئندہ کسی دور دراز زمان میں جب مرزا جی زیر تیغ ہوں گے تو محفوظ رہیں گے۔

سترہ سال بعد ۱۸۹۷ء میں جب مرزا جی کا ایک اشد مخالف پنڈت لیکھرام کسی کے ہاتھ سے قتل کیا گیا تو آریوں نے اس قتل میں مرزا جی کا ہاتھ کام کرتا ہوا بتایا۔ چنانچہ اس پر بڑا شور اٹھا۔ 'بعض آریوں نے مرزا جی کو قتل کی دھمکیاں بھی دیں' اور مرزا جی کی خانہ تلاشی بھی ہوئی۔ چونکہ کوئی ثبوت اس قسم کا مہیا نہ ہو سکا جس سے مرزا جی مجرم ثابت ہوتے اس لیے معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اس واقعہ سے مرزا جی نے اپنی خدا نمائی ثابت کرنے کے لیے سابقہ گول مول الہاموں پر ایک گہری نظر ڈالی۔ آخر آپ کو چند ایک فقرات جو ہر طرف لگائے جاسکیں، مل ہی گئے۔ من جملہ ان کے ایک یہ الہام پیش کیا گیا جس کا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے۔ آپ نے اس الہام سے بایں طرز استدلال کیا کہ اس فتنہ کی خبر مجھے سترہ سال پہلے خدا نے دے رکھی تھی جو حرف بحرف پورا صحیح ثابت ہوا۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں 'پھر آگے دوسرے الہامات ہیں جو اس کے بعد ہیں۔ جن میں صریح اشارہ فرمایا گیا ہے کہ یہ وقت کب اور کس وقت ہوگا۔ اور اس قسم کے ارادے اور قتل کے منصوبے کس زمانے میں ہوں گے۔ اور اس سے پہلے کیا علامتیں ظاہر ہوں گی۔ اور وہ الہام یہ ہے جو براہین کے صفحہ ۵۵۷ میں ہے۔ میں اپنی چمکار دکھلاؤں گا۔ اپنی

قدرت نمائی سے تجھ کو اٹھاؤں گا۔ دنیا میں ایک نذیر آیا' پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ الفتنة ھھنا فاصبر کما صبر اولوالعزم فلما تجلی ربه للجبل جعله دکاً۔ ان الہامات میں صاف فرما دیا۔ وہ قتل کے منصوبے اس وقت ہوں گے جبکہ ایک چمکدار نشان ظاہر ہو گا۔ اسی وجہ سے ان منصوبوں کا نام اخیر کے الہام میں فتنہ رکھا۔ اور فرمایا کہ اس جگہ فتنہ ہو گا۔ پس اولوالعزم نبیوں کی طرح صبر چاہیے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ آخر وہ فتنہ نابود ہو جائے گا۔ یہ تین فتنے ہیں۔ جن کا براہین میں ذکر ہوا۔ اور یہ تینوں ظہور میں بھی آ گئے'۔

(استفتاء۔ صفحہ ۲۳۔۲۴)

(مولانا معمارؒ کہتے ہیں کہ) مرزا صاحب کی اس 'قطعی اور یقینی' غیب دانی کا پول اور ان کے پرلے درجہ کا غیر صادق ہونے کا یہی ثبوت کافی ہے کہ اس تحریر کے آٹھ سال بعد خود مرزا جی نے اسی الہام کو زلزلہ عظیم کے متعلق بتایا ہے۔ اور اس الہام کے متعلق سابقہ تشریحات کو 'عالم اخفاء' کی تاریک قبر میں دفن کرتے ہوئے وہی پرانا عذر کیا ہے کہ سابقہ زمانہ میں اس بات کی طرف میرا ذہن منتقل نہ ہو سکا۔ جس کا نتیجہ صاف ہے کہ مرزا جی کا کوئی بھی بیان صاف گو، راست باز انسانوں سا نہیں ہے۔

'یاد رہے کہ ان دونوں زلزلوں کا ذکر میری کتاب براہین احمدیہ میں بھی موجود ہے جو آج سے پچیس برس پہلے اکثر ممالک میں شائع کی گئی تھی۔ اگرچہ اس وقت اس خارق عادت بات کی طرف ذہن منتقل نہ ہو سکا۔ پیش گوئی براہین احمدیہ میں زلزلے کے بارے میں یہ ہے۔ میں اپنی چمک دکھلاؤں گا۔ اپنی قدرت نمائی سے تجھ کو اٹھاؤں گا۔ دنیا میں ایک نذیر آیا' پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اسے قبول کرے گا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کرے گا۔ الفتنة ھھنا فاصبر کما صبر اولوالعزم فلما تجلی ربه للجبل جعله دکاً قوة الرحمان لعبید الله الصمد۔ عربی کا ترجمہ یہ کہ خدا فرماتا ہے کہ ان دنوں میں تیرے پر ایک فتنہ برپا کیا جائے گا۔ پس خدا تجھے بری کرنے کے لیے ایک نشانی دکھائے گا اور وہ یہ کہ پہاڑ پر اس کی تجلی ہو گی۔ اور پہاڑ کو پارہ پارہ کر دے گا۔ یہ خدا کی قوت سے ہو گا تا وہ اپنے بندہ کے لیے نشان دکھاوے۔

(براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۷' ریویو آف ریلیجنز صفحہ ۲۴۳ ج ۴ نمبر ۶ جون ۱۹۰۵ء)

مولانا معمارؒ قادیانیوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں مرزائیو! ایمان و دیانت کو ملحوظ رکھ کر سوچو کہ تمہارے نزدیک مسیح موعود صادق نبی بننے والے انسان کو اسی قدر دیانت وامانت' راست گوئی وراست روی یا بالفاظ دیگر اسی قدر لفاظی ولسانی' مغالطہ ومبالغہ' دورخی سہ رخی کی ضرورت ہے یا اس سے بھی زیادہ کی؟ (مغالطات مرزا۔ مصنفہ عبداللہ معمار)

جب ۴ اپریل ۱۹۰۵ء کو پنجاب میں زلزلہ آیا تو مرزا صاحب نے اس کو اپنے حق میں بتایا تھا۔ اس پر مولانا امرتسریؒ نے اخبار اہل حدیث میں ایک نوٹ لکھا جو درج ذیل ہے

'خدا کی شان جب بھی ملک میں کوئی آفت بندوں کی شامت اعمال سے آتی ہے ہمارے کرشن جی مہاراج اس کو اپنی ہی بدولت قرار دیتے ہیں۔ گویا وہ اسی طاق میں رہتے ہیں کہ کہیں نہ کہیں سے کوئی بری آواز آئے تو احمقوں کی آنکھوں میں مٹی ڈالنے کا موقع ان کو ملے۔ اسی لیے ہم نے اہل حدیث مورخہ ۷۔ اپریل ۱۹۰۵ء میں اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ دیکھیں قادیانی کرشن جی اپنے الہامی تھیلے (براہین احمدیہ) سے زلزلہ کی بابت کون سا الہام بنائیں گے؟ چنانچہ ۴ اپریل کے بھونچال کی بابت بھی آپ نے ایک اشتہار الدعوۃ دیا ہے جس میں لکھتے ہیں کہ یہ زلزلہ میرے مکذبوں کی سزا ہے اور میں نے براہین احمدیہ میں یہ پیش گوئی لکھی ہوئی ہے اور اشتہار الوصیت میں جو اخبار الحکم ۲۴ فروری ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا ہے میں نے لکھ دیا تھا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ 'موتا موتی لگ رہی ہے اور مجھے دکھایا گیا ہے کو ملک عذاب الٰہی سے مٹ جانے کو ہے۔ نہ مستقل سکونت امن کی جگہ رہے گی نہ عارضی سکونت۔ مقاموں اور عارضی سکونت گاہوں پر آفت آئے گی' (مولانا کہتے ہیں) مگر افسوس ہے کہ ابھی تک دنیا میں دانا اور محقق موجود ہیں۔ سارا اشتہار الوصیت ہمارے پاس موجود ہے۔ اس میں عبارت مذکور کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہوا ہے' یعنی طاعون کی وبا ہر جگہ عام طور پر پڑے گی اور سخت پڑے گی' یہ فقرہ صاف بتا رہا ہے کہ آپ کا اشتہار الوصیت طاعون کی خبر دیتا ہے نہ کہ بھونچال کی۔ لیکن جب آپ (مرزا) نے دیکھا کہ بھونچال سخت آیا ہے تو اس کو بھی نعمت غیر مترقبہ جان کر فوراً اشتہار دے دیا کہ میں نے پہلے ہی براہین احمدیہ میں کہہ دیا تھا۔ کوئی پوچھے کیا کہا تھا؟ کہاں کہا تھا؟ کوئی نشان نہیں۔ کیا کوئی کرشن پنتھی ہم کو الہامی تھیلہ (براہین احمدیہ) سے وہ الفاظ بتلا سکتا ہے جو اس زلزلہ کے متعلق کرشن جی نے کہے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ مارچ

کے مہینے میں مجھے خدا نے بذریعہ وحی کے بتلا دیا تھا کہ ’مکذبوں کو ایک نشان دکھایا جاوے گا‘ اور خدا نے مکذبوں کو ایک نشان دکھایا ہے‘ کون پوچھے کہ (بقول الحکم قادیان مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۰۵ء ص۹) کرشن جی (مرزا) کے خطرناک دشمن امرتسر میں خاندان غزنویہ۔ مولوی احمد اللہ صاحب اور یہ خاکسار ہیں۔ بٹالہ میں جناب مولوی محمد حسین صاحب ہیں۔ لیکن یہ کس قدر آپ کے حق میں افسوس کا مقام ہے کہ سب کے سب خطرناک دشمن بالکل بخیر و عافیت ہیں لیکن بجائے اس کے گورنمنٹ کے اعلیٰ افسر یورپین اور فوج بہا گسو میں زلزلہ کی بھینٹ چڑھی۔ تو بتلاؤ یہ نشان کن مکذبوں کو دکھایا گیا؟ ہاں یاد آیا، گورنمنٹ انگریزی وہی تو ہے جس کو آپ (اپنے) رسالہ ’راز حقیقت‘ میں اولوالامر قرار دے کر اپنے مریدوں کو حکم دیتے ہیں کہ انگریزی حکومت کو اولوالامر سمجھ کر اطاعت کریں۔ پس بتلاؤ ایسی مکذب گورنمنٹ کو اولوالامر قرار دینا منافقانہ خوش آمد تو نہیں؟ کیا ہی لطیفہ ہے کہ مکذبوں کو نشان دکھانے کو بھونچال آوے مگر خود بدولت (مرزا) پر بھی اس کا یہ اثر ہوا کہ آپ اپنا پختہ مکان چھوڑ کر جنگل میں ڈیرہ ڈالے بیٹھے ہیں۔ کیوں نہ ہو، آخر خوف ہوگا کہ نشان دکھاتے دکھاتے خود بھی نہ دیکھ لیں‘۔

(اہل حدیث امرتسر ۱۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء)

۱۹۰۵ء کے زلزلے کے انتیس (۲۹) سال بعد بہار میں سخت زلزلہ آیا۔ اس وقت اگرچہ مرزا صاحب زندہ نہیں تھے لیکن مرزائیوں نے اس سخت زلزلے کو بھی مرزا صاحب کی صداقت کے ثبوت میں پیش کرنا شروع کر دیا کہ انہوں نے پہلے ہی ایک نمونہ قیامت زلزلہ عظیمہ کی پیش گوئی کی ہوئی ہے۔ مولانا امرتسریؒ اس بات کا نوٹس لیتے ہوئے ’زلزلہ بہار کا اثر قادیان میں‘ کے عنوان سے لکھتے ہیں

اہل حدیث مورخہ ۹ فروری ۱۹۳۴ء میں ایک مضمون چھپا تھا جس کا عنوان تھا ’زلزلہ بہار سے قادیانی قلعہ گر پڑا‘ اس میں ہم نے مرزا صاحب کی تحریرات سے حوالہ دیا تھا کہ مرزا صاحب نے لکھا ہوا ہے کہ زلزلہ عظیمہ میری زندگی میں آئے گا۔ نیز موسم بہار میں آئے۔ نیز صبح کے وقت آئے گا۔ یہ تین شرطیں ہم نے مرزائی کتب کے حوالہ سے ثابت کر دی تھیں اور نتیجہ نکالا تھا کہ زلزلہ عظیمہ بہار چونکہ نہ موسم بہار میں آیا نہ صبح کے وقت آیا نہ مرزا صاحب کی زندگی میں آیا لہٰذا مرزا صاحب کی پیش گوئی غلط اور نبوت باطل۔

قادیان سے اس کا جو جواب نکلا اس کا خلاصہ یہ ہے

۱۔ مرزا صاحب نے زلزلہ کی بابت دعا کی تھی۔ خداوند نے اس کو پیچھے ہٹا دیا۔

۲۔ ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کو موسم بہار تھا۔

۳۔ صبح کے وقت کا جواب نہیں دیا۔

اور قادیانی مجیب کے اپنے الفاظ یہ ہیں '(مرزا صاحب کی) زندگی میں زلزلہ نہ آنے کا تو اللہ تعالیٰ حقیقت الوحی میں ص ۱۰۰ پر بذریعہ الہام فیصلہ فرما چکا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے رب اخر وقت هذا۔ اخره الله الی وقت مسمی یعنی اے خدائے بزرگ زلزلہ کے ظہور میں کسی قدر تاخیر ڈال دے۔ خدا نمونہ قیامت کے زلزلہ کے ظہور میں ایک وقت مقرر تک تاخیر ڈال دے گا' اور اس کے نیچے حاشیہ میں بھی حضرت (مرزا) صاحب نے لکھ دیا ہے' میں نے دعا کی کہ اس زلزلہ نمونہ قیامت میں کچھ تاخیر ڈال دی جائے۔ اس دعا کا اللہ تعالیٰ نے اس وحی میں خود ذکر فرمایا ہے اور جواب بھی دیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے رب اخر وقت هذا اخره الله الی وقت مسمی یعنی خدا نے دعا قبول کر کے اس زلزلہ کو کسی اور وقت پر ڈال دیا' باقی رہا یہ امر کہ موسم بہار میں زلزلہ آنے کی پیشگوئی ہے اور یہ موسم بہار کا نہیں۔ کاش اگر ثناء اللہ اس اعتراض کو لکھنے سے قبل کسی باغ میں چلا جاتا اور دیکھتا کہ ابتدائے بہار ہے یا نہیں؟ تب شاید اس کو اس کی مسخ شدہ ضمیر بھی اس اعتراض کو اٹھانے سے روک کر مزید ذلت وخواری سے بچا لیتی۔ ورنہ اگر اسی براہین احمدیہ حصہ ۵ صفحہ ۹۲ و ۹۳ پر جہاں سے اس نے حوالہ نقل کیا ہے کہ 'وہ زلزلہ میری زندگی میں آئے گا' انہی کو تمام وکمال پڑھ لیتا تو اس کو ابتدائے بہار اور وقت زلزلہ بھی معلوم ہو جاتا۔ بہرحال 'جائے استاد خالی است' کے مطابق خدا کو یہ بھی منظور تھا کہ ایک طرف ثناء اللہ کا دعویٰ انا خیر ٹوٹے۔ اور دوسری طرف اس کو تکذیب کی ذلت وخواری نصیب ہو۔ لو میں وقت اور ابتدائے بہار میں ص ۹۳ براہین احمدیہ پنجم سے پڑھ کر سناتا ہوں۔ کان کھول کر سنو۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں' خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس وقت آؤں گا کہ جب دل سخت ہو جائیں گے۔ اور زلزلہ کے آنے کے خیال سے لوگ اطمینان حاصل کر لیں گے۔ اور خدا فرماتا ہے کہ میں مخفی طور پر آؤں گا۔ اور میں ایسے وقت آؤں گا کہ کسی کو بھی اطلاع نہیں ہو گی۔ یعنی لوگ اپنے دنیا کے کاروبار میں سرگرمی

اور اطمینان سے مشغول ہوں گے۔ اور اس سے پہلے لوگ تسلی کر بیٹھے ہوں گے کہ زلزلہ نہیں آئے گا اور اپنے تئیں بے خطر اور امن میں سمجھ لیا ہو گا۔ تب یک دفعہ یہ آفت ان کے سروں پر آئے گی۔ مگر خدا فرماتا ہے کہ وہ بہار کے دن ہوں گے۔ آفتاب بہار کی صبح میں نمودار ہو گا۔ اور خزاں کی شام میں غروب کرے گا۔ تب کئی گھروں میں ماتم پڑے گی۔ (فاروق ص۱۱ کالم ۲ و ۳ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۳۴ء) (مولانا ثناء اللہ فرماتے ہیں) ۱۵ جنوری کو موسم بہار کہنا ان لوگوں کا کام ہے جو ہندوستان میں نہ رہتے ہوں۔ ورنہ ہندوستان میں رہنے والے جانتے ہیں کہ ماہ جنوری سخت سردی کا زمانہ ہے۔ اس لیے شملہ وغیرہ پہاڑی مقامات پر جنوری میں موسم سرما کی تعطیلات ہوتی ہیں۔ ہندی حساب سے ماگھ کا مہینہ سردیوں کا مہینہ ہے اور ماہ پھاگن سے موسم بدلتا ہے۔ اس لیے ۱۵ جنوری کو موسم بہار کہنا انہی لوگوں کا کام ہے جو دمشق سے قادیان مراد لینے میں بھی نہیں جھجکتے اور کوئی عقل مند تو اس کو قبول نہیں کرے گا۔ ہم نے (قادیانی) مجیب کا حوالہ خوب پڑھا ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ مجیب نے محض حمایت مرزا میں ہم کو الزام دیا ہے ورنہ حوالہ مذکور کو مجیب بغور پڑھتا تو شرمندہ ہو کر خود ہی خاموش ہو رہتا۔ مگر شرم و حیا جس جوہر کی فرع ہے وہ کمیاب ہے۔ مقام مذکور کی عبارت ہمارے سامنے ہے۔ ہم وہ ساری عبارت نقل کر کے قادیان کے ارکان اور دیگر اعیان اسلام سے انصاف چاہتے ہیں۔ پس غور سے سنیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

'اب میری عمر ستر برس کے قریب ہے اور تیس برس کی مدت گزر گئی کہ خدا تعالیٰ نے مجھے صریح لفظوں میں اطلاع دی تھی کہ تیری عمر اسی (۸۰) برس کی ہو گی اور یا یہ کہ پانچ چھ سال زیادہ یا پانچ چھ سال کم۔ پس اس صورت میں اگر خدا تعالیٰ نے اس آفت شدیدہ کے ظہور میں بہت ہی تاخیر ڈال دی تو زیادہ سے زیادہ سولہ سالہ ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔ کیونکہ ضرور ہے کہ یہ حادثہ میری زندگی میں ظہور میں آجائے'۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ ج۵ ص۹۷)

ناظرین کرام! اس عبارت میں مرزا صاحب نے آج کل کے (مرزائی) مجیبوں کو جواب دیا ہے کہ باوجود تاخیر کے بھی زلزلہ میری زندگی ہی میں آئے گا۔ اب بتائیے کہ مرزا صاحب تو ہر حال میں زلزلہ کا وقوع اپنی زندگی میں قرار دیں ان کے مریدین ان کی وفات کے ۲۵ سال بعد تک اس کو ممتد کریں تو کیا یہ مثال صادق نہ آئے گی۔

من چہ مے سرائم وتنبورہ من چہ سرائد

(اہل حدیث امرتسر ۲ مارچ ۱۹۳۴ء ص ۴۔۵)

اس تحریر کے دو ہفتے بعد مولانا امرتسری نے پھر اس موضوع پر قلم اٹھایا اور 'زلزلہ در قادیان' کے عنوان سے لکھا

' غلغلہ غضب خدا شد بلند زلزلہ در گور غلام احمد فگند

۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کا دن کیسا منحوس تھا کہ ادھر صوبہ بہار کو اس نے جسمانی صورت میں تباہ کیا ادھر معنوی طور پر قادیان کو برباد کیا، جس کی شان میں یہ شعر پڑھا جاتا تھا

چہ گوئم با تو گر آئی چہا در قادیان بینی
دوا بینی شفا بینی غرض دار الامان بینی

عرصہ ہوا اس شعر کا جواب دیا گیا تھا

چہ گوئم باتو گر آئی چہادر قادیان بینی
وبا بینی خزاں بینی غرض دارالزیاں بینی

مگر اب تو اس شعر کی بجائے یوں ہونا چاہیے

چہ گوئم با تو گر آئی چہادر قادیان بینی بلا بینی خزاں بینی زلازل رانشاں بینی

اس دعویٰ کے متعلق ہم نے سابق میں دو مضمون لکھے ہیں۔ ایک ۹ فروری ۱۹۳۴ء کو اور دوسرا ۲ مارچ ۱۹۳۴ء کو۔ اس اثناء میں قادیانی اخباروں میں دھوم تھی کہ میاں بشیر احمد (پسر مرزا صاحب قادیانی) زلزلہ پر بسیط مضمون لکھ رہے ہیں۔ ہم نے سمجھا کہ خوب لکھیں گے اور ہماری طرف سے جو مضامین اس بارے میں نکل چکے ہیں ان کا جواب بھی کافی دیں گے۔ اس خیال سے ہم اس کے دیکھنے کو چشم براہ تھے۔ آخر وہ مضمون اخبار الفضل مورخہ ۴ مارچ ۱۹۳۴ء میں آیا اور ٹریکٹ کی صورت میں بھی پہنچ گیا۔ مضمون دیکھنے سے اتنا تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والا نہ صرف اصلی معنی میں باپ کا بیٹا ہے بلکہ اتباع میں پورا متبع ہے۔ یعنی جس طرح مرزا صاحب متوفی کی تصنیفات میں الفاظ کی بھرمار اور عبارت کی طوالت، استاد غالب کے اس شعر کی تصدیق کرتی تھی

ملے تو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی
عجیب چیز ہے یہ طول مدعا کے لیے

(یہی حال مرزا بشیر احمد کا ہے) ہمارے دونوں گزشتہ مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ زلزلہ آنے کی پیشگوئی مرزا صاحب نے کی تھی، مگر اس کا وقوع اپنی زندگی سے مخصوص کیا تھا۔ یہاں تک کہا تھا کہ میری زندگی میں نہ آئے، تو میں خدا کی طرف سے نہیں۔ ہم منتظر تھے کہ صاحبزادہ صاحب اس اعتراض کو اٹھائیں گے، لیکن دیکھنے سے یقین ہو گیا کہ شیر کے پنجے سے چھوٹنا ممکن ہے مگر 'اہل حدیث' کی گرفت سے نکلنا کارے دارد۔ صاحبزادہ نے کمال کیا کہ طوالت دینے کے لیے اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ کی بحث چلائی ،اس لیے یہ بھی ان کا فرض تھا کہ اس زمانہ کا اہل حدیث سامنے رکھ کر آگے چلتے۔ (مولانا یہاں اپنی ۱۹۰۵ء والی پرانی تحریر نقل کر کے لکھتے ہیں کہ) خیر یہ بات تو رفت گذشت ہوئی۔ اب جو صوبہ بہار میں زلزلہ عظیمہ آیا تو قادیانی پریس کے وارے نیارے ہو گئے۔ لاہوری اور قادیانی بالاتفاق اس کو اپنے حق میں نعمت غیر مترقبہ جان کر بہت خوش ہوئے۔ لیکن اہل حدیث کی 'ہوں' کے بعد لاہوری تو کھسک گئے مگر قادیانی جو اصل گدی کے مالک ہیں، کیسے کھسک سکتے ہیں۔ اس لیے وہ مقابلہ پر آئے۔ سب سے پہلے میاں محمود کی ڈیوڑھی کا...... آگے آیا۔ جس کو اہلحدیث مورخہ ۲ مارچ (۱۹۳۴ء) میں دھتکار دی گئی۔ اس کے بعد صاحبزادہ بشیر احمد آگے بڑھے۔ پس اب ہمارا خطاب انہی صاحبزادہ سے ہے۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ میاں بشیر احمد نے بہت تطویل سے کام لیا ہے۔ مگر ہم ان کی عبارت طویلہ سے اصل روح نکال کر ناظرین کے سامنے رکھتے ہیں، آپ لکھتے ہیں

'الغرض حضرت مسیح موعود کی پیش گوئی کے بعد آپ کی زندگی میں دنیا کے مختلف حصوں میں بڑے سخت زلزلے آئے اور بعض آپ کی وفات کے بعد آئے (جیسا کہ اٹلی جاپان چین وغیرہ کے تباہ کن زلزلے) اور بعض آئندہ آئیں گے اور یہ خدا ہی کو علم ہے کہ وہ کب کب اور کہاں کہاں آئیں گے اور ان کے نتیجہ میں کیا کیا تباہی مقدر ہے؟ مگر وہ تباہ کن زلزلہ جو حال ہی میں ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کو ہندوستان کے شمال مشرق میں آیا ہے جس نے صوبہ بہار اور ریاست نیپال اور بنگال کے بعض حصوں میں ایک قیامت برپا کر رکھی ہے وہ ایک ایسا زلزلہ ہے کہ اس میں ۱۹۰۵ء کے شمال مغربی ہندوستان والے زلزلہ کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حضرت مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہ کے الہامات وکشوف

میں تصریح اور تعیین پائی جاتی ہے اور یوں نظر آتا ہے کہ گویا خدائی ہاتھ معین طور پر اشارہ کر رہا ہے کہ یہ زلزلہ ان خاص زلزلوں میں سے ایک ایسا زلزلہ ہے جس کے متعلق تعین اور صراحت کے ساتھ خبر دی گئی تھی۔

حضرت مسیح موعود کے الہامات اور کشوف سے پتہ لگتا ہے کہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء والے زلزلے کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مندرجہ ذیل علامات مقرر تھیں۔یعنی منجملہ بعض اور علامات کے ذیل کی پانچ علامات اس کے لیے بطور خاص مقرر کی گئی تھیں۔

اول : اس زلزلہ میں خطرناک تباہی آئے گی' اور اس کے ساتھ پانی کا سیلاب بھی ہوگا۔

دوم : یہ زلزلہ نادر شاہ بادشاہ افغانستان کے قتل کے بعد اس کے قریب کے زمانہ میں ہوگا۔

سوم : یہ زلزلہ موسم بہار میں آئے گا۔

چہارم: یہ زلزلہ ہندوستان کے شمال مشرقی علاقہ میں آئے گا۔

پنجم : یہ زلزلہ مرزا بشیر احمد کی زندگی میں آئے گا اور وہی ابتداً اس پیشگوئی کی طرف توجہ دلانے والا ہوگا۔

یہ وہ پانچ علامات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آج سے قریبا ۲۸ سال پہلے اس زلزلہ کے متعلق حضرت مسیح موعود پر ظاہر فرمائیں۔اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ باتیں کس طرح من وعن پوری ہوئیں۔ (الفضل ۴ مارچ ۱۹۳۴ء۔ٹریکٹ ص ۱۷)

(مولانا لکھتے ہیں کہ) مرزا بشیر کی تقریر کا خلاصہ اور روح صرف اتنی ہی ہے کہ اپریل ۱۹۰۵ء کے بعد جس شدید زلزلہ کے آنے کی خبر مرزا صاحب متوفی نے دی تھی وہ وہی ہے جو ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کو صوبہ بہار میں آیا۔ہم اس پر مزید روشنی ڈالتے ہیں۔تاکہ مسافت جلدی طے ہو۔آپ کے بڑے بھائی خلیفہ قادیان (مرزا محمود) بھی یہی کہتے ہیں ان کے الفاظ یہ ہیں' ۴ اپریل ۱۹۰۵ کے زلزلہ عظیمہ کے بعد جو ضلع کانگڑہ میں شروع ہوا تھا حضرت مسیح موعود کو اور زلزلہ کے متعلق الہام ہوا جو اپنی شدت میں پہلے زلزلہ سے بڑھ کر ہونا تھا۔تو اس وقت کے احمدیوں کی تحریرات سے پتہ چلتا ہے کہ عام خیال یہ پیدا ہوگیا تھا کہ وہ دوسرا آنے والا زلزلہ بھی اسی علاقہ میں آئے گا۔مگر اس کے بعد حضرت مسیح موعود نے ایک رؤیا دیکھی جس میں انہوں نے میاں بشیر احمد صاحب کو دیکھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ زلزلہ اب شمال مشرق کی طرف چلا گیا ہے۔سابقہ زلزلہ ہندوستان کے

شمال مغرب یعنی پنجاب کے علاقہ میں تھا۔ اوراس رؤیا کے مطابق اب یہ موجودہ زلزلہ جو ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کو واقعہ ہوا علاقہ منگھیر دربھنگہ اور نیپال وغیرہ میں واقعہ ہوا ہے جو ہندوستان کا شمال مشرقی حصہ ہے۔' (الفضل ۔۴۔ فروری ۱۹۳۴ء۔ ص۲)

(مولانا فرماتے ہیں کہ) اہل حدیث اب دونوں بھائیوں (مرزا محمود اور مرزا بشیر) کے بیان کی تصدیق کرتا ہے کہ واقعی ۱۹۰۵ء کے بعد نمونہ قیامت زلزلہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کو آیا۔ بس اب مطلع صاف ہے کہ ۱۹۰۵ء کے بعد جو نمونہ قیامت زلزلہ آنے والہ تھا اس کے متعلق مرزا صاحب کے اپنے الفاظ کیا ہیں، وہ غور سے سنئے اور دل کی لوح پر نوٹ کر لیجئے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں

'ایسا ہی آئندہ زلزلہ کی نسبت جو پیش گوئی کی گئی ہے وہ کوئی معمولی پیش گوئی نہیں۔ اگر وہ آخر کو معمولی بات نکلی یا میری زندگی میں اس کا ظہور نہ ہوا تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ مجھے خدا تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ وہ آفت جس کا نام اس نے زلزلہ رکھا ہے نمونہ قیامت ہوگا اور پہلے سے بڑھ کر اس کا ظہور ہوگا' (ضمیمہ براہین حصہ پنجم ص۹۲۔۹۳)

(مولانا لکھتے ہیں کہ) ناظرین اللہ غور فرمائیں کہ منطقی صورت میں ہمارے قیاس کے وہ جزء ہیں۔

۱۔ ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء والہ زلزلہ بالاتفاق نمونہ قیامت ہے۔

۲۔ نمونہ قیامت زلزلہ کو مرزا صاحب نے اپنی زندگی سے وابستہ کیا تھا۔

اور نتیجہ صاف ہے کہ چونکہ نمونہ قیامت، موعودہ زلزلہ مرزا صاحب کی زندگی میں نہیں آیا اس لئے ہم مرزا صاحب کے ارشاد کے ماتحت مجبور ہیں کہ مرزا صاحب کے حق میں یہ اعتقاد رکھیں کہ مرزا صاحب خدا کی طرف سے نہ تھے۔ خدا کی طرف سے نہ تھے۔ تو پھر کیا تھے؟

چند باتیں میاں بشیر کی باقی رہ گئیں۔

۱۔ زلزلہ سے خطرناک تباہی آئے گی اور پانی کا سیلاب بھی ہوگا (اس کا جواب یہ ہے کہ) تباہی آئے گی اور سیلاب بھی ضرور ہوگا، مگر مرزا صاحب کی زندگی میں۔

۲۔ یہ زلزلہ نادر شاہ، بادشاہ افغانستان کے قتل کے بعد، اس کے قریب کے زمانہ میں آئے گا۔ (اس کا جواب یہ ہے کہ) کنگ نادر شاہ کے قتل کے بعد اس کا ثبوت

مرزا صاحب کے کلام میں نہیں، محض آپ کا شاعرانہ تخیل اور نکتہ بعد الوقوع ہے۔

۳۔ زلزلہ موسم بہار میں آئے گا (جواب) ہم مانتے ہیں۔ لیکن ۱۵ جنوری کو موسم بہار نہیں ہوتا، بلکہ بعد ختم جنوری ہوتا ہے۔

۴۔ شمالی علاقہ میں آئے گا۔ (مرزا بشیر احمد کا یہ جواب) ہمارے مخالف نہیں بلکہ مرزا غلام احمد کے مخالف ہے جو کہتے ہیں . بار بار وحی الٰہی نے مجھے اطلاع دی ہے کہ وہ پیش گوئی (زلزلہ والی) میری زندگی میں اور میرے ہی ملک میں اور میرے ہی فائدہ کے لئے ظہور میں آئے گی' (ضمیمہ براہین احمد یہ ج ۵ ص ۹۷) کون نہیں جانتا کہ مرزا صاحب کا ملک پنجاب ہے، صوبہ بہار نہیں۔

۵۔ میاں بشیر کی زندگی میں آئے گا (کا جواب یہ ہے) ان کی زندگی میں آئے۔ ہمیں کیا؟ مگر ان کے ساتھ ان کے والد ماجد کا ہونا بھی ضروری ہے جو ان کی عبارت میں منصوص ہے۔

(مولانا امرتسریؒ فرماتے ہیں) ناظرین کرام یہ تو ہے خاندان نبوت قادیان کے بیانات کی تفصیل اور اس پر بحث۔ اب ذرا نمک خوروں کی بھی سن لیجئے کہ وہ اپنے مالک کی بات بنانے کی کیا کوشش کر رہے ہیں۔ الفضل کا ایڈیٹر لکھتا ہے

'مولوی ثناء اللہ صاحب کو اس سے تو انکار نہیں کہ حضرت مسیح موعود نے ایک قیامت خیز زلزلہ آنے کی خبر دی تھی۔ اور وہ زلزلہ آ بھی گیا۔ اور اس کے متعلق جو خبر دی گئی وہ پوری ہوگئی۔ لیکن ان (ثناء اللہ) کے نزدیک اس زمانہ میں نہیں آیا جو اس کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ اگر مولوی صاحب کے دل میں کچھ بھی خوف خدا ہوتا تو وہ اتنی عظیم الشان خبر کے پورا ہونے پر اس سے انکار کی بنا اپنے قیاس پر نہ رکھتے۔ جو زمانہ کی تعیین کے متعلق انہوں نے کیا۔ اور علیم وخبیر خدا کے مقابلہ میں اپنے فہم و قیاس کو ناقص قرار دے کر سمجھ لیتے کہ اس کے پورا ہونے کا وہی زمانہ تھا جبکہ خدا نے اسے پورا کیا'

(الفضل ۲۲ فروری ۱۹۳۴ء ص ۳)

(مولانا کہتے ہیں کہ) ناظرین حیران ہوں گے کہ یہ کیا جواب ہے۔ ہم تو مدعی (مرزا صاحب) کا اپنا بیان پیش کرتے ہیں کہ میری (یعنی مرزا کی) زندگی میں آئے گا۔ مگر وکیل مدعی، ہمارے سر تھوپتے ہیں کہ تم اپنے قیاس سے کہتے ہو۔ خدا نے جس وقت چاہا

وعدہ پورا کردیا۔ اے جناب! یہ کسی ایسے شخص کو سناؤ جو خدا کو ایک وعدہ خلاف معشوق کی طرح جان کر اس کی وعدہ خلافی کا یوں عذر کرے۔

وہ نہ آئیں شب وعدہ تو تعجب کیا ہے   رات کو کس نے ہے خورشید درخشاں دیکھا ہمارا

خدا تو وہ ہے جس کی شان ہے کہ لاتخلف المیعاد وہ وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا۔ خاص کر انبیا کرام سے جو وعدہ کرے اس بات کی بابت تو مؤکد ارشاد ہے لاتحسبن الله مخلف وعدہ رسلہ۔ ان الله عزیز ذوانتقام یعنی ہرگز خیال بھی مت کرو کہ خدا اپنے رسولوں سے وعدہ کر کے خلاف کریگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا غالب بدلہ لینے والہ ہے

ہم کسی وعدہ خلاف انسان کو دوست بھی نہیں بناتے کیونکہ شیخ سعدی منع فرما چکے ہیں

دوستی   رانشائد   ایں   غدار

تو ایسے وعدہ شکن کو ہم خدا کیسے مان لیں۔ ہرگز نہیں۔ خدا سچا ہے اس کے نام سے جھوٹی خبر بتانے والہ جھوٹا ہے۔

(مولانا فرماتے ہیں) اس کے بعد اڈیٹر الفضل حق نمک ادا کرتا ہوا لکھتا ہے

'مولوی (ثناء اللہ) صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ وہ قیامت خیز زلزلہ جس کی خبر حضرت مسیح موعود (مرزا) نے دی تھی۔ وہ آپ کی زندگی میں آنا چاہیے تھا۔ اور بہار کے موسم میں آنا چاہئے تھا۔ مگر حضرت مسیح موعود (مرزا) نے ایک ہی زلزلہ کے آنے کی خبر دی ہوتی اور اس کو اپنی زندگی میں آنا ضروری قرار دیا ہوتا مگر وہ آپ کی زندگی میں نہ آتا تو مولوی صاحب کہہ سکتے تھے کہ آپ کی زندگی کے بعد جو قیامت خیز زلزلہ آیا ہے اسے آپ کی پیشگوئی کے مطابق قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود (مرزا) کو متعدد زلزلوں کے آنے کی خبریں دی گئیں۔ اور آپ نے متعدد زلزلوں کے آنے کا کھول کھول کر ذکر فرمایا۔ جیسا کہ آپ کے حسب ذیل الفاظ سے ظاہر ہے

'کئی مرتبہ زلزلوں سے پہلے اخباروں میں میری طرف سے شائع ہو چکا ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے زلزلے آئیں گے'

'یاد رہے کہ خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے پس یقیناً سمجھو کہ جیسا کہ پیش گوئی کے مطابق امریکہ میں زلزلے آئے۔ ایسا ہی یورپ میں بھی آئے۔ اور نیز ایشیا کے مختلف مقامات پر آئیں گے۔ اور ان میں قیامت کا نمونہ ہونگے' اور اسی سلسلہ میں

اہل ہند کو خاص طور پر مخاطب کر کے (مرزا صاحب) تحریر فرماتے ہیں

'کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم ان زلزلوں سے امن میں رہو گے، یا تم اپنی تدبیروں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہو۔ ہر گز نہیں۔ انسانی کاموں کا اس دن خاتمہ ہو گا۔ مت خیال کرو کہ امریکہ وغیرہ میں سخت زلزلے آئے اور تمہارا ملک ان سے محفوظ ہے۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ شائد ان سے زیادہ مصیبت کا منہ دیکھو گے'

اور 'میں سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔ نوحؑ کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آ جائے گا۔ اور لوطؑ کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لو گے'

ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود (مرزا) نے خدا تعالیٰ سے خبر پا کر کئی ایک زلزلوں کے آنے کی خبر دی۔ اور ان میں سے بعض کو قیامت کا نمونہ قرار دیا۔ پھر ہندوستان میں کئی زلزلے آنے سے مطلع کیا۔ اور دوسرے ممالک کی نسبت زیادہ ہولناک اور تباہ کن زلزلے آنے کا اعلان کیا۔ جب یہ صورت ہے تو پھر ان الفاظ کو لے کر جن میں کسی زلزلہ کا آپ کی زندگی میں مذکور ہو، آپ کی وفات کے بعد آنے والے زلزلوں سے انکار کرنا اور آپکی پیش گوئی کے خلاف قرار دینا، حد درجہ کی بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے؟ مولوی ثناء اللہ صاحب نے جو الفاظ پیش کئے ہیں وہ ایسے ہی زلزلہ کے متعلق ہیں جو حضرت مسیح موعود کی زندگی میں آنے والا تھا اور وہ آپ کی زندگی میں ہی آیا۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں

'میں نے پھر ایک پیشگوئی کی تھی کہ اس زلزلہ کے بعد بہار کے دنوں میں پھر ایک اور زلزلہ آئے گا۔ اس الہام کی پیش گوئی کی ایک عبارت یہ تھی' پھر بہار آئی خدا کی بات پوری ہوئی' چنانچہ ۲۸ فروری ۱۹۰۶ء کو وہ زلزلہ آیا۔ اور کوہستانی جگہوں میں بہت سا نقصان جانوں اور مالوں کے تلف ہونے سے ہوا۔' (حقیقت الوحی، ص ۲۲۱)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں بھی ہندوستان میں زلزلہ آیا اور بہار کے موسم میں ہی آیا۔ پس جب ایسا زلزلہ مقررہ وقت اور مقررہ موسم میں آ چکا ہے تو اب اسے نظر انداز کر کے وقت اور موسم کا اعتراض بالکل فضول ہے۔ خاص کر اس صورت میں جبکہ اس زلزلہ کا ذکر کرنے کے بعد حضرت مسیح موعود تحریر فرما چکے ہیں

'یقیناً یاد رکھنا چاہیے کہ بعد اس کے سخت زلزلے آنیوالے ہیں۔ خاص کر پانچواں زلزلہ

جو قیامت کا نمونہ ہوگا' (حقیقت الوحی ،ص ۲۲۱)

ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ پہلے زلزلوں کے بعد آنے والے زلزلے ہیں۔ اور ان کے متعلق قطعاً یہ شرط نہیں ہے کہ وہ آپ (مرزا) کی زندگی میں آئیں گے۔ اب مولوی ثناء اللہ صاحب بتائیں۔ خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھ کر بتائیں۔ اپنی موت کو اور اس امر کو ذہن میں مستحضر کرکے کہ آخر ایک روز اس خدا کے سامنے جانا ہے جو دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے اور جس کے سامنے کوئی چالاکی کوئی ہوشیاری اور کوئی تلبیس نہیں چل سکتی۔ بتائیں کہ کیا ان حوالوں سے یہ امر ظاہر نہیں ہوتا کہ اپنی زندگی اور بہار کے دنوں میں جس زلزلہ کی پیش گوئی حضرت مسیح موعود نے ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم میں کی تھی وہ آپ کی زندگی میں ہی پوری ہوچکی۔ اور وہ زلزلہ جو' قیامت کا نمونہ' ہوگا۔ اس پیش گوئی کے پورا ہونے کے بعد آنے والا تھا۔ اور بعد میں آیا۔ جس کے قیامت کا نمونہ ہونے کا سب لوگ اقرار کررہے ہیں'۔ (الفضل ۲۴ فروری ۱۹۳۴ء ص ۴)

(مولانا فرماتے ہیں) ہم نے الفضل کی ساری عبارت نقل کرنے میں بخل نہیں کیا تاکہ ناظرین کو حق و باطل میں تمیز کرنے کا کافی موقع مل سکے۔ سنئے۔ ہم اللہ کو ناظر اور اپنے آپ کو میدان محشر میں حاضر جان کر جواب دیتے ہیں۔ آپ کی اس لمبی تحریر کا مدعا صرف اتنا ہے کہ جس زلزلہ کو مرزا صاحب نے اپنی زندگی سے وابستہ کیا تھا وہ ان کی زندگی میں ہو چکا۔ بہت اچھا۔ مگر تصرف قدرت دیکھئے کہ آپ یہ بھی مانتے ہیں کہ نمونہ قیامت زلزلہ یہی ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء والا ہے جو بعد مرزا صاحب کے آیا۔ اس کے لئے حیات مرزا شرط نہ تھی۔ گو ہم پہلے خلیفہ قادیان (محمود) اور میاں بشیر احمد کے بیان سے بتا آئے ہیں کہ ۱۵ جنوری والا زلزلہ وہی ہے جو ۱۹۰۵ء کے موعودہ تھا۔ اور وہی ہے جو بقول مرزا صاحب پنجاب سے پورب کی طرف چلا گیا۔ اب سنئے کہ جو زلزلے آپ نے مرزا صاحب کی زندگی میں بتا کر ان پر قناعت کی ہے اور اہل حدیث کو احمدیہ لٹریچر سے غیر ماہر بتایا ہے ذرا ان کی حقیقت بھی خود مرزا صاحب کے الفاظ میں سنئے۔ مرزا صاحب ، ہاں ہاں آپ کے مسیح موعود فرماتے ہیں۔

'وحی الٰہی سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ زلزلے آئیں گے اور پہلے چار زلزلے کسی قدر ہلکے اور خفیف ہوں گے اور دنیا ان کو معمولی دیکھے گی۔ پھر پانچواں زلزلہ قیامت کا نمونہ ہوگا

کہ لوگوں کو سودائی اور دیوانہ کردے گا یہاں تک کہ وہ تمنا کریں گے کہ وہ اس دن سے پہلے مرجاتے۔ اب یاد رہے کہ اس وحی الہٰی کے بعد اس وقت تک جو ۲۲ جولائی ۱۹۰۶ء ہے اس ملک میں تین زلزلے آچکے ہیں۔ یعنی ۲۸ فروری ۱۹۰۶ء، ۲۰ مئی ۱۹۰۶ء اور ۲۱ جولائی ۱۹۰۶ء۔ مگر غالبا خدا کے نزدیک یہ زلزلوں میں داخل نہیں ہیں کیونکہ بہت ہی خفیف ہیں۔ شائد چار زلزلے پہلے ایسے ہوں گے جیسا کہ ۴ اپریل ۱۹۰۵ء کا زلزلہ تھا اور پانچواں قیامت کا نمونہ ہوگا' (حقیقۃ الوحی، ص۹۲ کا حاشیہ)

ناظرین مرزا صاحب اور ایڈیٹر صاحب (قادیانی اخبار) دونوں کا کلام سامنے رکھ کر اس مثال کی صحت پر پہنچئے کہ اسی کو کہتے ہیں مدعی سست گواہی چست۔ مرزا صاحب خود ان سارے زلزلوں کو اتنا خفیف کہتے ہیں کہ خدا کے نزدیک وہ زلزلے ہی نہیں مگر تنخواہ دار ان کو نمونہ قیامت کا مصداق بناتے ہیں۔

ہم مرزا صاحب کی عبارت آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ اور فیصلہ آپ کے ضمیر پر چھوڑتے ہیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ 'مجھے خدا خبر دیتا ہے کہ وہ زلزلہ نمونہ قیامت ہوگا اور پہلے سے بڑھ کر اس کا ظہور ہوگا' (ضمیمہ براہین احمدیہ، ج ۵ ، ص۹۳)۔ بتایئے یہ زلزلہ مرزا صاحب کی زندگی میں آچکا تھا یا صوبہ بہار میں ۱۵ جنوری (۱۹۳۴ء) کو آیا ہے۔ اگر بحوالہ حقیقت الوحی جواب دیں کہ زندگی میں ۲۸ فروری ۱۹۰۶ء کو آچکا تو مرزا صاحب کی عبارت منقولہ حقیقت الوحی ص۹۳ اس کی تردید کرتی ہے کیونکہ اس میں اس زلزلہ کہ بہت خفیف کہا ہے۔ اور اگر کہیں کہ یہ نمونہ قیامت (مرزا کی) زندگی کے بعد ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کو آیا ہے اور اس کے لئے حیات مرزا 'شرط نہ تھی' تو خود مرزا صاحب کے خلاف ہے کیونکہ وہ اسی نمونہ قیامت زلزلہ کو اپنی زندگی سے وابستہ کرتے ہیں (ضمیمہ براہین احمدیہ ج ۵ ص۹۳) پس ثابت ہوا کہ اڈیٹر الفضل کی تقریر باپ، بیٹا اور خلیفہ کے برخلاف ہے۔

رہا یہ عذر کہ اس زلزلہ کی تاخیر کے لئے مرزا صاحب نے دعا کی تھی اور خدا نے اس کے مؤخر ہوجانے کی خبر دی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گو مؤخر ہوگیا ہو تاہم حیات مرزا میں اس کا آنا موعود ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب خود لکھتے ہیں

'میری عمر ستر برس کے قریب ہے۔ اور تیس برس کی مدت گذر گئی کہ خدا تعالیٰ نے مجھے

صریح لفظوں میں اطلاع دی تھی کہ تیری عمر اسی (۸۰) برس کی ہوگی اور یا یہ کہ پانچ چھ سال زیادہ یا پانچ چھ سال کم۔ پس اس صورت میں اگر خدا تعالیٰ نے اس آفت شدیدہ کے ظہور میں بہت ہی تاخیر ڈال دی تو زیادہ سے زیادہ سولہ سال ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔ کیونکہ ضرور ہے کہ یہ حادثہ میری زندگی میں ظہور میں آجائے' (ضمیمہ براہین احمدیہ ج ۵ ص ۹۷)۔ احمدیو! اب بھی مانو گے یا نہیں کہ اہل حدیث تمہارے لٹریچر کا تم سے زیادہ ماہر ہے۔ (اہل حدیث ۱۶ مارچ ۱۹۳۴ء ص ۳۔ ۸)

قادیانیوں نے حق تسلیم کرنے کی بجائے جب یہی تکرار جاری رکھی کہ ۱۹۳۴ء والہ زلزلہ مرزا صاحب کی پیش گوئی کے مطابق ہے تو مولانا امرتسریؒ نے اس موضوع پر پھر قلم اٹھایا اور زلزلہ بہار موعود قادیانی نہیں کے عنوان سے ایک نوٹ بایں الفاظ لکھا۔

'دنیا میں کوئی بھی آفت آئے یا کوئی بھی مصیبت انسانوں پر نازل ہو، قادیانی پریس اس کو فوراً اپنی صداقت کی دلیل بنالیتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہماری تحقیق یہ ہے کہ ہم ہر ایک واقعہ میں ان کی تکذیب پاتے ہیں۔ جیسا کہ کسی عارف خدا کا قول ہے وکل شیء له آیة تدل علی انه کاذب یعنی ہمیں ہر چیز میں دلیل ملتی ہے کہ مدعی مسیحیت جھوٹا ہے۔ زلزلہ بہار نے بوجہ ہیبت اور خوفناک تباہی کے دنیا کی نظریں اپنی طرف پھیرلیں۔ امت مرزائیہ کی نظر بھی پھیرلی۔ مگر دونوں نظروں میں فرق ہے۔ جیسے بحکم الٰہی کہیں کوئی مکان گر پڑے تو ہمدردان انسانیت بطور ہمدردی بھاگے جاتے ہیں، مگر لٹیرے سامان جمع کرنے کی خاطر دوڑے جاتے ہیں۔ زلزلہ بہار کے متعلق اخبار اہل حدیث ۲ اور ۱۶ مارچ (۱۹۳۴ء) میں مفصل مضمون لکھا گیا تھا جس میں ثابت کیا گیا تھا کہ زلزلہ بہار مرزا صاحب کی تکذیب کے لئے کافی ہے۔ مگر مرزائی اور خاموشی؟ اجتماع ضدین کی طرح ناممکن ہے۔ چنانچہ ۲۹ اپریل ۱۹۳۴ء کے الفضل قادیان میں ہمارے مضمون کا جواب نکلا ہے۔ جواب کیا ہے، گویا جواب سے جواب ہے۔

ہم نے زلزلہ بہار کے متعلق تین امور لکھے تھے۔

۱۔ حسب تصریح مرزا، زلزلہ ان کی زندگی میں آنا چاہیے تھا، جو نہیں آیا۔

۲۔ حسب تصریح مرزا صاحب، موسم بہار میں آنا چاہیے تھا جو نہیں آیا، اس کے برعکس ۱۵ جنوری کو آیا، جبکہ سخت سردی کا زمانہ ہوتا ہے۔

۳۔ حسب تصریح مرزا، زلزلہ موعودہ صبح کے وقت آنا چاہیے تھا جو نہیں آیا۔ بلکہ بعد دوپہر اڑھائی بجے آیا۔

یہ تینوں امور ایسے صاف اور صریح ہیں کہ نہ قیاس سے تعلق رکھتے ہیں نہ استنباط سے۔ بلکہ مرزا صاحب کی عبارات سے صاف صاف مفہوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ عبارات ہم محولہ بالا پرچوں میں نقل کر چکے ہیں۔ آج ہم مجیب کے مضمون کی روح اخذ کر کے جواب دیتے ہیں۔ ناظرین عموماً اور افراد امت مرزائیہ خصوصاً غور سے پڑھیں اور سنیں۔ مگر جواب پیش کرنے سے پہلے اتنا کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہمارے اعتقاد میں ایک دن ایسا آنے والا ہے جس کی شان میں وارد ہے یوم تبلی السرائر فماله من قوة ولاناصر "اس روز سب بھید کھل جائیں گے پھر نہ کسی میں مدافعت کی قوت ہوگی نہ کوئی کسی کا مددگار ہوگا" پس ہر ایک ناظر اس آئت کو سامنے رکھ کر ہمارا مضمون پڑھے۔

قادیانی مجیب کے مضمون کی روح اتنی ہے کہ مرزا صاحب نے اپنی زندگی میں زلزلہ کے آنے کی خبر دی تھی مگر بعد ازاں دعا کی تھی کہ رب اخر وقت هذا اے خدا! یہ زلزلہ کچھ پیچھے ڈال دے۔ پس بروز ۲۸ مارچ ۱۹۰۶ء آپ کو الہام ہوا اخره الله الی وقت مسمی یعنی اللہ نے اس میں تاخیر ڈال دی ہے وقت مقررہ تک۔

(الفضل ۲۹۔ اپریل ۱۹۳۴ء ص ۵۔ ۶)

قادیانی مجیب اس دعا اور جواب سے نتیجہ نکالتا ہے کہ زلزلہ بہار ہے تو وہی موعودہ زلزلہ جو مرزا صاحب کی زندگی میں آنا چاہیے تھا لیکن حسب دعا اور حسب قبولیت دعا حیات مرزا سے پیچھے ڈالا گیا۔

اب ہمارا فرض بنتا ہے کہ حسب عادت خود مرزا صاحب ہی کی تحریرات سے دکھائیں کہ زلزلہ مؤخرہ موعودہ زلزلہ نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا جواب پڑھ کر ناظرین دو باتوں کا فیصلہ بآسانی کر لیں گے۔

۱۔ اہل حدیث کلام مرزا کو امت مرزا صاحب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

۲۔ امت مرزائیہ اگر ہمارا پیش کردہ حوالہ جانتی ہے تو اس کو چھپانے سے بد دیانتی کا مظاہرہ کرتی ہے۔

پس سنیئے! مرزا صاحب نے جس زلزلہ کے مؤخر ہونے کا اعلان کیا تھا اس کے متعلق

کچھ اور بھی کہا تھا۔ یعنی اس زلزلہ کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا تھا کہ پیر منظور محمد لدھیانوی کی بیوی، محمدی بیگم کے بطن سے ایک لڑکا بشیر الدولہ پیدا ہوگا۔ یہ ضروری شرط ہے۔ جب تک یہ لڑکا پیدا نہ ہو، زلزلہ مؤخرہ نہ آئے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ (مرزا کی اس تحریر کے بعد) محمدی بیگم مذکورہ کے بطن سے ایک لڑکی کے سوا کوئی لڑکا پیدا نہ ہوا۔

ہمارے اس بیان کا ثبوت مرزا صاحب کے الفاظ میں سنیئے۔ فرماتے ہیں

’پہلے یہ وحی الٰہی ہوئی تھی کہ وہ زلزلہ جو نمونہ قیامت ہوگا بہت جلد آنے والہ ہے۔ اس کے لئے یہ نشان دیا گیا تھا کہ پیر منظور محمد کی بیوی، محمدی بیگم کو لڑکا پیدا ہوگا۔ اور وہ لڑکا اس زلزلہ کے ظہور کے لئے ایک نشان ہوگا۔ اس لئے اس کا نام بشیر الدولہ ہوگا کیونکہ وہ ہماری ترقی سلسلہ کے لئے بشارت دے گا۔ اسی طرح اس کا نام عالم کباب ہوگا کیونکہ اگر لوگ توبہ نہیں کریں گے تو بڑی بڑی آفتیں دنیا میں آئیں گی۔ ایسا ہی اس کا نام کلمۃ اللہ اور کلمۃ العزیز ہوگا کیونکہ وہ خدا کا کلمہ ہوگا جو وقت پر ظاہر ہوگا۔ اور اس کے لئے اور نام بھی ہوں گے۔ مگر بعد اس کے میں نے دعا کی کہ اس زلزلہ نمونہ قیامت میں کچھ تاخیر ڈال دی جائے۔ اس دعا کا اللہ تعالیٰ نے اس وحی میں خود ذکر فرمایا اور جواب بھی دیا ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے رب اخروقت ھذا۔ اخرہ اللہ الی وقت مسمی یعنی خدا نے دعا قبول کر کے اس زلزلہ کو کسی اور وقت پر ڈال دیا ہے۔ اور یہ وحی الٰہی قریبا چار ماہ سے اخبار بدر اور الحکم میں شائع ہو چکی ہے۔ اور چونکہ زلزلہ نمونہ قیامت آنے میں تاخیر ہوتی لہٰذا پیر منظور محمد کے گھر میں ۱۷ جولائی ۱۹۰۶ء کو بروز سہ شنبہ لڑکی پیدا ہوئی اور یہ دعا کی قبولیت کا ایک نشان ہے اور نیز وحی الٰہی کی سچائی کا ایک نشان ہے جو لڑکی پیدا ہونے سے قریبا چار ماہ پہلے شائع ہو چکی تھی۔ مگر یہ ضرور ہوگا کہ کم درجہ کے زلزلے آتے رہیں گے۔ اور ضرور ہے کہ زمین نمونہ قیامت زلزلہ سے رکی رہے جب تک وہ موعود لڑکا پیدا ہو۔ یاد رہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی بڑی رحمت کی نشانی ہے کہ لڑکی پیدا کر کے آئندہ بلا یعنی زلزلہ نمونہ قیامت کی نسبت تسلی دیدی کہ اس میں بموجب وعدہ اخرہ اللہ الی وقت مسمی ابھی تاخیر ہے اور اگر ابھی لڑکا پیدا ہو جاتا تو ہر ایک زلزلہ اور ہر ایک آفت کے وقت سخت غم اور اندیشہ دامن گیر ہوتا کہ شائد وہ وقت آ گیا اور تاخیر کا کچھ اعتبار نہ ہوتا۔ اور اب تو تاخیر ایک شرط کے ساتھ مشروط ہو کر معین ہوگئی۔

(حقیقت الوحی ص ۱۰۰ و ۱۰۱ کا حاشیہ)

(مولانا فرماتے ہیں) ناظرین غور فرمائیں، تحقیق اس کا نام ہے یا اس کا جو مرزائی مجیب کرتے ہیں کہ کلام مرزا بقول شخصے آدھا تیتر آدھا بٹیر کتر بیونت کر کے خراب کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی نہیں سوچتے کہ سامنے کون ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ مرزا صاحب عالم ارواح میں کسی کو ملیں تو یہی شکائت کرتے سنے جائیں گے کہ' ہائے میری امت نے مجھ بدنام کیا' پس زلزلہ مؤخرہ بوجہ نہ پائے جانے شرط کے بالکل غت ربود ہو گیا کیونکہ محمدی بیگم زوجہ پیر منظور محمد کے ہاں لڑکا پیدا نہ ہوا یہاں تک کہ وہ خود دنیا سے کوچ کر گئی۔ (محمدی بیگم کی موت ۹ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو ہوئی۔ دیکھئے تذکرہ ص ۷۵۳ حاشیہ) احمدی دوستو۔کوئی ہے جو ہمارے پیش کردہ واقعات کی واقعات سے تردید کر سکے۔

(اہل حدیث امرتسر ۲۵ مئی ۱۹۳۴ء ص ۴۔۶)

۱۹۳۵ء میں کوئٹہ میں خوفناک زلزلہ آیا اور قادیانیوں نے پھر سے مرزا صاحب کی مسیحیت اور پیش گوئیوں کے راگ الاپنا شروع کر دیئے تو مولانا امرتسریؒ نے' کوئٹہ کا زلزلہ قادیان پر گرا' کے عنوان سے اخبار اہل حدیث میں لکھا

کوئٹہ میں قیامت کا نمونہ زلزلہ آیا (اعاذ نا اللہ منھا) اس پر تمام ہندوستان نے اظہار غم کیا۔خصوصا سندھ اور پنجاب میں ماتم بپا ہوا مگر قادیان کے خلیفہ نے ۷ جون ۱۹۳۵ء کو اس پر خطبہ دیا جس میں جی کھول کر خوشی اور غلط بیانی کی۔ بلکہ دھوکہ دہی سے کام لیا اور خلافت پدری کا حق خوب ادا کیا۔ حیرت ہے کہ ان لوگوں کو یہ خبر ہے کہ' اہل حدیث' زندہ ہے۔ یہ بھی خبر ہے کہ اہل حدیث، مرزا صاحب کا صحیح معنے میں مبلغ ہے۔کسی ایرے غیرے کی تحریف لفظی یا معنوی چلنے نہیں دیتا۔ پھر بھی (یہ مرزائی) اخفاء حق میں جرأت کرتے ہیں تو ان کی بابت یہ کہنا بے جا نہیں کہ بکف چراغ داشتہ چل رہے ہیں۔ ہم ڈنکے کی چوٹ سے علی وجہ الیقین کہتے ہیں کہ زلزلہ کوئٹہ کے متعلق خلیفہ قادیان اور ڈاکٹر بشارت احمد نے سراسر اخفاء حق کیا اور محض اظہار باطل سے کام لیا۔ ہم کہتے ہیں کہ کوئی انذاری واقعہ کسی مدعی کے حق میں نشان صداقت دو طرح سے ہو سکتا ہے۔

۱۔ وہ عذاب خاص اس کے منکروں پر آئے۔ جیسے ارشاد ہے وعذب الذین کفرواو ذالک جزاء الکافرین یعنی عذاب خاص کافروں پر آئے تو نشان صداقت ہوتا ہے۔

کوئٹہ کا زلزلہ اس قسم کا نہیں، مرزائی بھی اپنے شمار کے اعتبار سے کافی مرے اور مخالف بھی کافی بچے۔

۲۔ یا وہ مدعی اس واقعہ کی خبر دے تو اس کے خبر دینے کی حیثیت سے اس کے حق میں نشان صداقت ہوسکتا ہے۔ یہ اصول بھی صحیح ہے جیسے غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من غلبھم سیغلبون فی بضع سنین (پ ۲۱ ع ۴)

سوال یہ ہے کہ زلزلہ کوئٹہ نشان صداقت مرزا کس حیثیت سے ہے؟ خلیفہ قادیان کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں حیثیتوں سے اس کو نشان مرزا جانتے ہیں۔ ان کا اختیار ہے۔ ہم ان کے مضمون کی روح رواں چند فقرات جانتے ہیں۔ جن کے الفاظ یہ ہیں۔

'حضرت مسیح موعود (مرزا) صاف الفاظ میں فرماتے ہیں کہ زلزلہ کا نشان خدا تعالیٰ پانچ دفعہ دکھائے گا۔ اور چونکہ یہ الہام زلزلہ کانگڑہ کے بعد ہوا اس لئے یہ یقینی بات ہے کہ ابھی تین اور ہیبت ناک زلزلے آنے والے ہیں۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ پانچ زلزلے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد آئیں گے۔ اگر کانگڑہ کے زلزلہ کو شامل کرلیا جائے تب بھی دو زلزلے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد آئیں گے۔ اگر کانگڑہ کے زلزلہ کو شامل کرلیا جائے تب بھی دو زلزلے باقی رہتے ہیں۔ ہر دفعہ کا زلزلہ پہلے کی نسبت زیادہ نقصان اور دہشت ناک ہوتا ہے۔ (الفضل ۱۰ جون ۱۹۳۵ء ص ۴)

(مولانا کہتے ہیں) پس قادیانی دعویٰ قائم ہوگیا۔ اب ہمارا جواب دعویٰ سنئے۔ ہمارا بیان ہمارے لفظوں میں نہیں بلکہ بڑے مرزا صاحب کے الفاظ میں ہوگا۔ ہمارا بیان سن کر ناظرین حیران ہونگے کہ خلیفہ قادیان کو اتنی غلط بیانی کرنے پر جرأت کیسے ہوئی جبکہ بڑے مرزا کی تصنیفات ملک میں پھیل چکی ہیں۔ بہر حال اس سوال کا جواب دینا خلیفہ قادیان کا کام ہے۔ ہمارا کام تو بڑے میاں کے الفاظ پیش کردینا ہے۔

نمونہ قیامت زلزلہ تو خود بڑے میاں کے زمانے میں ٹل ٹلا کر معدوم ہو گیا تھا اب اس سے ڈرانا یا زلزلہ کوئٹہ کو اس کا مصداق بنا مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید برکلہ باید زد کا مصداق ہے۔ پس مرزا صاحب متوفی کا کلام سنئے جو بڑے زلزلے کو منظور محمد لودہانوی کے گھر میں لڑکا پیدا ہونے سے وابستہ کرتے ہیں۔ جب وہ پیدا نہیں ہوتا تو نہایت لطیف حیلے سے زلزلہ کو بھی دور کردیتے ہیں۔ سارے الفاظ آپ کے حسب ذیل ہیں۔

پہلے یہ وحی الٰہی ہوئی تھی کہ وہ زلزلہ جو نمونہ قیامت ہوگا بہت جلد آنے والہ ہے۔ اس کے لئے یہ نشان دیا گیا تھا کہ پیر منظور محمد لدھیانوی کی بیوی محمدی بیگم کو لڑکا پیدا ہوگا۔ اور وہ لڑکا اس زلزلہ کے ظہور کے لئے ایک نشان ہوگا۔ اس لئے اس کا نام بشیر الدولہ ہوگا کیونکہ وہ ہماری ترقی سلسلہ کے لئے بشارت دے گا۔ اسی طرح اس کا نام عالم کباب ہوگا کیونکہ اگر لوگ توبہ نہیں کریں گے تو بڑی بڑی آفتیں دنیا میں آئیں گی۔ ایسا ہی اس کا نام کلمۃ اللہ اور کلمۃ العزیز ہوگا کیونکہ وہ خدا کا کلمہ ہوگا جو وقت پر ظاہر ہوگا۔ اور اس کے لئے اور نام بھی ہوں گے۔ مگر بعد اس کے میں نے دعا کی کہ اس زلزلہ نمونہ قیامت میں کچھ تاخیر ڈال دی جائے۔ اس دعا کا اللہ تعالیٰ نے اس وحی میں خود ذکر فرمایا اور جواب بھی دیا ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے رب اخروقت هذا۔ اخره الله الى وقت مسمى یعنی خدا نے دعا قبول کر کے اس زلزلہ کو کسی اور وقت پر ڈال دیا ہے۔ اور یہ وحی الٰہی قریبا چار ماہ سے اخبار بدر اور الحکم میں شائع ہو چکی ہے۔ اور چونکہ زلزلہ نمونہ قیامت آنے میں تاخیر ہوگئی اس لئے ضرور تھا کہ لڑکا پیدا ہونے میں بھی تاخیر ہوتی لہٰذا پیر منظور محمد کے گھر میں ۱۷ جولائی ۱۹۰۶ء کو بروز سہ شنبہ لڑکی پیدا ہوئی اور یہ دعا کی قبولیت کا ایک نشان ہے اور نیز وحی الٰہی کی سچائی کا ایک نشان ہے جو لڑکی پیدا ہونے سے قریباً چار ماہ پہلے شائع ہو چکی تھی۔ مگر یہ ضرور ہوگا کہ کم درجہ کے زلزلے آتے رہیں گے۔ اور ضرور ہے کہ زمین نمونہ قیامت زلزلہ سے رکی رہے جب تک وہ موعود لڑکا پیدا ہو۔ یاد رہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی بڑی رحمت کی نشانی ہے کہ لڑکی پیدا کر کے آئندہ بلا یعنی زلزلہ نمونہ قیامت کی نسبت تسلی دیدی کہ اس میں بموجب وعدہ اخره الله الى وقت مسمى ابھی تاخیر ہے اور اگر ابھی لڑکا پیدا ہو جاتا تو ہر ایک زلزلہ اور ہر ایک آفت کے وقت سخت غم اور اندیشہ دامن گیر ہوتا کہ شائد وہ وقت آ گیا اور تاخیر کا کچھ اعتبار نہ ہوتا۔ اور اب تو تاخیر ایک شرط کے ساتھ مشروط ہو کر معین ہوگئی۔ (حقیقت الوحی ص ۱۰۰ و ۱۰۱ کا حاشیہ)

(مولانا ثناء اللہ لکھتے ہیں) کیسی صاف بیانی ہے کہ زلزلہ مثل قیامت کا آنا اس شرط سے مشروط ہے کہ پیر منظور محمد کے ہاں لڑکا پیدا ہو۔ چونکہ اس کے ہاں (مرزا غلام احمد کی اس تحریر کے بعد) آج تک بھی لڑکا پیدا نہ ہوا بلکہ دونوں میاں بیوی اس دار فانی سے عرصہ ہوا رخصت بھی ہو گئے۔ پس وہ زلزلہ نمونہ قیامت بھی رخصت ہوا۔

احمدی دوستو ۔ کتاب حقیقت الوحی میں عبارت مرقومہ دیکھ کر حوصلہ کر کے اپنے خلیفہ سے پوچھو کہ جناب زلزلہ نمونہ قیامت تو منظور محمد لدھیانوی کے گھر لڑکا پیدا نہ ہونے کی وجہ سے رفع دفع ہو گیا۔ پھر کبھی زلزلہ بہار کو اور کبھی زلزلہ کوئٹہ کو موعودہ زلزلہ قرار دے کر آپ نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ ہمیں بھی کیوں شرمندہ کراتے ہیں.

(اہل حدیث امرتسر۔ ۲۱ جون ۱۹۳۵ء ص ۷۔۹)

قادانی زلزلوں کے بارے اس تحریر کے دو ماہ بعد مولانا امرتسری نے اس موضوع پر پھر قلم اٹھایا اور لکھا کہ

'مرزا صاحب بڑے ہوشیار اور زمانہ شناس تھے۔ آپ کی امت بھی اسی قدر ہوشیار ہے۔ کوئی موقع نہیں چوکتے۔ جونہی دنیا میں کوئی حادثہ ہوا، انہوں نے سر اٹھایا، اور فوراً اعلان کر دیا کہ ہمارا دعویٰ ثابت۔ چاول سفید ہوں یا سرخ، زمین بہرحال گول۔ ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء سے ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء تک ہندوستان میں تین سخت زلزلے آئے۔ ان تینوں زلزلوں کو مرزا اور امت مرزا نے اپنے صدق پر دلیل بتایا۔ پہلے زلزلہ (اپریل ۱۹۰۵ء) کے وقت مرزا صاحب خود زندہ تھے۔ انہوں نے اسی روز (۴ اپریل) ایک طویل اشتہار دیا اور کھینچ تان کر اپنے الہاموں سے زلزلہ کی پیشگوئی ثابت کی۔ جس کا جواب اسی زمانہ میں اہل حدیث مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۰۵ء میں دیا گیا تھا جو ۱۶ مارچ ۱۹۳۴ء کے اہل حدیث میں مکرر نقل ہو چکا ہے، اس کے بعد ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کو صوبہ بہار میں زلزلہ آیا تو قادیان سے صداقت مرزا کی آواز اٹھی کہ ہمارے بڑے حضرت کے کہنے کے مطابق یہ زلزلہ آیا ہے۔ اس کا جواب اہل حدیث مورخہ ۹ فروری ۱۹۳۴ء اور ۲ مارچ ۱۹۳۴ء میں دیا گیا اور بذریعہ اشتہار بھی شائع کیا گیا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ جس زلزلہ کی پیش گوئی کو زلزلہ بہار پر لگایا جاتا ہے اس کی بابت مرزا صاحب نے صاف لکھا ہوا ہے کہ میری زندگی میں پوری ہو گی۔ (ملاحظہ ہو ضمیمہ ج ۵ براہین احمدیہ ص ۹۷)۔ اب جبکہ کوئٹہ میں زلزلہ شدیدہ آیا تو قادیان میں گھی کے چراغ جلے۔ قادیانی پریس اور قادیانی خلیفہ نے جی کھول کر اس سے اپنی سچائی کا ثبوت دیا۔ اس لئے ہم نے اہل حدیث مورخہ ۲۱ جون ۱۹۳۵ء میں سوال کیا تھا کہ اس قسم کے حادثات کو مدعی کے ساتھ دو وجہ سے تعلق ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اس کے انکار کی وجہ سے ہوئے ہوں۔ دوم۔ اس وجہ سے کہ اس کی

پیش گوئی کے مطابق ہوئے ہوں۔ یہ زلزلے کس قسم کے ہیں؟ قسم اول سے ہیں یا دوم سے؟ ہمارے اس سوال کا جواب صاف لفظوں میں تو قادیان سے آیا نہیں۔ اس لئے ہم خود ہی بتاتے ہیں کہ مرزا صاحب اس قسم کے حادثات کے کس وجہ سے اپنی صداقت کی دلیل بتایا کرتے تھے۔ موصوف کی نظم متعلق زلزلہ سے سے ابتدائی اشعار یہ ہیں۔

پھر چلے آتے ہیں یارو زلزلہ آنے کے دن
زلزلہ کیا اس جہاں سے کوچ کر جانے دن
تم تو ہو آرام میں ہم اپنا قصہ کیا کہیں
پھرتے ہیں آنکھوں میں آگے سخت گھبرانے کے دن
کیوں غضب بھڑکا خدا کا مجھ سے پوچھو غافلو
ہوگئے ہیں اس کا موجب میرے جھٹلانے کے دن

(حقیقۃ الوحی صفحہ اخیر)

اشعار مرقومہ کے چھٹے مصرع میں صاف مذکور ہے کہ زلزلے اور دیگر عذابات مرزا صاحب کی تکذیب کرنے کی وجہ سے لوگوں پر آتے ہیں۔ اور آتے رہیں گے۔ چنانچہ قادیان کے شاعر مولوی غلام رسول راجیکی اپنی ایک نظم (مشابہ نثر) میں اس دعویٰ کا ذکر کرتے ہیں

جو پہلے نبیوں کے وقت آئے ہوئے ہیں ظاہر عذاب
رہیں گے جاری یہ حملے جبتک یہ کج جہاں بدعناں رہے گا
یہ قادیان ہے نبی کی بستی یہ تخت گاہ رسول حق ہے
خدائے قادر کا یہ وعدہ یہ بلدہ دارالا ماں رہے گا
خدا کی قہری تجلیوں کے ظہور کا ہے یہ وقت عبرت
کہیں زلازل کہیں حوادث کا دور دورہ عیاں رہیگا

(الفضل ۱۱ جولائی ۱۹۳۵ء ص ۵)

ان اشعار میں بھی وہی اظہار ہے جو مرزا صاحب کی مذکورہ عبارت سے عیاں ہے کہ زلزلے اور عذاب مرزا صاحب کی تکذیب اور انکار کی سزا ہے۔ پس اب یہ عذابات اور زلزلے وغیرہ اس آئت کے ماتحت ہوئے جس کے الفاظ یہ ہیں انزل جنودالم تروھا

وعذب الذین کفروا۔ ذالک جزاء الکافرین (پ۱۰۔ ع۱۰) یعنی خدانے آسمانی فوج بھیجی جس کو تم لوگوں نے نہ دیکھا اور کافروں کو عذاب کیا۔ یہی سزا کافروں کی ہے۔

اگر یہ ارشاد مرزا، حق ہے اور اس کے متعلق تائیدی نظم بھی صحیح ہے، تو نتیجہ بھی لاریب صحیح ہے کہ اڈیٹر اہل حدیث مع اپنے سٹاف اور مع ممبران و کارکنان احرار خدا کے نزدیک مستوجب سزا نہیں، ورنہ زلزلہ سے نہ بچتے (اعاذ نا اللہ)۔

احمدی ممبر دکیا کہتے ہو۔ چونکہ (یہ نتیجہ) بالکل صحیح اور قابل قبول ہے اس لئے اخبار الفضل کے ہوشیار اڈیٹر نے مرزا صاحب کی تصریحات کے خلاف پہلو بدل کر یوں لکھا کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ محض حوادث کا آنا مرزا صاحب کی صداقت کا ثبوت ہے ۔ بلکہ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئی کے ماتحت ان کا غیر معمولی طور پر آنا اور مسلسل آنا، آپ کی صداقت اور خداتعالی کے زوردار حملوں کا ثبوت ہے۔

(الفضل ۶ جولائی ۱۹۳۵ء)

پس اب یہ مضمون ہماری پیش کردہ دوصورتوں میں سے دوسری صورت میں داخل ہوا۔ یعنی (ان زلزلوں کا) مرزا صاحب قادیانی کی پیش گوئی کے مطابق وقوع ہوا۔ اب مطلع صاف ہے۔ ہم وہ پیش گوئی دیکھنا چاہتے ہیں جو تینوں زلزلوں (کانگڑہ، بہار اور کوئٹہ) کی بابت مرزا صاحب نے کی تھی۔ کانگڑہ (پنجاب) میں ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کو زلزلہ عظیمہ آیا ۔اس سے پہلے مرزا صاحب نے ۲۷ فروری ۱۹۰۵ء کو ایک اشتہار دیا جس کی روح رواں یہ عبارت ہے

عفت الدیار محلھا ومقامھا یعنی یہ ملک عذاب الٰہی سے مٹ جانے کو ہے۔ نہ مستقل سکونت امن کی جگہ رہے گی اور نہ عارضی امن کی جگہ یعنی طاعون کی وبا ہر جگہ عام طور پر پڑیگی۔ (اشتہار الوصیۃ)

جب کانگڑہ میں زلزلہ آیا تو مرزا صاحب نے حسب عادت جھٹ پہلو بدل کر اس اشتہار کو زلزلہ کانگڑہ پر لگا دیا۔ آج بھی اخبار الحکم ۷ جولائی ۱۹۳۵ء میں اس سے کام لیا گیا ہے۔ حالانکہ زلزلہ کانگڑہ اس اشتہار کی تاریخ سے صرف ایک مہینہ بعد آیا تھا۔ اگر عالم الغیب کی طرف سے مخلوق خدا کو تنبیہہ کرنا ہوتی تو بہت آسان تھا کہ بجائے طاعون کے زلزلہ کہہ دیتا۔ مگر ایسا نہیں ہوا کیونکہ یہ لفظ الہام میں نہیں۔ ہاں بعد حدوث زلزلہ، نکتہ بعد

الوقوع کے ماتحت بات بنائی گئی ہے (مفصل اہل حدیث ۱۶ مارچ ۱۹۳۴ء ملاحظہ ہو)

جہاں تک زلزلہ بہار کی بات ہے ہم کہتے ہیں کہ ملک میں طاعون کی روانی کو دیکھ کر پہلے تو مرزا صاحب کا رخ طاعون کی طرف رہتا تھا۔ زلزلہ کانگڑہ کے بعد آپ کا رخ زلزلوں کی طرف ہوگیا۔ آپ نے ایک قیامت خیز زلزلہ کی خبر دی۔ جس کو بعد انتقال مرزا صاحب ان کے مریدین زلزلہ بہار پر لگاتے ہیں۔ مگر قربان جائیں خدائے قدوس کے جس نے فرمایا دیا ہے کہ انکار کرنے والوں کے ہاتھ پاؤں گواہ گذریں گے۔ ٹھیک اسی طرح ہم مرزا صاحب کے دست ہائے مبارکہ کو پیش کر کے ان کے دعاوی کو غلط ثابت کرتے ہیں۔ پس باانصاف ناظرین مرزا صاحب کی بات غور سے سنیں۔ فرماتے ہیں۔

'آپ ذرہ کان کھول کر سن لو کہ آئندہ زلزلہ کی نسبت جو میری پیشگوئی ہے بار بار وحی الٰہی نے مجھے اطلاع دی ہے کہ وہ پیش گوئی میری زندگی میں اور میرے ہی ملک میں اور میرے ہی فائدے کے لئے ظہور میں آئے گی' (ضمیمہ براہین احمدیہ ج ۵ ص ۹۷) اور کون نہیں جانتا کہ مرزا صاحب کا انتقال مئی ۱۹۰۸ء میں ہوا اور زلزلہ بہار جنوری ۱۹۳۴ء میں آیا۔ ناظرین غور کریں ۲۶ سال کا فاصلہ کوئی معمولی بات نہیں۔ اتنے فاصلے کو قطع کر کے زلزلہ بہار کو مرزا صاحب کی زندگی میں لے جانا مشکل تو ہے لیکن ان لوگوں کے لئے ناممکن نہیں جو دمشق سے مراد قادیان لیتے ہیں۔

اور ناظرین ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء کو کوئٹہ میں زلزلہ آیا۔ امت مرزا نے اس کو بھی مرزا کی صداقت کا نشان بتایا ہے۔ چنانچہ اخبار الفضل میں مرزا کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں

'زلزلہ کا نشان خدا تعالیٰ ۵ دفعہ دکھائے گا۔ اور چونکہ یہ الہام زلزلہ کانگڑہ کے بعد ہوا اس لئے یہ یقینی بات ہے کہ ابھی تین اور ہیبت ناک زلزلے آنے والے ہیں۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ پانچ زلزلے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد آئیں گے، اگر کانگڑہ کے زلزلہ کو شامل کر لیا جائے تب بھی دو زلزے باقی رہتے ہیں، ہر دفعہ کا زلزلہ پہلے کی نسبت زیادہ نقصان دہ اور دہشتناک ہوتا ہے' (الفضل ۱۰ جون ۱۹۳۵ء ص ۴)

اس حوالے میں، جس میں پانچ زلزلوں کا ذکر آیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں

'وحی الٰہی سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ زلزلے آئیں گے اور چار زلزلے کسی قدر ہلکے اور خفیف ہوں گے اور دنیا ان کو معمولی سمجھے گی۔ پھر پانچواں زلزلہ قیامت کا نمونہ ہوگا کہ

لوگوں کو سودائی اور دیوانہ کردے گا یہاں تک کہ وہ تمنا کریں گے کہ وہ اس دن سے پہلے مرجاتے۔ اب یاد رہے کہ اس وحی الٰہی کے بعد اس وقت تک جو ۲۲ جولائی ۱۹۰۶ء ہے اس ملک میں تین زلزلے آچکے ہیں۔ یعنی ۲۸ فروری ۱۹۰۶ء' ۲۰ مئی ۱۹۰۶ء اور ۲۱ جولائی ۱۹۰۶ء۔ مگر غالبا خدا کے نزدیک یہ زلزلوں میں داخل نہیں ہیں کیونکہ بہت ہی خفیف ہیں۔ شائد چار زلزلے پہلے ایسے ہوں گے جیسا کہ ۴ اپریل ۱۹۰۵ء کا زلزلہ تھا اور پانچواں قیامت کا نمونہ ہوگا' (حقیقۃ الوحی ص ۹۲ کا حاشیہ)

اس عبارت کی تشریح خود مرزا صاحب نے اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۰ پر یوں کی ہے

' پہلے یہ وحی الٰہی ہوئی تھی کہ وہ زلزلہ جو نمونہ قیامت ہوگا بہت جلد آنے والہ ہے۔ اس کے لئے یہ نشان دیا گیا تھا کہ پیر منظور محمد لدھیانوی کی بیوی محمدی بیگم کو لڑکا پیدا ہوگا۔ اور وہ لڑکا اس زلزلہ کے ظہور کے لئے ایک نشان ہوگا۔ اس لئے اس کا نام بشیر الدولہ ہوگا کیونکہ وہ ہماری ترقی سلسلہ کے لئے بشارت دیگا۔ اسی طرح اس کا نام عالم کباب ہوگا کیونکہ اگر لوگ توبہ نہیں کریں گے تو بڑی بڑی آفتیں دنیا میں آئیں گی۔ ایسا ہی اس کا نام کلمۃ اللہ اور کلمۃ العزیز ہوگا کیونکہ وہ خدا کا کلمہ ہوگا جو وقت پر ظاہر ہوگا۔ اور اس کے لئے اور نام بھی ہوں گے۔ مگر بعد اس کے میں نے دعا کی کہ اس زلزلہ نمونہ قیامت میں کچھ تاخیر ڈال دی جائے۔ اس دعا کا اللہ تعالیٰ نے اس وحی میں خود ذکر فرمایا اور جواب بھی دیا ہے۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے رب اخروقت هذا ۔ اخره الله الى وقت مسمى یعنی خدا نے دعا قبول کر کے اس زلزلہ کو کسی اور وقت پر ڈال دیا ہے۔ اور یہ وحی الٰہی قریبا چار ماہ سے اخبار بدر اور الحکم میں شائع ہو چکی ہے۔ اور چونکہ زلزلہ نمونہ قیامت آنے میں تاخیر ہوگئی اس لئے ضرور تھا کہ لڑکا پیدا ہونے میں بھی تاخیر ہوتی۔ لہٰذا پیر منظور محمد کے گھر میں ۱۷ جولائی ۱۹۰۶ء و بروز سہ شنبہ لڑکی پیدا ہوئی اور یہ دعا کی قبولیت کا ایک نشان ہے اور نیز وحی الٰہی کی سچائی کا ایک نشان کہ جو لڑکی پیدا ہونے سے قریبا چار ماہ پہلے شائع ہو چکی تھی۔ مگر یہ ضرور ہوگا کہ کم درجہ کے زلزلے آتے رہیں گے۔ اور ضرور ہے کہ زمین نمونہ قیامت زلزلہ سے رکی رہے جب تک وہ موعود لڑکا پیدا ہو۔ یاد رہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی بڑی رحمت کی نشانی ہے کہ لڑکی پیدا کر کے آئندہ بلا یعنی زلزلہ نمونہ قیامت کی نسبت تسلی دیدی کہ اس میں بموجب وعدہ اخره الله الى وقت مسمى ابھی تاخیر

ہے اور اگر ابھی لڑکا پیدا ہو جاتا تو ہر ایک زلزلہ اور ہر ایک آفت کے وقت سخت غم اور اندیشہ دامن گیر ہوتا کہ شائد وہ وقت آ گیا اور تاخیر کا کچھ اعتبار نہ ہوتا۔ اور اب تو تاخیر ایک شرط کے ساتھ مشروط ہو کر معین ہوگئی۔'

(حقیقت الوحی ص ۱۰۰ و ۱۰۱ کا حاشیہ)

(مولانا امرتسریؒ کہتے ہیں) 'پس اب تو خود مرزا صاحب ہی کے کلام سے ثابت ہوگیا کہ زلزلہ نمونہ قیامت ایسی شرط سے مشروط ہے جس کا تحقق اب ناممکن الوقوع ہے۔ کیونکہ پیر منظور محمد اور اس کی بیوی، دونوں اس جہان سے مرزا صاحب کی طرح چل دیئے ہیں۔ پس بحکم اذا فات الشرط فات المشروط سب کارخانہ ہی درہم برہم ہوگیا۔

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

نہ منظور محمد کے گھر میں عالم کباب لڑکا پیدا ہوا، نہ زلزلہ نمونہ قیامت صداقت مرزا واقع ہوا۔ اسی کو کہتے ہیں

؎ نہ نومن تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی'۔

(اہل حدیث امرتسر۔۲۔ اگست ۱۹۳۵ء ص ۳۔۵)

قصہ ایک کرسی کا

مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں ان پر ایک مقدمہ ہوتھا جس میں مستغیث ایک عیسائی ڈاکٹر تھے۔ مستغیث نے اپنے دعوے کے اثبات کے لئے مولانا محمد حسین بٹالویؒ کو گواہ لکھوا دیا تو مجبوراً انہیں عدالت میں پیش ہونا پڑا۔ مرزا صاحب نے اس شہادت کے متعلق ایک افسانہ تراشا جس کا مضمون یہ تھا کہ عدالت میں مجھے تو کرسی ملی مگر مولوی محمد حسین کو نہیں۔ اس کا ذکر مرزا صاحب کی تصنیف کتاب البریۃ میں ملتا ہے۔ اس کا جواب مولانا بٹالویؒ نے اپنے ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۸ نمبر ۹ صفحات ۲۸۰ تا ۲۸۳ پر دیا تھا۔ ہمارے سامنے اشاعۃ السنہ کا یہ شمارہ موجود نہیں ہے اس لئے ہمیں نہیں معلوم کہ کرسی والے اس معاملے میں مولانا بٹالویؒ نے مرزا صاحب کے جواب میں کیا کچھ لکھا تھا؟ اور نہ ہی ہمیں یہ معلوم ہو سکا ہے کہ اس واقعہ کی حقیقت کیا ہے؟ ہمارے سامنے چونکہ صرف مرزا صاحب اور ان کے ماننے والوں کی تحریریں ہیں اس لئے ہم کرسی کے ارد گرد گھومنے والے اس واقعہ کو جو تاریخ تحریک ختم نبوت کے ابتدائی دور کا ایک اہم واقعہ ہے اپنے قارئین کے سامنے مرزائی روایات سے پیش کر کے اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔

مرزا بشیر احمد قادیانی نے لکھا ہے کہ

یہ واقعہ ایک فوجداری مقدمہ تھا جو مارٹن کلارک مسیحی پادری نے اقدام قتل کے الزام کے ماتحت حضرت (مرزا غلام احمد) کے خلاف دائر کیا تھا۔ اس کی ابتدائی کاروائی یکم اگست ۱۸۹۷ء کو امرتسر میں بعدالت ڈپٹی کمشنر امرتسر شروع ہوئی اور ۲۳ اگست ۱۸۹۷ء کو آپ ...ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی عدالت سے بری کئے گئے'۔ (سیرۃ المھدی۔ ج ۲ ص ۲۴۲)

اس مقدمے کے مستغیث ایک عیسائی پادری ڈاکٹر مارٹن کلارک تھے۔ اور اس مقدمے کی بنیاد عبدالحمید نامی ایک شخص کا یہ بیان تھا' کہ

اس کو مرزا صاحب نے پادری ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کو مارنے کے لئے امرتسر بھیجا تھا'
(مقدمہ ڈاکٹر کلارک۔ الفضل انٹرنیشنل ۲۶ دسمبر ۱۹۹۷ء ص ۱۲)

مرزا صاحب کو اس موقع پر عدالت میں حاضری کے لئے جو سمن جاری ہوا تھا اسے آپ نے اپنی تصنیف کتاب البریۃ میں یوں نقل کیا ہے

'سمن بنام مستغاث علیہ حسب دفعہ ۱۵۲ مجموعہ ضابطہ فوجداری...... بنام مرزا غلام احمد ولد مرزا غلام مرتضیٰ ذات مغل ساکن قادیان مغلاں پرگنہ بٹالہ...... جو کہ حاضر ہونا تمہارا بغرض جواب وہی الزام دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری ضرور ہے لہٰذا تم کو اس تحریر کے ذریعہ سے حکم ہوتا ہے کہ بتاریخ ۱۰ ماہ اگست ۱۸۹۷ء اصالتاً یا بذریعہ مختار ذی اختیار یا جیسا ہو موقع پر بمقام بٹالہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس حاضر ہو۔ اور اس باب میں تاکید جانو۔
دستخط ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ۔ ۹ اگست ۱۸۹۷ء' ۔ (روحانی خزائن جلد ۱۵ ص ۳۴۶)

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ سمن کے اجراء کے بعد

' اگست کی دس تاریخ کو اس نظارہ کے لئے مولوی محمد حسین صاحب موحدین کے ایڈووکیٹ اس تماشا کے دیکھنے کے لئے کچہری میں آے تھے تا اس بندہ درگاہ کو ہتھکڑی پڑی ہوئی اور کنسٹیبلو ں کے ہاتھ میں گرفتار دیکھیں' ۔ (روحانی خزائن ج ۱۵ ص ۳۴۷)

اور اپنے متعلق مرزا قادیانی لکھتے ہیں کہ کارروائی شروع ہونے کے دن

' میں قریب نو بجے کے بٹالہ میں جہاں صاحب ڈپٹی کمشنر بہ تقریب دورہ ، فروکش تھے ، پہنچ گیا۔ اور جب میں صاحب ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں گیا تو پہلے سے میرے لئے کرسی بچھائی گئی تھی۔ جب میں حاضر ہوا تو صاحب ضلع نے بڑے لطف اور مہربانی سے اشارہ کیا کہ تا میں کرسی پر بیٹھ جاؤں'

(اور مولوی محمد حسین بٹالوی) 'نے جب عدالت میں اس قدر میری عزت دیکھی کہ یہ تو ایک ملزم تھا اور اس کو اعزاز سے کرسی دی گئی تو مولوی صاحب موصوف اس طمع خام میں پڑے کہ مجھے صاحب ضلع سے کرسی مانگنی چاہیے۔ جبکہ اس ملزم کو ملی ہے تو مجھے تو بہرحال ملے گی۔ پس جب وہ گواہی کے لئے بلائے گئے تو انہوں نے آتے ہی پہلے یہی سوال کیا کہ مجھے کرسی ملنی چاہیے۔ مگر افسوس کہ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے ان کو جھڑک دیا اور کہا کہ تمہیں کرسی نہیں مل سکتی۔ یہ تو رئیس ہیں اور ان کا باپ کرسی نشین تھا۔ اس لئے ہم

نے کرسی دی۔ (روحانی خزائن جلد ۱۵ص ۳۴۸)

ایک دوسری جگہ مرزا غلام احمد نے اس واقعہ کے بارے میں لکھا ہے

،افسوس کہ شیخ محمد حسین بٹالوی نے مسلمان کہلا کر اس جھوٹے مقدمہ کی تائید کی اور خود بڑے جوش سے ڈاکٹر کلارک کا گواہ بن کر عدالت میں آیا۔لیکن عدالت نے اس کے بیان کو ذرہ عزت کی نگاہ سے نہ دیکھا بلکہ کرسی کی درخواست پر سخت جھڑکیاں دیں اور نہائت ناراضگی ظاہر کی کہ تو نے اپنی حیثیت سے بڑھ کر کرسی ملنے کا کیوں سوال کیا۔پس یہ بھی خدا تعالی کا ایک نشان تھا کہ ایک شخص جو میری ذلت کی خواہش رکھتا تھا اس کو عین عدالت میں سخت ذلت پیش آئی گویا دردانگیز مار پڑی.

(روحانی خزائن ج ۱۳،ص ۳۱۱)

اسی کتاب میں اس سے پہلے ایک مقام پر مرزا صاحب فرماتے ہیں

' محمد حسین نے حلفی شہادت کے مقام پر کھڑا ہو کر دو جھوٹ بولے۔ اول یہ کہ اس کو عدالت میں کرسی ملتی ہے اور دوسرے یہ کہ اس کے باپ رحیم بخش کو بھی کرسی ملتی تھی۔ یہ دونوں جھوٹ نہائت مکروہ اور قابل شرم تھے۔ کیونکہ محمد حسین ایک خشک ملا بلکہ نیم ملا ہے جو چند حدیثیں نذیر حسین سے پڑھ کر مولوی کہلاتا ہے جس کے ہم جنس ہزاروں ملا مسجدوں کے حجروں میں مسلمانوں کی روٹیوں پر گذارہ کرتے ہیں'۔

(روحانی خزائن ج ۱۳ (کتاب البریہ) ص ۳۴)

ایک اور جگہ مرزا صاحب بڑے فخر سے لکھتے ہیں کہ عدالت میں

' میری کرسی صاحب ڈپٹی کمشنر کے بائیں طرف تھی۔ اور دائیں طرف صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ (لیمار چنڈ) کی کرسی تھی۔اور اسی طرف ایک کرسی پر ڈاکٹر کلارک تھا۔ '

(مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۳۴)

اور دوسری طرف' شیخ محمد حسین بٹالوی صاحب اشاعۃ السنہ کو بمقام بٹالہ کرسی مانگنے سے کپتان ایم ڈگلس صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے تین مرتبہ جھڑکیاں دیں اور کرسی دینے سے انکار کیا اور کہا کہ' بک بک مت کر' اور' سیدھا کھڑا ہو جا' اور یہ بھی فرمایا کہ ہمارے پاس تمہارے کرسی ملنے کے بارے میں کوئی ہدائت نہیں'۔

(مجموعہ اشتہارات جلد ۳ ص ۳۱)

اور ایک دوسری جگہ مرزا غلام احمد نے کرسی والہ معاملہ بایں الفاظ بیان کیا ہے
'ڈاکٹر کلارک نے بخدمت صاحب ڈپٹی کمشنر اس کے لئے بہت سفارش کی کہ یہ غیر مقلد مولویوں میں ایک نامی مولوی ہے اس کو کرسی ملنی چاہیے۔ مگر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے اس سفارش کو منظور نہ کیا۔ غالباً محمد حسین کو اس امر کی خبر نہ تھی کہ اس کی کرسی کے لئے پہلے تذکرہ ہو چکا ہے اور کرسی کی درخواست نامنظور ہو چکی ہے۔ اس لئے جب وہ گواہی کے لئے اندر بلایا گیا تو جیسا کہ خشک ملا جاہ طلب اور خودنما ہوتے ہیں۔ آتے ہی بڑی شوخی سے اس نے صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر سے کرسی طلب کی۔ صاحب موصوف نے فرمایا کہ تجھے عدالت میں کرسی نہیں ملتی اس لئے ہم کرسی نہیں دے سکتے۔ پھر اس نے دوبارہ کرسی کی لالچ میں بے خود ہو کر عرض کی کہ مجھے کرسی ملتی ہے اور میرے باپ رحیم بخش کو بھی کرسی ملتی تھی۔ صاحب بہادر نے فرمایا کہ تو جھوٹا ہے نہ تجھے کرسی ملتی ہے نہ تیرے باپ رحیم بخش کو ملتی تھی۔ ہمارے پاس تمہاری کرسی کے لئے کوئی تحریر نہیں۔ تب محمد حسین نے کہا کہ میرے پاس چٹھیات ہیں۔ لاٹ صاحب مجھے کرسی دیتے ہیں۔ یہ جھوٹی بات سن کر صاحب بہادر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا' بک بک مت کر پیچھے ہٹ اور سیدھا کھڑا ہو جا' پس بیچارہ غریب خاموش اور ترساں اور لرزاں ہو کر پیچھے ہٹ گیا اور سیدھا کھڑا ہو گیا اور پہلے میز کی طرف جھکا ہوا تھا'

(روحانی خزائن جلد۱۳ (کتاب البریہ) ص ۲۹۔۳۰)

اور گواہی کے بعد جب مولوی صاحب عدالت سے نکلے تو برآمدہ میں کرسی پر بیٹھ گئے۔ چپڑاسی نے اس پر بھی نہ بیٹھنے دیا کہ کپتان صاحب پولیس کی اجازت نہیں۔ وہ وہاں سے اٹھے تو دیکھا کہ کچھ مسلمان چادر بچھائے بیٹھے تھے۔ وہ اس کے ایک کونہ پر بیٹھ گئے۔ جب ان مسلمانوں کو پتہ چلا کہ یہ مولوی صاحب مرزا صاحب کے خلاف پادریوں کے حق میں گواہی دینے آئے ہیں تو انہوں نے بھی اپنی چادر گھسیٹ لی اور کہا کہ مسلمانوں کے سرغنہ ہو کر جھوٹی گواہی دیتے ہو۔ ہمارے کپڑے کو ناپاک نہ کرو۔

(الفضل انٹرنیشنل ۲۶ ستمبر ۱۹۹۷ء ص ۱۲)

اور مرزا صاحب ایک جگہ کہتے ہیں

' پھر جب وہاں (برآمدے میں کرسی) سے بھی بڑی ذلت کے ساتھ اٹھائے گئے تو

آپ ایک شخص کی چادر لے کر زمین پر بچھا کر بیٹھ گئے۔ مگر اس شخص نے آپ کو مورد قہر الٰہی سمجھ کر نیچے سے چادر کھینچ لی'۔ (روحانی خزائن ج ۱۳ (کتاب البریہ) ص ۳۵)

اور بروائت مولوی دوست محمد قادیانی، جناب مرزا صاحب کہتے ہیں

'جب میں صاحب مجسٹریٹ ضلع کی کچہری میں حاضر ہوا تو وہ نرمی اور اعزاز سے پیش آئے اور اپنے قریب میرے لئے کرسی بچھوا دی اور نرم الفاظ میں مجھ کو کہا کہ گو ڈاکٹر کلارک آپ پر اقدام قتل کا الزام لگاتا ہے۔ مگر میں نہیں لگاتا'

(تاریخ احمدیت ج ۲ ص ۴۶۲ بحوالہ حیات احمد ص ۶۰۵)

اور بروائت مولوی دوست محمد، کپتان ڈگلس کے ریڈر کا کہنا ہے کہ جب

'مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی شہادت کے لئے کمرہ میں داخل ہوئے اور دائیں بائیں دیکھا تو کوئی کرسی فالتو پڑی ہوئی نظر نہ آئی۔ مولوی صاحب کے منہ سے پہلا لفظ جو نکلا وہ یہ تھا کہ 'حضور کرسی'۔ ڈپٹی کمشنر نے مجھ (غلام حیدر ریڈر) سے دریافت فرمایا کہ۔ 'کیا مولوی صاحب کو حکام کے سامنے کرسی ملتی ہے' میں نے کرسی نشینوں کی فہرست سامنے پیش کر دی اور کہا کہ اس میں مولوی محمد حسین صاحب یا ان کے والد بزرگوار کا نام تو درج نہیں۔ لیکن جب کبھی حکام سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے تو بوجہ عالم دین یا ایک جماعت کا لیڈر ہونے کے وہ انہیں کرسی دے دیا کرتے ہیں۔ اس پر صاحب ڈپٹی کمشنر نے مولوی صاحب کو کہا کہ 'آپ کوئی سرکاری طور پر کرسی نشین نہیں ہیں۔ آپ سیدھے کھڑے ہو جائیں اور شہادت دیں' تب مولوی صاحب نے کہا کہ 'میں جب کبھی لاٹ صاحب کے حضور میں جاتا ہوں تو مجھے کرسی پر بٹھایا جاتا ہے۔ میں اہل حدیث کا سرغنہ ہوں' تب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے گرم الفاظ میں ڈانٹا اور کہا کہ 'نج کے طور پر اگر لاٹ صاحب نے تم کو کرسی پر بٹھایا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ عدالت میں بھی تمہیں کرسی دی جائے'

(تاریخ احمدیت ج ۲۔ ص ۴۶۶۔ بحوالہ مجدد اعظم حصہ اول ص ۴۔ ۵۴۱)

اور تاریخ احمدیت ہی میں مولوی دوست محمد شاہد نے لکھا ہے کہ مرزا صاحب

'اپنے خدام کی معیت میں ڈاک بنگلہ کے احاطہ میں پہنچے اور عدالت کے کمرہ میں کرسی پر رونق افروز ہوئے جو ڈپٹی کمشنر ولیم مانٹیگو ڈگلس صاحب نے پہلے رکھوا دی تھی'

(کتاب مذکور، ج ۲، ص ۴۶۲)

اور مرزا بشیر الدین محمود احمد نے ۱۹۴۲ء میں اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ’ڈپٹی کمشنر گورداسپور نے مولوی محمد حسین کے کرسی مانگنے پر کہا، بک بک مت کر۔ پیچھے ہٹ۔ جوتیوں میں کھڑا ہو جا۔

(الفضل قادیان ۳۰ مئی ۱۹۴۲ء منقول از اہل حدیث امرتسر ۱۹ جون ۱۹۴۲ء ص ۵)

ایک اور قادیانی اس واقعہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پیشی کے روز ’وقت مقررہ سے ذرا پہلے حضرت مسیح موعود (مرزا) مع اپنے خدام کے بٹالہ کی کچہری پہنچ گئے۔ دوسرے لوگ بھی آ گئے۔ کیپٹن ڈگلس جب احاطہ کچہری میں داخل ہوئے تو حضرت اقدس کو وہاں دیکھا۔ ضرور پتہ کیا ہوگا کہ یہ کون ہیں۔ تو معلوم ہونے پر کہ یہی مرزا غلام احمد صاحب علاقہ کے رئیس ہیں۔ دفتر کے کمرہ میں پہنچ کر انہوں نے اپنے اردلی سے حضور اقدس کو سلام بجھوایا۔ (حیات احمد مضفہ حضرت عرفانی صاحب) ...... جب عدالت کی کاروائی شروع ہوئی تو حضور کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس پر ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک نے مولوی محمد حسین صاحب کے لئے کرسی کی سفارش کی...... اس پر ڈپٹی کمشنر نے غلام حیدر صاحب ریڈر کو کرسی نشینوں کی فہرست دیکھنے کو کہا۔ اس میں ان کا نام نہ تھا۔ البتہ غلام حیدر صاحب نے کہا کہ جب کبھی مولوی صاحب کو حکام سے ملنے کا موقع ہوتا ہے تو وہ ان کو دفتر میں کرسی دے دیا کرتے ہیں۔ مولوی صاحب عدالت میں موجود تھے اور انہوں نے بھی کرسی کا مطالبہ کیا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا آپ کا نام ضلع کے کرسی نشینوں کی فہرست میں نہیں اس لئے کرسی پیش نہیں کی جا سکتی۔ اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ میں لاٹ صاحب یعنی گورنر پنجاب وغیرہ سے ملتا ہوں تو کرسی پر بٹھا کر بات کرتے ہے۔ ڈپٹی کمشنر نے کہا وہ نجی ملاقات ہوتی ہے۔ یہ عدالت ہے۔ مولوی صاحب نے کچھ کہنا چاہا تو کیپٹن ڈگلس نے ڈانٹ کر کہا سیدھے کھڑے رہو اور زیادہ بک بک نہ کرو‘۔ (الفضل انٹرنیشنل ۲۶ ستمبر ۱۹۹۷ء ص ۱۲)

اور مرزائیوں کے کہنے کے مطابق مولانا نے جو گواہی دی اس میں جھوٹی بات یہ تھی کہ ’انہوں نے پادری صاحب کی طرح حضرت مسیح موعود پر اپنے مخالفین کے مرنے کی پیشگوئیوں کا الزام لگایا‘۔ (الفضل انٹرنیشنل ۲۶ ستمبر ۱۹۹۷ء ص ۱۳)

آگے بڑھنے سے قبل ہم یہاں مولانا بٹالوی کا وہ بیان نقل کر دینا چاہتے ہیں جو آپ نے عدالت میں دیا تھا اور جسے مرزا صاحب نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ ۱۳ اگست ۱۸۹۷ء کو دیئے جانے والے، اس بیان میں مولانا بٹالوی کہتے ہیں

'میں مرزا صاحب کو بہت دیر سے جانتا ہوں۔ انہوں نے بہت پیش گوئیاں کی ہیں۔ ۲۰۔ ۲۵ پیشگوئیاں کی ہیں۔ انجام آتھم میں صفحہ ۴۴ پر جو عبارت آخر صفحہ کے درج ہے کہ خدا جھوٹ کی بیخ کنی کریگا اس کا مطلب یہ ہے کہ جھوٹ ضائع ہوگا۔ اس عبارت سے میں نہیں سمجھتا کہ کوئی خاص ذاتی دشمنی مرزا صاحب کی کلارک صاحب سے ہے۔ یہ مباحثہ مذہبی ہے۔ مذہبی معاملات میں میرا مرزا صاحب سے اتفاق نہیں ہے اور اس بارے میں انہوں نے مسلمانان وعیسائیوں وغیرہ میں پھوٹ پیدا کرائی ہے۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے ہیں۔ یہ ان کی تعلیم کا اثر ہے۔ وہ فتنہ انگیز آدمی ہے۔ محمدیوں کے خیالات مذہبی سے میں واقف ہوں۔ اگر کلارک صاحب مرجائیں تو مرزا صاحب کو اپنے تابعین سے بہت عزت ہوگی اور ان کی شراکت ثابت ہوگی۔ عبداللہ آتھم بعد میعاد فوت ہوا اور انجام آتھم میں مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ اس کی پیش گوئی کے مطابق فوت ہوا۔ ۱۸۹۵ء میں مظہر کلارک صاحب سے ملا تھا۔ پھر اس کے بعد کبھی نہیں ملا۔ بلکہ ان سے شکائت ہے اور رنج ہے کہ ایک خاص امر کے واسطے ان کو ملا تھا اور انہوں نے ہمدردی نہ کی۔ میرے بھائی سے وہ کبھی نہیں ملے۔ میں نے ایک کتاب ۸۰ صفحہ کی لکھی ہے لیکھرام کے قتل کی بابت۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ لیکھرام کے قتل کی نشانی دہی کے مرزا صاحب ذمہ دار ہیں۔ کیونکہ بقول ان کے خدا ان کو ہر بات کی خبر دے دیتا ہے۔ قاتل کا کیوں پتہ نہیں دیتا۔ سوا اس کے صفحہ ۴۴ حرف f پر پیشگوئی ہے۔ اور کوئی پیشگوئی کلارک صاحب کی بابت مرزا صاحب نے نہیں کی۔ میں اہل حدیث ہوں جن کو پہلے غلطی سے وہابی کہتے تھے۔ خون کا پیاسا ہونے سے میرا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مرزا صاحب کے برخلاف ہوں ان کو ان کے پیرو کاٹ ڈالیں یعنی کاٹنے والے سمجھیں۔ یہ ان کی تعلیم ہے۔...... کتاب آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۰۰ پر جو سوال حرف s ہے وہ میں نے لکھا ہے اور جواب حرف آ رہے وہ مرزا صاحب کا ہے۔ براھین احمدیہ پر میں نے ریویو تصنیف کیا تھا۔...... اس وقت مرزا صاحب کے حالات اچھے تھے

اور میں نے ایسا ہی لکھا تھا۔ اور لکھا تھا کہ مرزا صاحب کے والد نے غدر میں امداد دی تھی۔ کتاب اشاعۃ السنۃ جلد ۱۳ میں میں نے مرزا صاحب کی نسبت کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ مرزا صاحب کو میں مسلمان نہیں سمجھتا۔ دہریہ ہے۔ مولوی غلام قادر حنفی مجھ کو فتنہ انگیز نہیں کہتا اور نہ اہل حدیث کو کافر کہتا ہے۔ ہماری تحریرات اور تعلیمات سے بھی لوگوں میں تنازعات ہیں مگر ایسے نہیں ہیں جن سے خون ہوں۔ عدالت میں بھی مقدمات ہوئے ہیں۔ میں نے سلطان روم (عثمانی خلیفہ) کی تائید اور ہمدردی میں ایک آرٹیکل لکھا ہے۔ مرزا صاحب نے سلطان روم کے برخلاف لکھا ہے۔ لیکھرام کے قتل کی بابت جو کچھ ہم نے کہا ہے کہ مرزا صاحب کی سازش سے قتل ہوا ہے وہ خود مرزا صاحب کی تحریروں سے اخذ کردہ ہے۔ مرزا صاحب اس قتل کے ذمہ وار ہیں۔ ان کو قاتل نہیں کہتا، نہ سازش ہے۔ وہ ذمہ وار نشان دہی کا اپنی تحریروں سے۔...... عبدالحمید کو ۸ یا ۹ اگست کو دیکھا تھا۔ ایک عیسائی اس کو ساتھ لئے جاتا تھا۔ بٹالہ میں میں ڈاکٹر کلارک صاحب کی کوٹھی پر نہیں گیا۔ پیشگوئی ہو نہ ہو کلارک صاحب کے مرنے سے مرزا صاحب فائدہ اٹھائیں گے۔ میرے مرنے سے بھی مرزا صاحب کو فائدہ ہوگا۔ میں عیسائیت کے بڑا برخلاف ہوں۔ بقلم محمد حسین'۔ (روحانی خزائن ج ۱۳ (کتاب البریۃ) ص ۵-۲۵۰)

اس مقدمہ کے دوران دیگر لوگوں کے بیانات بھی ہوئے۔ خود مرزا صاحب کا دو مرتبہ (دس اور بیس اگست کو) بیان ہوا۔ اور لکھا ہے کہ

'مقدمہ کی کارروائی کے بعد (فیصلہ سنانے سے پہلے) ڈپٹی کمشنر ڈگلس بہت پریشان تھے۔ ان کی پریشانی اتنی عیاں تھی کہ ان کے ریڈر غلام حیدر صاحب نے پوچھ ہی لیا کہ کیا وجہ ہے آپ اتنے پریشان ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مرزا صاحب اپنی شکل سے معصوم نظر آتے ہیں۔ ایسا شخص ایسے جرم کا ارتکاب نہیں کرسکتا' اس کے بعد اس نے 'ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس لیمار چنڈ کو بلایا۔ اور سارا قصہ سنا کر مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا...... جس لڑکے عبدالحمید نے بیان دیا ہے (کہ مرزا صاحب نے اسے کلارک کے قتل کے لئے امرتسر بھیجا تھا) ہمیں اپنے پاس لانے دیں (تاکہ ہم اس سے تفتیش کریں)...... چنانچہ ایسا ہی ہوا' (الفضل انٹرنیشنل ۲۶ ستمبر ۱۹۹۷ء ص ۱۳)

اور پھر پولیس نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کی قیادت میں تفتیش کی جسکے نتیجہ میں

عبدالحمید نے اپنا بیان بدل لیا۔ اور قادیانی کپتان ڈگلس کی انصاف پروری کے گن گاتے ہوئے لکھتے ہیں'

خود عیسائی حکومت میں پادریوں کی حمائت کر کے اپنے سے اوپر کے ذمہ دار افسروں کو خوش کرنے میں ذاتی منفعت بھی پیش نظر ہوسکتی تھی۔ لیکن کیپٹن ڈگلس نے ان باتوں کی پرواہ نہ کی اور انصاف سے کام لیا'۔ (الفضل انٹرنیشنل ۲۶ ستمبر ۱۹۹۷ء)

اس کیس کا فیصلہ ۲۳ اگست ۱۸۹۷ء کو ہوا اور اس میں ڈپٹی کمشنر نے لکھا کہ

(مرزا غلام احمد) بری کئے جاتے ہیں لیکن اس موقع پر مرزا غلام احمد کو بذریعہ تحریری نوٹس کے جس کو انہوں نے خود پڑھ لیا ہے اور اس پر دستخط کر دیئے ہیں باضابطہ طور سے متنبہ کرتے ہیں کہ ان مطبوعات اور دستاویزات سے جو شہادت میں پیش ہوئی ہیں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اشتعال اور غصہ دلانے والے رسالے شائع کئے جن سے ان لوگوں کی ایذا متصور ہے جن کے مذہبی خیالات اس کے مذہبی خیالات سے مختلف ہیں۔ جو اثر کہ اس کی باتوں سے اس کے بے علم مریدوں پر ہوگا اس کی ذمہ داری ان ہی پر ہوگی۔ اور ہم انہیں متنبہ کرتے ہیں کہ جب تک وہ زیادہ تر میانہ روی کو اختیار نہ کریں گے وہ قانون کی زد سے نہیں بچ سکتے۔ بلکہ اس کی زد کے اندر آ جاتے ہیں'۔

(روحانی خزائن جلد ۱۳ (کتاب البریۃ) صفحہ ۳۰۲۔۳۰۱)

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اشاعۃ السنہ کا وہ شمارہ ہمارے سامنے موجود نہیں جس میں مولانا بٹالویؒ نے مرزا صاحب کے تراشے ہوئے افسانے کا جواب دیا تھا اس لئے ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ آپ نے جواباً کیا لکھا تھا؟ تاہم مرزا صاحب نے اپنے ایک اشتہار میں مولانا کا ایک خط نقل کیا ہے جو اس معاملے کے بارے میں ہے اور ہم یہ خط مرزا صاحب ہی کے اشتہار سے نقل کرتے ہیں۔ جو یوں ہے۔

'از مقام بٹالہ مورخہ ۲۸ فروری ۱۸۹۸ء میاں غلام احمد صاحب خدا آپ کو راہ راست پر لائے اور ضلالت والحاد سے نجات بخشے والسلام علی من اتبع الھدی آپ کا خط ۲۸ فروری ۱۸۹۸ء پہونچا...... آپ نے کتاب البریۃ کے صفحہ ۱۱۔۱۴۔۱۵ میں تین دعوے کئے ہیں۔ اول یہ کہ محمد حسین نے صاحب ڈپٹی کمشنر سے کرسی طلب کی اور کہا کہ اس کو عدالت میں کرسی ملتی تھی اور اس کے باپ کو عدالت میں کرسی ملتی تھی۔ جس پر صاحب ڈپٹی کمشنر

نے اس کو تین جھڑکیاں دیں اور کہا کہ تو جھوٹا ہے۔ بک بک مت کر۔ دوسرا یہ دعویٰ کہ پھر وہ باہر کے کمرے میں ایک کرسی پر جابیٹھا تو کپتان صاحب پولیس کی نظر اس پر جاپڑی اور اسی وقت کنسٹیبل کی معرفت جھڑکی کے ساتھ اس کرسی سے اٹھایا گیا۔ تیسرا دعویٰ یہ کہ پھر وہ ایک شخص کی چادر لے کر اس پر بیٹھ گیا تو اس شخص نے چادر نیچے سے کھینچ لی...... میرے نزدیک یہ تینوں دعوے محض دروغ ہیں جن میں راستی کا شمہ دخل اور شائبہ بھی نہیں'۔ (مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۳۲ حاشیہ)

مرزا صاحب نے خط اتنا ہی نقل کیا ہے اس لئے معلوم نہیں کہ مولانا بٹالویؒ نے اور کیا کچھ لکھا تھا۔ تاہم اس واقعہ کے ۴۵ سال بعد ۱۹۴۲ء میں (جبکہ مولانا بٹالویؒ فوت ہو چکے تھے) مرزا محمود احمد نے اس واقعہ کا پھر ذکر کیا اور کہا کہ مولانا بٹالویؒ کو جوتیوں میں کھڑا ہونے کے لئے کہا گیا تھا تو مولانا امرتسریؒ نے قادیانیوں کے سربراہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا

'یہ کلام ایسا جھوٹ اور مکروہ افتراء ہے کہ (تمہارے) باپ کو بھی نہ سوجھا تھا۔ کیا خلیفہ قادیان کے مرید ہمیں بتا سکتے ہیں کہ عدالت میں جوتیوں کے لئے کوئی خاص جگہ ہوتی ہے جہاں مولانا (محمد حسین) مرحوم کو کھڑا ہونے کو کہا گیا؟ خلیفہ صاحب تو ان دنوں نابالغ بچے کی صورت میں پھدکتے پھرتے ہوں گے۔ پھر کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ یہ روائت ان سے کس نے بیان کی ہے۔ تا کہ ہم بھی اس راوی کا جائزہ لے سکیں کہ وہ جابر جعفی ہے یا اس سے کم و بیش'۔ (اہل حدیث امرتسر ۱۹ جون ۱۹۴۲ء ص ۵)

مولانا امرتسریؒ نے مزید فرمایا کہ

اس واقعہ کو مرزا صاحب کے اس الہام کا مصداق بتایا گیا جس میں ان کے بقول خدا ان کے مخاطب کر کے فرماتا ہے انی مھین من اراد اھانتک (اے مرزا جو تیری اہانت کا ارادہ بھی کرے میں اس کو ذلیل کروں گا) یہ الہام پیش کر کے نتیجہ نکالا ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب چونکہ مرزا صاحب کے خلاف عدالت میں گواہی دینے گئے تھے اس لئے خدا نے اس کو ذلیل کیا۔ یہ واقعہ صحیح ہو یا غلط۔ مگر اتنی بات تو بالکل صحیح ہے کہ اسی ضلع کے ڈپٹی کمشنر نے مولانا محمد حسین کے حفظ امن کا دعویٰ دائر کرنے پر مرزا صاحب سے یہ وعدہ لیا تھا 'میں اپنے الہام کی بنا پر کسی کی موت کی پیشگوئی نہیں کرونگا۔ اور مولوی محمد حسین کے حق میں توہینی الفاظ بطالوی وغیرہ ہرگز نہیں لکھونگا۔ اس واقعہ کے بعد مرزا

صاحب اپنے مخالفوں کے حق میں موت کی پیشگوئی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ کسی کو مباہلے کی دعوت کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ آپ اعجاز احمدی (ص ۱۴) میں لکھتے ہیں کہ" ہم موت کے مباہلہ میں اپنی طرف سے کوئی چیلنج نہیں کر سکتے۔ کیونکہ حکومت کا معاہدہ ایسے چیلنج سے ہمیں مانع ہے۔

(مولانا امرتسریؒ مزید لکھتے ہیں) کہ آہ نبوت مرزا چھن گئی۔ مخالفین کی موت کی پیش گوئیاں بند ہوگئیں۔ آتھم کی موت کے متعلق میعاد پور ہونے پر پبلک نے نعرے لگائے...... آسمانی منکوحہ کے ساتھ مرزا صاحب کا نکاح نہ ہونے پر عدالتوں میں ہنسی اڑائی گئی۔ مرزا سلطان احمد ناکح منکوحہ آسمانی کی زندگی مرزا صاحب کے لئے موجب ہتک ہوکر ان کی موت کا باعث بنی۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ مطابق دعا آخری فیصلہ (۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء) ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو لاہور میں جب آپ کا انتقال ہوا تو لاہور شہر میں آپ کی نعش مبارک کی جو توہین کی گئی خدا کسی کی نہ کرے۔ اپریل ۱۹۱۲ء میں بمقام لدھیانہ آخری فیصلہ پر مباحثہ ہوکر ساری جماعت احمدیہ کے لئے موجب ہتک و ندامت ہوا (اس کے متعلق پورے الفاظ دیکھنے ہوں تو پیغام صلح لاہور اپریل ۱۹۱۲ء ملاحظہ کیجئے جس میں لکھا ہے کہ قاسم علی (قادیانی مناظر) نے ساری جماعت احمدیہ کو ذلیل کیا) وغیرہ ذالک۔ مگر پھر بھی مرزا صاحب کی فتح کے نقارے بجائے جاتے ہیں'

(اہل حدیث امرتسر ۱۹ جون ۱۹۴۲ء صفحہ ۵)

آپ جانتے ہیں کہ قرآن پاک ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تصدیق کرتا ہے۔ مرزائیوں کی تحریروں کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ یہ ایک دوسری کی تکذیب کرتی ہیں۔ اور کرسی والہ معاملہ ہماری اس بات کی دلیل ہے کیونکہ ایک تحریر میں کچھ کہا گیا ہے اور کسی دوسری تحریر میں اس سے بالکل مختلف بات کہی گئی ہے۔ اور جب ہم ان تمام تحریروں کو ملا کر پڑھتے ہیں تو درج ذیل سوالات ذہن میں ابھر آتے ہیں۔

۱)۔ کرسی کا معاملہ ۱۰ اگست کو اٹھا تھا، یا ۱۳ کو؟ ملاحظہ فرمایئے الفضل انٹرنیشنل والہ وہ مضمون جس میں کہا گیا ہے کہ' عدالت کی کارروائی شروع ہوئی تو ڈپٹی کمشنر نے حضور کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس پر ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک نے مولوی محمد حسین صاحب کے لئے کرسی کی سفارش کی......' دوسری طرف مرزا صاحب نے کہا کہ جب مولوی محمد حسین'

گواہی کے لئے بلائے گئے تو انہوں نے آتے ہی پہلا سوال یہی کیا کہ مجھے کرسی ملنی چاہیے۔'
(روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۲۴۸)

مقدمے کی سماعت ۱۰۔ اگست کو شروع ہوئی اور اس روز مرزا صاحب کا (پہلا) بیان ہوا۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ وہ دس تاریخ کو عدالت میں گئے تو ڈپٹی کمشنر نے انہیں کرسی دی۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مولانا کے لئے کرسی کا مسئلہ دس تاریخ کو اٹھایا ہوگا۔ دوسری طرف یہ بات خود قادیانی روایات سے معلوم ہوتی ہے کہ مولانا ۱۳۔ اگست کو بیان دینے کے لئے آئے۔ اور جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ' سیدھے کھڑے ہو جاؤ' بک بک نہ کرو اور بیان دو' تو معلوم ہوتا ہے کہ کرسی کا مسئلہ ۱۳۔ اگست کو اٹھا ہوگا۔

۲)۔ بحث کس بات پر تھی؟ حکام کے روبرو کرسی ملنے پر یا عدالت میں کرسی ملنے پر؟ مرزا صاحب ایک جگہ کہتے ہیں کہ مولوی محمد حسین نے جھوٹ بولا' کہ اس کو عدالت میں کرسی ملتی ہے۔' (روحانی خزائن ج ۱۳ص ۳۳) ایک دوسری جگہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ مجسٹریٹ نے کہا' ہمارے پاس تمہارے کرسی ملنے کے بارے میں کوئی ہدائت نہیں۔' (مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۳۱) اور غلام حیدر ریڈر کہتا ہے (اور اس گواہی کو مرزائی اپنی صداقت کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں) کہ ڈپٹی کمشنر نے اس سے پوچھا' کیا مولوی صاحب کو حکام کے سامنے کرسی ملتی ہے؟ میں نے کرسی نشینوں کی فہرست پیش کر دی اور کہا کہ اس میں مولوی صاحب...... کا نام تو درج نہیں لیکن جب کبھی حکام سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے تو وہ...... کرسی دے دیا کرتے ہیں' (تاریخ احمدیت ج ۲ ص ۵۔۴۶۶) اور الفضل والے مضمون کے مطابق ریڈر نے ڈپٹی کمشنر کو بتایا کہ" فہرست میں ان کا نام تو نہیں ہے لیکن جب کبھی مولوی صاحب کو حکام سے ملنے کا موقع ہوتا ہے تو وہ ان کو دفتر میں کرسی دے۔ دیا کرتے ہیں،۔ مولوی صاحب عدالت میں موجود تھے اور انہوں نے بھی کرسی کا مطالبہ کیا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا کہ آپ کا نام ضلع کے کرسی نشینوں میں نہیں ۔ اس لئے کرسی پیش نہیں کی جاسکتی۔ اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ میں لاٹ صاحب یعنی گورنر پنجاب وغیرہ سے ملتا ہوں تو وہ کرسی پر بٹھا کر بات کرتے ہیں۔ ڈپٹی کمشنر نے کہا وہ نجی ملاقات ہوتی ہے۔ یہ عدالت ہے۔' (مذکورہ مضمون، ص ۱۲)

۳)۔ کرسی کا مطالبہ مولانا بٹالویؒ نے خود کیا تھا یا ان کے لئے کرسی کا مسئلہ کلارک نے اٹھایا تھا؟ اوپر درج شدہ بعض قادیانی تحریروں میں بتایا گیا ہے کہ کرسی کا مطالبہ مولانا نے

خود کیا تھا اور بعض میں کہا گیا ہے کہ ڈاکٹر کلارک نے مولانا کے لئے کرسی کا مسئلہ اٹھایا۔

۴)۔ کرسی نشینوں کی فہرست مولانا کی موجودگی میں ڈپٹی کمشنر کے ملاحظہ کے لئے پیش کی گئی یا مولانا کی عدم موجودگی میں؟

بعض تحریروں میں یہ کہا گیا ہے کہ کلارک نے جب مولانا کی عدم موجودگی میں ان کے لئے کرسی کی سفارش کی تو ڈپٹی کمشنر نے ریڈر سے استفسار کیا۔ ریڈر نے اس کے جواب میں فہرست پیش کردی جس کی بنیاد پر اس نے مولانا کو کرسی نہ دینے کا فیصلہ کیا۔

بعض دوسری تحریروں میں کہا گیا ہے کہ مولانا جب (۱۳ اگست کو) گواہی کے لئے آئے تو کرسی کا مطالبہ کیا۔ چونکہ ڈپٹی کمشنر نہیں جانتا تھا کہ مولانا کو کرسی ملتی ہے یا نہیں اس لئے اس نے ریڈر سے پوچھا جس نے فہرست نکال کر پیش کردی۔

۵)۔ کیا یہ بات ریڈر نے کہی تھی کہ حکام مولانا کو کرسی دیتے ہیں یا مولانا نے از خود یہ بات کہی تھی؟ بعض جگہ یہ بات مولانا سے منسوب کی گئی ہے اور بعض جگہ یہ بات ریڈر کی زبان سے کہلوائی گئی ہے۔

۶) کرسی نہ دینے کا فیصلہ مجسٹریٹ نے مولانا کی عدم موجودگی میں کیا تھا یا ان کی موجودگی میں؟

بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ کرسی نہ دینے کا فیصلہ پہلے ہی کیا جا چکا تھا۔ یعنی مرزا صاحب آئے اور انہیں کرسی دی گئی تو کلارک نے سفارش کی کہ (جب مولانا آئیں) تو انہیں بھی کرسی دے دی جائے۔ اسی پر ڈگلس نے اپنے ریڈر سے پوچھا تو اسے بتایا گیا کہ مولانا کا نام عدالتی کرسی نشینوں میں نہیں ہے تاہم حکام انہیں عندالملاقات کرسی دے دیتے ہیں۔ اس پر ڈگلس نے کلارک کی سفارش کو رد کرتے ہوئے حکم جاری کر دیا کہ مولانا کو کرسی نہیں دی جائے گی۔ یاد رہے کہ مرزا صاحب دس اگست کو پیش ہوئے اور بقول ان کے انہیں کرسی ملی۔ اور محمد حسین کی کرسی کے لئے بحث ہوئی۔

دوسری روائت کے مطابق جب مولانا عدالت میں آئے اور کرسی کا مطالبہ کیا تو ڈگلس نے ریڈر سے پوچھا۔ اور جب ریڈر نے کرسی نشینوں کی فہرست پیش کردی تو ڈگلس نے مولانا کے موجودگی میں (یعنی ۱۳ اگست کے روز) انہیں کرسی نہ دینے کا فیصلہ کیا۔

۷)۔ جس چادر سے مولانا بٹالویؒ کو مرزائیوں کے بقول اٹھایا گیا تھا وہ پہلے سے

بچھی ہوئی تھی یا مولانا نے کسی سے لیکر اسے خود بچھایا تھا؟

ایک بیان کے مطابق چادر پہلے سے بچھی ہوئی تھی جس کے ایک کونے پر مولانا بیٹھ گئے۔ دوسری روائت کے مطابق مولانا ان مسلمانوں سے چادر لے کر اسے بچھا کر بیٹھے

ان سوالوں کا جو بھی جواب دیا جائے وہ مرزا صاحب اور مرزائیوں کے جھوٹ کا ثبوت بنے گا کہ دونوں طرح کی تحریریں خود انہی کی ہیں اور انہوں نے دراصل ایک افسانہ تراش کر خود اپنے پاؤں اس روایاتی زلف یار میں الجھالئے ہیں جو مرزا صاحب اور ان کی آسمانی منکوحہ کی شب ہجراں کی طرح طویل ہے۔

چادر والی بات پر مزید توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ بٹالہ مولانا بٹالویؒ کا اپنا وطن تھا۔ اس شہر میں ان کے خاندان کی وسیع جائیداد تھی اور ان کا اپنا گھر اور ان کے والد صاحب کی بنائی ہوئی مسجد بھی اسی شہر میں تھی۔ جس روز مولانا کی گواہی ہوئی وہ مقدمے کے فیصلے کا دن نہیں تھا کہ مولانا اپنی گواہی کے بعد فیصلہ سننے کے لئے رک گئے ہوں۔ (مقدمے کا فیصلہ کئی روز بعد ہوا) نہ ہی اس روز مرزا صاحب کی گواہی تھی کہ اسے سننے کی خاطر مولانا کو اپنی گواہی سے فارغ ہونے کے بعد عدالت میں ٹھہرنے کا شوق ہو۔ جب اس روز نہ مرزا صاحب کی گواہی تھی۔ نہ وہ دن فیصلے کا دن تھا۔ نہ ہی مولانا کو دوسری مرتبہ گواہی کے لئے پیش ہونے کا پابند کیا گیا تھا اور نہ ہی انہیں عدالت میں تا اختتام مقدمہ موجود رہنے کے لئے مجسٹریٹ کی طرف سے پابند کیا گیا تھا۔ وہ نہ تو کسی کی قسم کی ضمانت پر تھے اور نہ ہی نظر بند تھے۔ انہیں اپنی گواہی سے فارغ ہونے کے بعد کمرہ عدالت کے باہر کسی جگہ رکنے کی کیا ضرورت تھی؟ بقول مرزا صاحب عدالت میں ان سے جس طرح کا سلوک ہو چکا تھا اس کے بعد انہیں عدالت میں موجود رہنے میں کیا دلچسپی ہوسکتی تھی؟ دوسری طرف بٹالہ ان کا اپنا شہر تھا۔ وہ مرزا صاحب کی طرح بٹالہ میں مسافر نہیں تھے کہ انہیں کمرہ عدالت سے باہر کسی برآمدے میں یا کسی درخت کے نیچے اپنا کیمپ لگانے کی ضرورت پڑتی۔ وہ ایک گواہ تھے اور اپنے شہر میں عدالت میں بطور گواہ پیش ہوئے تھے۔ گواہی ختم ہوئی اور ان کا کام ختم ہوا۔ انہیں نہ کسی ٹرین کے انتظار میں کسی جگہ وقت گذارنا مقصود تھا، نہ بس کے انتظار میں۔ وہ کمرہ عدالت سے نکل کر سیدھے گھر کیوں نہ چلے گئے؟

آیئے اس مقدمے کی کارروائی پر ایک نظر ڈالیں۔ سمن پر ڈپٹی کمشنر نے ۹۔ اگست کو

دستخط کئے اور مرزا صاحب کو دس اگست کو بٹالہ حاضری کے لئے طلب کیا۔ بٹالہ سے قادیان ۱۱ یا ۱۲ میل کے فاصلے پر ہے۔ کوئی عدالت ایک ایسے غیر مقامی شخص کو اگلے دن کے لئے سمن جاری کر کے طلب نہیں کرتی جس کے گاؤں تک نہ ریل جاتی ہو نہ موٹر۔ (۱۸۹۷ء کے قادیان کو نہ ریل جاتی تھی نہ موٹر)۔ نہ ہی کوئی شخص سمنوں کی وصولی کے بغیر مقدمے کی پیروی کے لئے حاضر عدالت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ سمن ہی اسے بتاتے ہیں کہ اس کے خلاف کوئی مقدمہ عدالت میں دائر ہے۔ دس تاریخ کو ڈاکخانہ کھلنے تک (یعنی سمن وصول ہونے سے پہلے) مرزا صاحب کو بٹالہ میں اپنے خلاف کسی مقدمے کے وجود کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔ اندریں حالات اپنے وکیل اور لاؤ لشکر کو لیکر قادیان سے ان کا بٹالہ میں دس تاریخ کو عدالت کا وقت شروع ہونے سے بھی پہلے پہنچ جانا ذرا وضاحت طلب ہے۔

کیا ایسا تو نہیں کہ یہ سب کچھ پہلے سے طے شدہ معاملہ تھا۔ مرزا صاحب کو کسی ذریعہ سے یہ بات پہنچا دی گئی کہ ڈاکٹر کلارک نے تمہارے خلاف شکائت کر رکھی ہے۔ نو اگست کو، دس اگست کے لئے تمہاری حاضری کے سمن جاری کئے جائیں گے، تم کہیں قریب ہی رہنا اور فوراً حاضر ہو جانا۔ دکھاوے کی کارروائی ہو گی۔ گواہ پر تھرڈ ڈگری استعمال کر کے اس کا بیان بدلوا دیں گے اور تمہیں بری کر دیں گے۔ اور ہاں دکھاوے کے لئے فیصلہ میں تمہیں دو چار جھڑکیاں سنا دیں گے۔ لیکن اس سے تمہارا کوئی حرج نہیں ہوگا۔ تم کپڑے جھاڑ کر پھر کھڑے ہو جانا اور گھبرانا نہیں کہ سہاگن وہی ہوتی ہے جسے پیا کی خوشنودی حاصل ہو۔

ادھر ڈاکٹر مارٹن کلارک کے نام سے خیال ہوتا ہے کہ وہ انگریز تھے۔ اور اس حیثیت میں انگریز حکام پر اثر ورسوخ رکھتے تھے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ وہ ایک مجہول النسب شخص تھے اور ایک انگریز پادری کے لے پالک تھے جیسا کہ الفضل انٹرنیشنل والے مذکورہ بالا مضمون میں لکھا ہے کہ وہ

'ایک پٹھان عورت کے بیٹے تھے جس نے انہیں پشاور کے مشن ہسپتال میں جنا۔ انہوں نے عدالت کو بتایا کہ ان کو اپنے باپ کے نام کا علم نہیں۔ ایک بڑے پادری رابرٹ مارٹن کلارک نے لے پالک بنا کر ان کی پرورش کی اور ان کو اپنے نام مارٹن کلارک کے ساتھ ہنری نام دیا'

اس دور کے ہندوستان کی انگریز سوسائٹی میں ایک درجہ بندی تھی اور اس کی رو سے وہ

لوگ بھی حقیر اور ادنیٰ سمجھے جاتے تھے جن کے ماں باپ دونوں انگریز نہ ہوں۔ اور جو مجہول النسب، دیسی شخص، خالصتاً ان کے ٹکڑوں پر پلا ہو، اس کی ان کے ہاں کیا حیثیت ہوسکتی تھی؟ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ایک پادری کی حمائت کر کے ڈگلس اپنے حکام بالا کی خوشنودی حاصل کرسکتا تھا (جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اس نے اپنی انصاف پسندی کی خاطر حکا مالا کی خوشنودی کی پرواہ نہ کی) تو عرض ہے کہ برصغیر کے انگریز معاشرے میں انگریز حکام اپنے ہم وطن انگریز پادریوں کو بھی اپنے سے فروتر سمجھتے تھے اور انہیں وہ عزت نہیں دیتے تھے جو انہیں انگلستان میں حاصل تھی۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے وومن آف دی راج۔ از مارگریٹ میکملن طبع ۱۹۸۸ء ص ۴۲ تا ۴۸۔

اس انگریزی کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے ہند میں موجود انگریزوں میں ہر بات Precedent کے مطابق طے ہوتی تھی جس کے مطابق انگریز ڈپٹی کمشنر جو انڈین سول سروس یعنی انگریزوں کے اعلیٰ طبقے کا فرد تھا ایک انگریز پادری کو وہ اہمیت قطعاً نہیں دیتا تھا جو قادیانی حضرات ظاہر کرتے ہیں۔ اور مارٹن کلارک تو ایک دیسی اور مجہول النسب پادری تھا اور اس جیسے شخص کی شکائت پر ایک انگریز افسر کسی ایسے فرد کو باندھ نہیں سکتا تھا جس کے باپ نے آڑے وقت میں گھوڑوں اور سواروں کے ساتھ ان کی مدد کی تھی اور جو شخص کئی عشروں سے ان کے مفادات کی پشتیبانی میں مصروف تھا۔ انگریز اتنے کوتاہ نظر نہیں تھے کہ اپنے ایک وفادار خادم کو جو دن رات ان کے استعمار کے دوام کی دعائیں مالگ رہا تھا اور بقول خود انگریزوں کے لئے حرز سلطنت تھا (جیسا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں' میں گورنمنٹ کے لئے بمنزلہ حرز سلطنت ہوں' (مجموعہ اشتہارات ج ۲ ص ۳۷۰۔۱) ایک مجہول النسب پادری کی خاطر مجرم بنا کر سزا دے دیتے۔ اگر ڈپٹی کمشنر ایسا کرتا تو اس کو لینے کے دینے پڑ جاتے۔ تاہم اسے ہندوستانی رعایا کے سامنے اپنے انصاف کا علم بھی اونچا رکھنا مقصود تھا اور اس کا مسئلہ یہ بھی تھا کہ شہادتوں کے موجب مرزا صاحب پر الزام ثابت ہو رہا تھا اور انہیں چھوڑ نا انصاف کا منہ چڑانے کے مترادف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ خود مرزائی روایت کے مطابق (جو پہلے نقل کی جاچکی ہے) وہ پریشان تھا۔ اور اس نے پولیس افسر سے مشورہ کیا۔ پولیس افسر نے کہا کہ جس شخص کے بیان پر مقدمہ ہے اسے ہمارے حوالے کردو اور چین کی نیند سوجاؤ کہ پھر ہم جانیں اور ہمارا کام۔

مقدمے سے متعلق مرزائیوں کی تحریروں کا مزید جائزہ لیں تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ سب ایک ڈھونگ تھا۔ مرزا صاحب نے خود بتایا ہے کہ اس مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی اور وہ

عدالت میں گئے تو ڈپٹی کمشنر نے انہیں کہا

'گوڈاکٹر کلارک آپ پر اقدام قتل کا الزام لگا تا ہے۔مگر میں نہیں لگاتا'

(تاریخ احمدیت۔ج ۲۔ص ۴۶۲۔بحوالہ حیات احمد ص۔۲۰۵)

کیا اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ وہ پہلے سے ایک فیصلہ کر چکا تھا۔اور اپنی ایک رائے قائم کر چکا تھا۔ جو لوگ انصاف اور قانون کے حلقوں سے تعلق رکھتے ہیں وہ بتا سکتے ہیں کہ جو جج یا مجسٹریٹ آغاز مقدمہ پر مدعا علیہ سے کہہ دے کہ وہ اس کے نزدیک بے گناہ ہے وہ جج اور مجسٹریٹ کیسا ہوتا ہے؟ اور کیا اسے انصاف کی کرسی پر بیٹھنے کا کوئی حق باقی رہ جاتا ہے؟ اور کیا ایسا شخص ایک منصف حاکم کہلا سکتا ہے؟ اور کیا ایسی رائے کا اظہار کر دینے کے بعد کی جانے والی کارروائی ڈھونگ نہیں کہلائے گی؟

مزید یہ کہ مرزا صاحب مدعا علیہ تھے۔ مانا، کہ انہیں کرسی ملتی ہوگی لیکن دس اگست کو وہ ملزم کی حیثیت سے عدالت میں آئے تھے۔اس موقع پر ان کو کرسی دینا ناانصافی تھی۔ اور اگر انہیں کرسی پیش کرنا ضروری تھا تو عبدالحمید (جس کے بیان کی بنا پر مقدمہ قائم ہوا تھا) بھی کرسی کا مستحق تھا۔عبد الحمید کو تو ہماری معلومات کے مطابق کرسی نہیں دی گئی۔اس کے برعکس اسے پولیس کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہونے کے لئے پولیس کے سپرد کر دیا گیا۔مرزا صاحب کو اس ناانصافی پر احتجاج کرنا چاہئے تھا۔انہیں کرسی لینے سے انکار کر دینا چاہئے تھا۔اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ اگر ایک قاضی ، مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان مساوات کا سلوک نہ کرے تو اس قاضی کو معزول کر دیا جائے۔مرزا صاحب ڈگلس کو اس کے عہدے سے معزول تو شائد نہیں کر سکتے تھے۔لیکن وہ کرسی پر بیٹھنے سے انکار تو کر سکتے تھے۔

مرزائی حضرات کی تحریروں میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے ان سے تو کرسی کے بارے میں (اگر واقعی کرسی کا مسئلہ اٹھا تھا) مولانا بٹالویؒ کا کوئی جھوٹ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان روایات کے مطابق انہوں نے یہی تو کہا تھا کہ لاٹ صاحب اسے کرسی دیتے ہیں ۔مرزائی روایات کے مطابق یہی بات کے ریڈر نے بھی بتائی ہے اور ڈپٹی کمشنر نے خود بھی اس کی تردید نہیں کی ہے۔ایک صحیح بات کو سن کر ایک ڈپٹی کمشنر اپنے گورنر کے ہاں عزت پانے والے شخص کو 'بک بک نہ کر' کے الفاظ سے جھڑکے تو اس افسر کے دماغ کا معائنہ کروایا جانا اشد ضروری تھا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ جب مولانا بٹالویؒ نے کہا کہ لاٹ صاحب مجھے کرسی

دیتے ہیں تو یہ جھوٹی بات سن کر صاحب بہادر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا بک بک مت کر۔ پیچھے ہٹ اور سیدھا کھڑا ہو جا (روحانی خزائن ج ۱۳ ص ۳۰) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بک بک والی بات ڈپٹی کمشنر نے اس وقت کہی جب مولانا نے لاٹ صاحب کے ہاں کرسی دیئے جانے کا ذکر کیا جسے بقول مرزا صاحب ڈپٹی کمشنر نے جھوٹ قرار دیا۔

اس افسانے کے جھوٹے ہونے کی دلیل اسی بات میں موجود ہے کہ جب ڈپٹی کمشنر کا ریڈر کہہ اور مان رہا ہے کہ مولانا کو لاٹ صاحب کے ہاں کرسی ملتی ہے تو جھوٹ کیا ہوا؟ اور جب آپ نے کوئی جھوٹ نہیں بولا تو ڈپٹی کمشنر کے غصہ اور غصہ میں کہے ہوئے اس کے الفاظ 'بک بک مت کر' وغیرہ کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے؟

کرسی والے اس افسانے کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے ثابت کیا ہوگا؟ یہی نا، کہ مولانا محمد حسینؒ انگریزوں کے مبغوض تھے۔ جبھی تو انہیں گواہ کی حیثیت میں پیش ہونے پر بھی جھڑکیاں ملیں۔ وہ نہ تو مستغیث تھے نہ مدعا علیہ۔ وہ صرف ایک گواہ تھے اور گواہ ایک لحاظ سے عدالت کا مہمان اور مددگار ہوتا ہے جو صحیح فیصلے پر پہنچنے میں مدد کرنے کے لئے وہاں بلایا گیا ہوتا ہے۔ گواہی دینے سے پہلے عدالت کو معلوم نہیں ہو سکتا کہ کوئی گواہ جھوٹی گواہی دے گا جو گواہی سے پہلے ہی اس پر عدالت اپنا غصہ اتار لے۔ اس مقدمے میں مرزائیوں کے بقول عدالت نے گواہی سے بھی قبل ایک گواہ کو جھڑکیاں پلائی ہیں تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ حاکم عدالت اس سے بیر رکھتا تھا۔ اور جو حاکم عدالت کینہ پرور ہو وہ منصف مزاج کیسے ہو سکتا ہے اور اس کے انصاف کے گن گانا کہاں کی انصاف پسندی ہے؟

اس افسانے کو درست مان لینے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحب انگریزوں ہی کا خود کاشتہ پودہ تھے کیونکہ کوئی باغبان نہیں چاہتا کہ اس کے لگائے ہوئے پودے سوکھ جائیں یا کوئی انہیں اکھاڑ کر پھینک دے۔ باغبان اپنے لگائے ہوئے پودوں کو بادصرصر سے بچاتا ہے۔ ضرورت کے مطابق کھاد ڈالتا ہے۔ باقاعدگی سے پانی دیتا ہے۔ اور پودہ بیمار ہو جائے تو زرعی ادویات سے اس کا علاج کرتا ہے۔ مرزا صاحب جب بدعویٰ خود انگریز کے خود کاشتہ پودے تھے تو کیا انگریز انہیں قید و بند میں ڈال کر جھلسا دیتا؟ یا انہیں پھانسی کے تختے پر کھڑا کر کے رستہ کھنچوا کر کٹوا دیتا؟ اور اگر مرزا صاحب کا یہ دعویٰ کہ وہ انگریزوں کے خود کاشتہ پودہ ہیں، جھوٹا تھا، تو مرزائی حضرات خود ہی فیصلہ کر لیں کہ ایک جھوٹا دعویٰ کرنے والہ

شخص مسیح یا مھدی یا نبی کیسے ہوسکتا ہے؟

اس مقدے کی مسل مرزا صاحب نے اپنے لٹریچر میں شائع کی ہوئی ہے۔ اور ہم نے بھی اس مسل کو وہیں دیکھا ہے۔ یہ مسل بکف چراغ دارد والہ معاملہ ہے کیونکہ ایک طرف مرزا صاحب اور ان کے ماننے والے کہتے ہیں کہ اس مقدمے کے دوران مولانا بٹالویؒ نے جھوٹی گواہی دی دوسری طرف پوری مسل میں وہ کسی ایک جگہ کی نشان دہی بھی نہیں کر سکتے کہ مولانا کی گواہی میں یہ بات جھوٹ تھی۔ مولانا کی گواہی ہم درج کر چکے ہیں۔ اگر آج بھی کوئی مرزائی یہ دکھا سکے کہ مولانا نے اس میں یہ بات جھوٹ کہی ہے تو ہم اس کے ممنون ہوں گے۔ کوئی بتائے کہ مجسٹریٹ نے کس جگہ مقدمہ کی مسل میں اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ بٹالوی صاحب نے فلاں بات جھوٹ کہی ہے۔ کوئی بتائے کہ مسل میں کس جگہ مرزا صاحب نے خود یا ان کے وکیل نے یا مجسٹریٹ نے کہا ہے کہ بٹالوی صاحب تمہاری یہ بات جھوٹ ہے۔ ہاں جس بات کو مرزا صاحب نے اپنی تحریروں میں مولانا بٹالویؒ کا جھوٹ قرار دیا ہے اس بات کا تو گواہی سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ وہ بات اگر واقعتاً ہوئی ہے تو وہ اس بحث کا حصہ ہے کہ گواہ، گواہی کس حالت میں دے گا۔ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر۔ اگر بیٹھ کر گواہی دے گا تو کس چیز پر بیٹھ کر، اور اگر کھڑا رہ کر گواہی دینا ہے تو کہاں؟ اور گواہی سے پہلے کا وقت اسے عدالت میں کرسی پر بیٹھ کر گزارنے کی اجازت ہے یا اسے کھڑے رہنا پڑے گا۔ اس بحث اور اس کے نتیجے کا نفس گواہی سے کیا تعلق؟

مرزا صاحب نے اس عدالتی واقعہ سے اپنے آپ کو مسیح موعود ثابت کرنے کو کوشش بھی کی ہے اور اس مقدمے کی حضرت مسیح ابن مریمؑ کے اس مقدمے کے ساتھ مشابہتیں تلاش کی ہیں جو ان پر رومیوں کی عدالت میں چلایا گیا تھا۔ آپ فرماتے ہیں

> ۱۸۰۰ برس کے بعد وہی عیسیٰ پھر پیدا ہوگیا اور وہی یہودی پھر پیدا ہو گئے...... (ان نئے یہودیوں نے) میرے مقابل پر وہ کام کئے جو اس وقت کے یہودیوں نے کئے تھے۔ یہاں تک کہ میرے ہلاک کرنے کے لئے ایک خون کا مقدمہ بھی بنایا گیا (جو) حضرت عیسیٰ بن مریم کے مقدمہ سے بہت سخت تھا...... وہ اقدام قتل کا دعویٰ تھا اور جیسا کہ مسیحؑ کے مقدمہ میں یہودی مولویوں نے جا کر گواہی دی تھی، ضرور تھا کہ (میرے) اس مقدمہ میں بھی کوئی مولویوں میں سے گواہی دیتا۔ اس کام کے لئے خدا نے مولوی محمد

حسین بٹالوی کا انتخاب کیا۔ وہ ایک بڑا لمبا جبہ پہن کر گواہی دینے کے لئے آیا۔ اور جیسا کہ سردار کاہن، مسیح کو صلیب دلانے کے لئے عدالت میں گواہی دینے کے لئے آیا تھا۔ یہ بھی موجود ہوئے۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ سردار کاہن کو پیلاطوس کی عدالت میں کرسی ملی تھی۔ کیونکہ یہودیوں کے معزز بزرگوں کو گورنمنٹ رومی میں کرسی ملتی تھی اور بعض ان میں سے آنریری مجسٹریٹ بھی تھے۔ اس لئے سردار کاہن نے عدالت کے قواعد کے لحاظ سے کرسی پائی...... اور مسیح بن مریم ایک مجرم کی طرح عدالت کے سامنے کھڑا تھا۔ لیکن میرے مقدمہ میں اس کے برعکس ہوا۔ یعنی یہ کہ برخلاف دشمنوں کی امیدوں کے کپتان ڈگلس نے جو پیلاطوس کی جگہ عدالت کی کرسی پر تھا مجھے کرسی دی۔ اور جب مولوی محمد حسین نے جو سردار کاہن کی طرح مخالفانہ گواہی کے لئے آیا تھا مجھے کرسی پر بیٹھا ہوا پایا (اور) وہ بھی اس پیلاطوس سے کرسی کا خواہش مند ہوا۔ مگر پیلاطوس نے اسے ڈانٹا اور زور سے کہا کہ تجھے اور تیرے باپ کو کبھی کرسی نہیں ملی۔ ہمارے دفتر میں تمہاری کرسی کے لئے کوئی ہدائت نہیں'۔ (روحانی خزائن ج ۱۹ص ۵۴۔ ۵۶)

قارئین خود دیکھ لیں کہ بقول مرزا صاحب پرانے دور میں یہودیوں کے معززین کو رومی حکومت کے دربار میں کرسی ملتی تھی اور مرزا صاحب کے دور میں مرزا صاحب کرسی نشینوں میں تھے۔ پرانے دور میں مسیحؑ کو مجرم نہ ہونے کے باوجود عدالت میں کھڑا کیا گیا اور مرزا صاحب کے دور میں مولانا بٹالویؒ کو بغیر کسی جرم اور بغیر کسی مقدمے کے (مرزا کے بقول) عدالت میں جھڑکیاں دے کر کھڑا کیا گیا۔ کس کی، کس کے ساتھ مشابہت ہوئی؟

پھر بقول مرزا صاحب، مسیحؑ کے خلاف جھوٹی گواہیاں دی گئیں اور انہیں مجرم قرار دیا گیا یہاں مرزا صاحب بری ہوئے تو انہیں مسیحؑ سے کیا مشابہت ہوئی؟

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ مسیحؑ کو صلیب پر چڑھایا گیا مگر ان کو موت واقع نہیں ہوئی بلکہ ان کے حواریوں نے انہیں صلیب سے اتار کر چھپا دیا اور پھر وہ اپنی طبعی عمر گذرا کر ۸۷ سال بعد سری نگر میں فوت ہوئے (مہر منیر ص ۵۲۲) مرزا صاحب کو نہ صلیب پر چڑھایا گیا۔ نہ کسی نے صلیب سے اتار کر انہیں چھپایا۔ نہ وہ کشمیر یا کشمیر جیسے کسی سرد مقام پر ۸۷ سال رہے اور نہ اس کی عمر (مرزا صاحب کے) مسیح کی طرح ۱۲۰ سال ہوئی۔ مسیح ابن مریمؑ کی ایک بھی شادی نہ ہوئی اور مرزا صاحب تیسری کے خواب دیکھتے رہے۔ مسیحؑ کا ایک بھی بچہ نہ ہوا

ادھر مرزا صاحب ایک درجن کے لگ بھگ بچوں کے باپ بنے۔ مرزا صاحب کو مسیحؑ سے آخر کس بات کی مشابہت ہے؟ کیا مرزا صاحب صلیب پر چڑھے؟ کیا انہیں اس مقدمہ میں مسیحؑ کی طرح کھڑا رکھا گیا؟ کیا ان کے خلاف بھگتنے والے گواہوں کو یہودیوں کی طرح عدالت میں بیٹھنے کے لیے کرسیاں ملیں؟

مرزا صاحب پر کرسی والے اس مقدمے کے بعد ایک اور مقدمہ بھی ہوا تھا۔ وہ ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ تھا اور مرزا صاحب اور ان کے مرید حکیم فضل دین بھیروی پر مواہب الرحمٰن نامی کتاب کی ایک عبارت کی بنا پر درج ہوا تھا۔ اس مقدمہ میں مرزا صاحب دو سال سرگرداں رہے اور ان کے تمام کس بل نکل گئے۔ عبدالحمید والے مقدمے کے بعد انہوں نے بڑی شیخی سے کہا تھا کہ انہیں عدالت میں کرسی دی گئی اور حاکم عدالت نے کہا کہ یہ مولوی نہیں بلکہ ایک رئیس آدمی ہیں اور ان کے باپ کو بھی کرسی ملتی تھی۔ مواہب الرحمٰن والے مقدمے میں جو ایک عرصہ تک چلتا رہا، مرزا صاحب کو حاضری کے دنوں میں گھنٹوں کے حساب سے عدالت میں کھڑا رکھا جاتا تھا۔ اور عدالت میں کھڑے ہونے کو انہوں نے مولانا بٹالویؒ کی ذلت قرار دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ ادھار نہیں رکھا، بلکہ فوراً حساب چکتا کر دیا کہ عدالت میں کھڑے ہونا اگر ذلت ہے تو محمد حسینؒ کو صرف اسی ایک دن کھڑا رکھا گیا ہوگا جس دن اس کی گواہی تھی اور تمہارے ساتھ یہ ذلت مہینوں کے حساب سے چسپاں رہی۔

یہ مقدمہ جہلم میں ۲۶ جنوری ۱۹۰۳ء کو دائر ہوا تھا۔ بعد میں گورداسپور منتقل ہوا۔ مولوی کرم الدین ولد مولوی صدرالدین قوم اعوان ساکن موضع بھیں تحصیل چکوال مستغیث تھے اور مرزا غلام احمد ملزم نمبر ا، اور حکیم فضل دین ملزم نمبر ۲ تھے۔ اس مقدمہ کی فرد جرم یہ ہے

'میں لالہ چندو لعل مجسٹریٹ اس تحریر کی رو سے تم مرزا غلام احمد ملزم پر حسب تفصیل ذیل الزام قائم کرتا ہوں کہ تم نے کتاب مواہب الرحمٰن تصنیف کر کے شائع کی جس میں مستغیث کی نسبت الفاظ لئیم، بہتان عظیم اور کذاب استعمال کئے۔ جو اس کی توہین کرتے ہیں اور یہ کہ تم نے تاریخ ۱۷ جنوی ۱۹۰۳ء کو یا اس کے قریب موقعہ جہلم میں شائع کئے۔ لہٰذا تم اس جرم کے مرتکب ہوئے جس کی سزا مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲ میں مقرر ہے اور جو میری سماعت کے لائق ہے۔ اور میں اس تحریر کے ذریعہ حکم دیتا ہوں کہ تمہاری تجویز بربنائے الزام مذکور عدالت موصوفہ (یا ہمارے) روبرو عمل میں آئی۔

عدالت صاحب مجسٹریٹ درجہ اول۔ نوٹ: ملزم عدالت کی اجازت سے غیر حاضر ہے اس کو واسطے جواب کے بتقرر ۱۴ مارچ ۱۹۰۴ء طلب کیا جاوے۔

’اس مقدمے کی ایک پیشی ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۰۳ء مقرر ہوئی اس دن عدالت میں مستغیث کا بیان قلم بند ہوا اور گواہ استغاثہ جناب برکت علی صاحب کی شہادت ہوئی جس کے بعد تاریخ پیشی ۱۲۔۱۳ نومبر ۱۹۰۳ء مقرر ہوئی۔ نومبر کی اس تاریخ کو فقط مرزا غلام احمد پیش ہوئے جبکہ دوسرے ملزم کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ بیمار ہیں اور انہیں حاضری سے معذور سمجھا جائے۔ لیکن وکلا استغاثہ نے اصرار کیا کہ وہ ضمانت پر ہیں اور ان کی حاضری عدالت میں انتہائی ضروری ہے۔ مجسٹریٹ لالہ چندو لال نے حکم دیا کہ ملزم نمبر ۲ حکیم فضل دین کو اگر وہ بیمار ہیں تو چار پائی پر اٹھا کر لایا جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی اور قادیانی حکیم صاحب کو چار پائی پر اٹھا کر لے آئے۔ یہ نظارہ دیدنی تھا۔ گواہوں کی شہادت قلم بند ہوئی۔ گواہوں کے نام مندرجہ ذیل تھے: مولوی محمد علی ایم اے وکیل، ملک تاج دین واصل جہلم، مولانا ابوالوفا ثناء اللہ، مولوی عبدالسبحان ساکن مسانیاں، مولوی اللہ دتہ ساکن سوہل...... ۱۳ نومبر کو مولوی کرم دین پر جرح شروع ہوئی جو ۱۴ اور ۱۵ نومبر کو بھی جاری رہی۔ قادیانی وکلاء ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی مولوی صاحب کو گمراہ کرنے میں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اس کے بعد اگلی پیشی کی تاریخ ۱۵ دسمبر مقرر ہوئی۔ ۱۵ دسمبر والی پیشی میں گواہان استغاثہ بھی حاضر تھے اور مرزا غلام احمد بھی عدالت میں پیش ہوئے۔ مولوی غلام محمد قاضی تحصیل چکوال کی شہادت ہوئی جس کے بعد عدالت کی کارروائی اگلے روز ۱۶ دسمبر تک کے لئے ملتوی ہوگی۔ ۱۶ دسمبر کو مولوی برکت علی منصف بٹالہ کی شہادت شروع ہوئی۔ موصوف چونکہ علاقے کی مشہور شخصیت تھے اس لئے دور ونزدیک سے کافی لوگ کارروائی سننے کے لئے عدالت میں موجود تھے۔ مرزائی وکلا نے بڑی محنت سے مولوی برکت علی پر جرح کی تاکہ ان کی کسی بات سے مقدمہ میں انہیں مدد مل سکے۔ لیکن مولوی صاحب نے اپنی قابلیت اور فہم وفراست سے قادیانیوں کو ان کے مقصد میں ناکام بنا دیا۔ اثناء جرح میں وکیل ملزمان خواجہ کمال دین نے ایک عربی تحریر استغاثہ کے گواہ مولوی برکت علی کے سامنے پیش کر کے اس کا اردو ترجمہ کرنے کو کہا۔ عدالت نے اسے کار فضول سمجھ کر انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ اس پر مولوی برکت علی صاحب نے

ایک عربی نظم ہاتھ میں لے کر مرزا صاحب کی طرف بڑھائی اور کہا کہ آپ کو عربی کی لیاقت پر اتنا ناز ہے تو آپ اس نظم کا اردو ترجمہ کردیں۔ میں عدالت میں آپ کا مرید ہونے کا علان کر دونگا۔ مرزا صاحب نظم دیکھتے ہی منقار زیر پر ہوگئے۔ ۱۷ دسمبر کو مرزا صاحب کے خلاف مشہور اہل حدیث عالم مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری جو مرزا صاحب کے مدمقابل کی حیثیت سے کافی شہرت حاصل کر چکے تھے پیش ہوئے۔ قادیانی حضرات خاص طور پر مولانا کو دیکھنے کے لئے ایک کثیر تعداد میں عدالت میں موجود تھے مولانا پر جرح کے لئے قادیانیوں نے اپنے علما کی ایک کثیر تعداد بھی طلب کر رکھی تھی۔ ان میں ان کے مشہور و معرف عربی دان مولوی محمد احسن امروہی بھی تھے۔ چنانچہ قادیانی وکلا اور علما کی متفقہ کوششوں سے وہ سوالات مرتب ہوئے جو کمرہ عدالت میں مولانا امرتسری سے پوچھے گئے۔ لیکن آپ کا ہر جواب مرزائیوں کو حیران وششدر کر دیتا تھا۔ قادیانیوں نے مولانا کو رگیدنے کی انتہائی کوشش کی لیکن مولانا ہر بار اپنے جواب سے انہیں ناکام کر دیتے۔ آخر مرزائیوں نے جب غیر متعلقہ سوالات کا ذکر چھیڑ دیا تو عدالت نے مداخلت کر کے جرح کو وہیں روک دیا اور یوں حیات مسیح، وفات مسیح کی بحث کا قادیانی منصوبہ بھی ناکام ہوگیا۔ غرض ۱۷ دسمبر سے ۱۹ دسمبر تک مولانا ثناء اللہ امرتسری پر قادیانی جرح کرتے رہے۔ اور ۱۹ دسمبر کو عدالت کی کارروائی ۱۳ جنوری ۱۹۰۴ء تک کے لئے ملتوی ہوگئی۔ ۱۳ جنوری کو عدالت میں جم غفیر تھا۔ مسلمان اور قادیانی دونوں موجود تھے۔ استغاثہ کے وکیل بابو مولامل اور خود مولوی کرم دین صاحب نے اس بحث کو انتہائی مئوثر طریقے سے جاری رکھا۔ مرزا غلام احمد چونکہ عدالت میں موجود تھے اس لئے مولوی کرم دین صاحب کے انداز گفتگو میں بلا کی روانی اور جوش پایا جاتا تھا۔ چنانچہ اسی روز عدالت کی کارروائی کے بعد مرزا صاحب شدید بخار کی لپیٹ میں آگئے۔ اور دوسرے روز مرزا صاحب نے اپنی بجائے بیماری کا سرٹیفیکیٹ بھجوا کر جان بچائی۔ ۱۴ جنوری کی اس کارروائی میں دوسرے ملزم حکیم فضل دین نے اپنے وکیل کے ذریعہ عدالت میں مقدمہ کے التواء کی درخواست دے دی کیونکہ وہ زیر دفعہ ۵۲۶ ضابطہ فوجداری مقدمہ دوسری عدالت میں منتقل کرنے کی درخواست دینا چاہتا تھا'

(ص ۲۴۰۔ ۲۴۱ تاریخ محاسبہ قادیانیت۔ بحوالہ تازیانہ عبرت مولوی کرم دین دبیر)

پھر ۸ مئی ۱۹۰۴ء کو مقدمہ پیش ہوا۔ ہر روز پیشی ہوتی شہادات گواہان ذیل منجانب استغاثہ ماہ اگست ۱۹۰۴ء تک ختم ہوئی۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے وکیل، مولوی ثناء اللہ صاحب فاضل امرتسری، مولوی محمد جی صاحب قاضی جہلم، مولوی غلام محمد صاحب قاضی تحصیل چکوال۔ بعد میں گواہان استغاثہ کو دوبارہ بلایا گیا مولوی ثناء اللہ، مولوی محمد جی، مولوی برکت علی صاحب منصف بٹالہ اور مولوی محمد علی لاہوری پر جرح مکرر ہوئی۔ ۲۶۔ اگست ۱۹۰۴ء کو ملزمان کی طرف سے گواہوں کی فہرست داخل ہوئی اور لالہ آتما رام مہتہ مجسٹریٹ درجہ اول ضلع گورداسپور نے ۸۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو فیصلہ سنایا۔ ملزم نمبر۱ کو ۵۰۰ روپے جرمانہ اور ملزم نمبر۲ کو ۲۰۰ روپے جرمانہ ہوا۔ عدم ادائیگی پر ملزم نمبر۱ کو ۶ ماہ قید اور ملزم نمبر۲ کو ۵ ماہ قید سنائی گئی۔ بعد میں اپیل پر جرمانہ معاف ہوا۔

(مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی امت کی حقیقت۔ص ۱۱۰)

ہم نے اس مقدمے کا ذکر اس لئے کیا کہ مرزا صاحب نے ڈاکٹر کلارک والے مقدمے میں بڑی تعلّی سے کہا تھا کہ وہ خاندانی کرسی نشین ہیں اور عدالت میں انہیں کرسی دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب کا ادھار باقی نہیں رکھا اور مولوی کرم دین والے اس مقدمے جو مجسٹریٹ کی عدالت میں ایک عرصے تک چلتا رہا مرزا صاحب کو ہر روز عدالت میں گھنٹوں کھڑے رہنا پڑتا تھا۔

جلسہ لاہور

مرزا غلام قادیانی کے الہامات اور پیش گوئیوں کے مجموعہ تذکرہ میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے ایک دفعہ طاعون کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا،

ابھی کیا ہے ،ابھی وہ دن بھی آئیں گے کہ جب لوگ کہیں گے کہ لاہور بھی کوئی شہر ہوتا تھا۔ (ضمیمہ اخبار، جلد ۲ نمبر ۲۰ مورخہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۷)

اس الہام کی شرح میں مرتب ''تذکرہ'' لکھتا ہے کہ

لاہور کی تباہی کی پیش گوئی جو حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں شائع ہو چکی تھی وہ یہ ہے۔ ، لاہور کی نسبت کہا جاتا تھا کہ اس کی سرزمین میں ایسے اجزا ہیں کہ اس میں طاعونی کیڑے زندہ نہیں رہ سکتے لیکن وہاں بھی طاعون نے آن ڈیرہ ڈالا ہے۔ ابھی لوگوں کو معلوم نہیں ہے لیکن سالہا سال کے بعد لوگ دیکھیں گے کہ کیا ہوگا۔ کئی لوگ اور دیہات بالکل تباہ ہو جائیں گے۔ دنیا سے ان کا نام ونشان مٹ جائے گا اور ان کے آثار تک باقی نہ رہیں گے لیکن یہ حالت کبھی قادیان پر وارد نہ ہوگی۔ (الحکم جلد ۸ نمبر ۲۳ و ۲۴، مورخہ ۱۷، ۲۴ جولائی ۱۹۰۴، صفحہ ۱۲)۔ (تذکرہ۔ صفحہ ۷۹۵)

یہ شہر لاہور مرزا صاحب کی اس پیش گوئی کے مطابق تو کب کا تباہ ہو چکا ہے کیونکہ طاعون کی وبا جو ۱۹۰۴ء میں پڑی تھی اور جس کے نتیجہ میں لاہور اور اس کے مضافاتی دیہاتوں نے مٹ جانا تھا وہ طاعون کب کا ختم ہو چکا ہے اب جو شہر پنجاب (پاکستان) کا دارالحکومت ہے اس کا نام شاید لاہور نہیں کچھ اور ہے یا مرزا صاحب کی پیش گوئی جھوٹی ہے۔ اس بات کا تصفیہ مرزائیوں پر چھوڑ کر ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ لاہور کو تحریک ختم نبوت کی تاریخ میں بہت اہم مقام حاصل ہے۔ یہی وہ شہر ہے جہاں سے ۳۱ جنوری ۱۸۹۱ء کو مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے مرزا غلام احمد قادیانی کو وہ خط لکھا تھا جسے تحریک ختم نبوت کا نقطہ آغاز کہا جا سکتا

ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مرزائیوں سے مسلمانوں کا پہلا مناظرہ ہوا۔ یہ مناظرہ مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے مرزا غلام احمد کے دست راست حکیم نور دین صاحب سے اپریل ۱۸۹۱ء میں منشی امیر دین صاحب کے مکان پر کیا تھا اور اس مجلس کے شرکاء میں پروفیسر محمد عبداللہ ٹونکی اورئینٹل کالج لاہور' سید فقیر الدین رئیس و آنریری اسسٹنٹ کمشنر لاہور۔ شیخ خدا بخش صاحب جج اور مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی شامل تھے۔ یاد رہے کہ حکیم صاحب اس مناظرے کو ادھورا چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اس مناظرے کی روداد ضمیمہ پنجاب گزٹ ۲۵ اپریل ۱۸۹۱ء اور اشاعتہ السنہ جلد۱۳ صفحہ ۱۹ تا ۳۱ پر شائع ہوئی تھی۔ (دیکھئے تاریخ احمدیت' جلد۴' صفحہ ۱۳۱-۱۳۰) یہی وہ مقام ہے جہاں مسلمانوں کا مرزائیوں سے پہلا مباہلہ ہوا۔ یہ مباہلہ حضرت مولانا عبدالحق غزنوی مرحوم نے حافظ محمد یوسف مرزائی سے کیا تھا۔ یاد رہے کہ مرزا غلام احمد کی منظوری کے بعد یہ مباہلہ مرزائیوں کی طرف سے سرکاری حیثیت اختیار کر گیا تھا اور پھر اس مباہلے کے نتیجے میں حافظ محمد یوسف صاحب مرزائیت ترک کر کے دوبارہ مسلمان ہو گئے تھے۔ لاہور ہی وہ مقام ہے جہاں حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین دہلویؒ کے ایک شاگرد مولانا عبدالحکیم کلانوری کا مرزا غلام احمد سے وہ مباحثہ ہوا جس کے نتیجے میں مرزا صاحب نے تحریری طور پر اپنی غلطی کو تسلیم کیا تھا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ نے ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کے روز مرزا غلام احمد کو اس کی زندگی کا آخری چیلنج دیا تھا۔ یاد رہے کہ مرزا صاحب اس چیلنج کا جواب اپنے ذمے ادھار چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں ۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں مرزا صاحب اپنے شائع کردہ آخری فیصلہ والے اشتہار کے بموجب مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی زندگی میں موت کا پیالہ پی کر اپنے کذب پر مہر ثبت کر گئے ہیں۔

لاہور شہر کو اور بھی کئی واقعات کے باعث تحریک ختم نبوت کی تاریخ میں بہت نمایاں مقام حاصل ہے لیکن اس وقت ہمارے پیش نظر اس واقعہ کا بیان کرنا ہے جو اگست ۱۹۰۰ء میں پیش آیا' یہ واقعہ اصلاً مرزا غلام احمد قادیانی اور علمائے اسلام کے درمیان تفسیر نویسی کے تحریری مقابلے کے طور پر مرزا صاحب کی طرف سے تجویز ہوا تھا اور مرزا صاحب نے چیلنج دیا تھا کہ علمائے اسلام اور پیر مہر علی شاہ صاحب ان کے روبرو ، زانو بزانو بیٹھ کر تفسیر نویسی کریں اور نتیجہ فکر منصفین کے روبرو پیش کیا جائے اور فریقین کی شکست و فتح منصفین کے فیصلہ پر منحصر ہو۔ بات آگے بڑھی تو شرائط کا معاملہ ذرا ٹیڑھا ہو گیا جس کے نتیجے میں یہ واقعہ مسلمانوں کے

یک طرفہ جلسہ عام کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

اس واقعہ کی شروعات مرزا غلام احمد کے اس دعویٰ سے ہوئیں جو اس نے اپنی کتاب ''ایام الصلح'' میں کیا تھا کہ

''اس وقت آسمان کے نیچے کسی کی مجال نہیں جو میری برابری کی لاف مار سکے۔ میں اعلانیہ اور بلا کسی خوف کے کہتا ہوں کہ اے مسلمانو! تم میں سے بعض لوگ محدثیت اور مفسریت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور بعض از راہ ناز زمین پر پاؤں بھی نہیں رکھتے اور کئی خدا شناسی کا دم مارتے ہیں اور چشتی اور قادری اور نقشبندی اور سہروردی اور کیا کیا کہلاتے ہیں ذرا ان سب کو میرے سامنے تو لاؤ۔ (مہر منیر۔ صفحہ ۲۰۶)

اس تحریر کے کچھ عرصہ بعد مرزا غلام احمد نے چیلنج دیا کہ کوئی مسلمان ان کے مدمقابل کسی سورت یا چند آیات کی آمنے سامنے بیٹھ کر تفسیر لکھے۔ اس چیلنج پر مبنی ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار تیار کیا جو ۲۲ جولائی کو شائع ہو کر مشتہر ہوا۔ اس اشتہار کا سرعنوان یہ تھا

'پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی جو سخت مکذب ہیں۔ ان کے ساتھ ایک طریق فیصلہ' مع ان علماء کے جن کے نام ضمیمہ اشتہار ہذا میں درج ہیں''

اور اس اشتہار میں چیلنج یہ تھا کہ

لاہور میں جلسہ ہو، مرزا صاحب اور فریق مخالف بالمقابل بیٹھ کر سات گھنٹہ تک لکھیں گے، کوئی دوسرا شخص اشارے کنایئے تحریر تقریر سے مدد نہیں دے سکے گا۔ کم از کم بیس ورق لکھے جائیں گے' کل عبارت عربی میں ہوگی' بعد اختتام مضمون ایک ایک نقل مطابق اصل بہ ثبت دستخط کامل فریق تحریر کنندہ کے دوسرے فریق کو دی جائے گی۔ بعد از تحریر اپنا مضمون جلسہ عام میں سنایا جائے گا' بعد ازاں کسی کو ترمیم اصلاح یا کمی بیشی کا اختیار نہ ہو گا۔ بعد ازاں تین مولوی یعنی محمد حسین بٹالویؒ مولوی عبد الجبارؒ (غزنوی) اور مولوی عبداللہؒ پروفیسر لاہوری ان تحریرات پر رائے زنی کریں گے اور ان کو تین مرتبہ کی حلف قذف محتاط کے ساتھ دے کر دریافت کیا جائے گا کہ کون سا مضمون تائید روح القدس سے لکھا گیا ہے اور وہ رائے قطعی ہوگی۔ جو طبع کرا کے تقسیم بھی کی جائے گی۔

(مہر منیر صفحہ ۲۲۴۔ تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۸-۱۳۷)

اس اشتہار میں پیر مہر علی صاحب گولڑوی کے علاوہ ۸۶ علماء اور مشائخ کو نام لیکر چیلنج کیا

گیا تھا۔ مولانا ثناء اللہؒ کا نام ۲۸ نمبر پر تھا' سید نذیر حسینؒ کا نام ۳۱ نمبر پر' شیخ اللہ بخش تونسویؒ کا نام ۴۵ نمبر پر' مولانا بٹالویؒ کا ۵۲ نمبر پر' امام عبدالجبار غزنویؒ کا اسم گرامی ۵۶ نمبر پر' مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا نام ۶۵ پر اور حافظ عبدالمنانؒ محدث وزیر آبادی کا نام ۷۱ نمبر پر تھا۔ اور شاہ احمد رضا خانؒ صاحب بریلوی کا نام سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔

مرزائی کہا کرتے ہیں کہ اس چیلنج کے جواب میں مسلمانوں نے چپ سادھ لی تھی اور اول تو کوئی مقابلہ پر نہ آیا اور جب ایک عرصہ تک ٹال مٹول کے بعد کوئی سامنے آیا تو اس نے ایسی شرائط پیش کر دیں جو عملاً مقابلے سے فرار تھا۔ اس دعویٰ کا جواب مولانا ثناء اللہ مرحوم امرتسری نے اپنی زندگی میں ایک مرزائی مضمون نگار (پیغام صلح لاہور۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۴۰ء) کو خطاب کرتے ہوئے یوں دیا تھا:

آپ نے یہ نہیں بتایا کہ جن علماء کو مرزا صاحب نے اپنے بالمقابل تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تھا انہوں نے اس کا کیا جواب دیا۔ کیا وہ مرزا صاحب سے ڈر کر ہندوستان سے باہر چلے گئے تھے؟ یا وہ صم بکم ہو کر بیٹھے رہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہوا، کیونکہ ان مخاطبوں میں میرا نام بھی تھا اور پیر مہر علی صاحب گولڑہ والے بھی مخاطب تھے۔ میں نے مرزا صاحب کے اشتہار مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء کے جواب میں ۲۶ جولائی ۱۹۰۰ء کو اپنی آمادگی کا اشتہار دیا۔ پیر صاحب نے تو یہاں تک آمادگی ظاہر کی کہ آپ حسب اعلان گولڑہ سے چل کر لاہور پہنچ گئے۔ پیر صاحب گولڑہ کی تشریف آوری کی تقریب پر علماء اسلام بھی لاہور جمع ہو گئے تھے۔ مولانا عبدالجبار غزنوی' مولانا محمد علی صاحب بھوپڑوی' قاضی عبدالاحد خانپوری' پیر جماعت علی شاہؒ علی پوری اور یہ خاکسار اور دوسرے علماء بکثرت شریک مجلس ہوئے۔ جب لوگ مرزا صاحب کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے تو انہوں نے جامع مسجد لاہور میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ مرزا صاحب کے چیلنج کو باقاعدہ قبول کیا گیا تھا مگر مرزا صاحب ہی مقابلے میں نہ آئے۔ کیوں نہ آئے

زاہد نہ داشت تاب جمال پری رخاں
کنجے گرفت و ترس خدارا بہانہ ساخت

(اہل حدیث امرتسر ۲۷ دسمبر ۱۹۴۰ صفحہ ۷-۶)

مرزا غلام احمد کے اشتہار کے جواب میں ۲۵ جولائی کو پیر مہر علی شاہ صاحب نے اپنی

طرف سے جو اشتہار شائع کیا تھا اس میں انہوں نے مرزا صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا:

''مجھ کو دعوت حاضری جلسہ منعقدہ لاہور مع شرائط مجوزہ مرزا صاحب بسر وچشم منظور ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ مرزا صاحب میری ایک ہی گزارش کو بہ سلک شرائط مجوزہ منسلک فرماویں گے۔ وہ یہ ہے کہ مدعی مسیحیت و مہدویت و رسالت لسانی تقریر سے بمشافہ حضار جلسہ اپنے دعویٰ کو بپایہ ثبوت پہنچا دیں۔ بجواب اس کے نیاز مند کی معروضات عدیدہ کو حضرات حاضرین خیال فرما کر اپنی رائے ظاہر فرمائینگے'' (مہر منیر ص ۲۱۹)

اس اشتہار کے ساتھ انہوں نے ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کی تاریخ مقرر کر کے لاہور تشریف لانے کا اعلان کر دیا اور مرزا صاحب کو دعوت دی کہ وہ بھی چلے آئیں۔ اس اعلان سے عوام میں بڑا جوش وخروش پیدا ہو گیا اور مہر منیر کے مصنف کے بقول

جب وعدہ کا دن آیا تو ملک کے طول وعرض سے ہزارہا مسلمان لاہور پہنچ گئے۔ علماء' مشائخ' درویش اور ہر طبقہ اور فرقہ کے مذہبی افتاد رکھنے والے مسلمان شیعہ' سنی' اہل حدیث حتیٰ کہ قادیانی جماعت کے مرید متفق ہمدرد اور مائل بھی دور و نزدیک سے جمع ہو گئے۔ ...... مسلمانان لاہور نے اپنی روایتی مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ استقبالیہ کمیٹیاں بن گئیں اور سرائیں مسجدیں مدرسے اور لوگوں کے گھر مہمانوں سے بھر گئے۔ قریبی اضلاع قصبوں اور مضافات سے آنے والی ریل گاڑیاں وغیرہ سواریوں سے بھری ہوئی پہنچنے لگیں اور لاہور کے بازاروں میں لوگوں کے ٹھٹھ سے میلے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ان دنوں ویسے بھی لوگ مذہبی جلسوں اور مباحثوں میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ لیکن اس خاص موقع پر تو ہجوم خلائق کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ قبلہ عالم جیسی مشہور زمانہ روحانی تقدس اور علمی احترام وشہرت رکھنے والی شخصیت پہلی بار اسلام پر قادیانیت کے خطرناک حملوں کے دفاع میں علماء دین کی اس قدر بڑی اور فقید المثال تعداد کے ساتھ میدان مناظرہ ومباحثہ میں تشریف فرما ہو رہی تھی۔ (مہر منیر صفحہ ۲۳۰)

مرزا صاحب تاہم میدان میں تشریف نہ لائے۔ وہ قادیان میں زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد کی عملی تصویر بن کر رہ گئے۔ اس واقعہ کی روئداد اسی دور میں ایک کتابچے کی صورت میں شائع ہوئی تھی جسے چند سال قبل ایک معاصر کی مفصل تقدیم کے ساتھ برق مہریہ کے نام سے اچھرہ لاہور سے شائع کیا گیا ہے۔ اس کتابچے میں مرزا صاحب کے بارے میں لکھا ہے۔

باقی رہا مقابلہ۔سو اس کا جانگداز خیال مرزا کو لاہور، دہلی، لدھیانہ وغیرہ مقامات کا وہ پرانا اور پردرد نظارہ کا سماں (جس میں اس کی خفت اور بے عزتی میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہا تھا) دکھلاتا تھا،اس لیے مرزا نے لاہور تک آنا گوارا نہ کیا۔ (برق مہریہ، صفحہ ۳۸)

ادھر لاہور میں کئی روز تک مرزا غلام احمد کا انتظار ہوتا رہا۔آخر مایوس ہو کر مسلمانوں نے شاہی مسجد لاہور میں یک طرفہ جلسے کا اعلان کر دیا۔

آٹھ دس ہزار آدمی مسجد مذکورۃ الصدر میں جمع ہو گئے۔ جناب پیر مہر علی شاہ صاحب و دیگر مشائخ کرام و علماء عظام ساڑھے چھ بجے صبح کے تشریف لائے اور کارروائی جلسہ شروع ہوئی۔ سب سے اول مولوی محمد علی صاحب نے دربارہ عقائد مرزا قادیانی ، وعظ فرمایا کہ یہ اس کے عقائد ہیں جو صریحاً مخالف قرآن کریم وسنت و اجماع امت ہیں۔ پھر مولانا مولوی عبدالجبار صاحب بن مولوی عبداللہ صاحب مرحوم و مغفور غزنوی ثم امرتسری نے وعظ فرمایا جس کا ماحصل یہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اقوال و افعال یہ تھے۔ پس جو شخص ان کے مطابق چلنے والا ہے وہ ان کا پیرو ہے اور جو شخص ان کے مخالف ہے وہ مرتد اور کافر ہے۔ چنانچہ مرزا قادیانی کے افعال و اقوال قطعاً مخالف سنت نبویہؐ و روش صحابہ کرامؓ ہیں۔ اس لیے اہل اسلام کو اس سے بچنا چاہیے۔ پھر ابو الفیض مولانا مولوی محمد حسن صاحب مدرس دار العلوم نعمانیہ نے دربارہ غرض انعقاد جلسہ و کارروائی مباحثہ ایک تحریر پڑھی۔ آخر میں مولانا صاحب نے ایک پرزور تقریر میں بالتفصیل یہ بھی بیان کیا کہ اس سے پہلے بھی دنیا میں مرزا جیسے بلکہ اس سے بڑھ کر بہت سے جھوٹے نبی مسیح مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے والے پیدا ہو کر اپنے کیفر کردار کو پہنچ کر حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ چکے ہیں۔ان کے بعد مولوی تاج الدین احمد صاحب جو ہر مختار چیف کورٹ پنجاب و سیکرٹری انجمن نعمانیہ نے مولانا مولوی محمد حسن صاحب کی تائید کی اور مرزا کے چند اشتہارات سے ان کی اس قسم کی کارروائیوں پر نہایت تہذیب اور شائستگی سے نکتہ چینی کی۔ بعد ازاں جناب حضرت مولانا ابو سعد محمد عبدالخالق صاحب سجادہ نشین جہان خیلاں شریف نے مرزا اور اس کی بیہودہ کارروائی کی نسبت چند ریمارکس دیئے ....اس کے بعد ابو الوفا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مرزا کی تمام پیش گوئیوں کے غلط ثابت ہونے کی نسبت زبردست دلائل بیان فرمائے اور یہ بھی فرمایا کہ ایسے شخص

کومخاطب کرنا یا اس کی کسی تحریر کا جواب دینا بھی گویا علمائے کرام کی ہتک اوران کی شان سے بعید ہے۔اس کے بعد مولانا حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب سجادہ نشین نے عقائد مرزا کے متعلق تردیداً اور کچھ جناب پیر مہر علی شاہ صاحب کی تشریف آوری کی نسبت تائید اً نہایت عمدگی سے بیان فرمایا۔ بعد ازاں جناب مولانا مولوی مفتی محمد عبد اللہ صاحب ٹونکی پروفیسر اورینٹل کالج اور پریذیڈنٹ انجمن حمایت اسلام لاہور نے چند آیات قرآن کریم واحادیث نبویہ اور نیز دلائل عقلیہ سے مرزا کے عقائد کی سخت تردید فرمائی۔اس کے بعد مولوی احمد الدین صاحب ساکن موضع بادشاہاں ضلع جہلم نے مرزائی خیالات کی تردید میں ایک مؤثر وعظ فرمایا اور آخر میں حضرت پیر صاحب نے دعائے خیر کی اور تمام حاضرین نے آمین کے نعرے بلند کیے۔

(مہر منیر' صفحہ ۲۳۵-۲۳۶' برق مہریہ صفحہ ۵۰-۳۸)

جن علماء کو مرزا صاحب نے چیلنج دیا تھا ان میں اس دور کے بعض معروف علماء مثل مولوی محمد لدھیانوی' مولوی عبد العزیز لدھیانوی' مولوی خلیل احمد سہارنپوری' مولانا محمود حسن صدر مدرس دیوبند' مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ بھی شامل تھےلیکن شاید بعد مسافت یا خرابی صحت یا ضعیف العمری یا دیگر ضروری مصروفیات کے بعد لاہور کے جلسے میں یہ بزرگ تشریف نہ لا سکے۔جلسہ کے اختتام پر علماء ومشائخ کی طرف سے قادیانیت کے خلاف جو مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا تھا اس پر ۵۹ علماء کے دستخط ہیں۔ان میں حافظ عبد المنان وزیر آبادی' قاضی عبد الاحد خانپوری' مولانا عبد الحق غزنوی' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا محمد علی واعظ' مولانا حافظ محمد حسین امام مسجد چینیانوالی اور امام عبد الجبار غزنوی کے دستخط تو ہیں لیکن ایسے بہت سے افراد کے دستخط اس پر موجود نہیں ہیں جن کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تحریک انہی کی اٹھائی ہوئی تھی اور چل بھی انہی کے دم قدم سے رہی تھی۔ہمیں معلوم ہے کہ مولانا گنگوہی کا مقام تاریخ اور محاسبہ قادیانیت میں بہت اونچا ہے لیکن جب انہیں مرزا صاحب نے مباحثے کے لیے بلایا تھا تو شرائط اور مقام کے تعین پر اتفاق نہ ہو سکنے کے باعث مباحثہ منعقد نہیں ہو سکا تھا۔ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ مولانا انور شاہ کشمیری کا مقام تحریک ختم نبوت میں بہت اونچا ہے لیکن مرزا صاحب کی زندگی میں مولانا کشمیری نے مرزا صاحب سے ایک ہی مباحثہ کیا ہے جو خواب میں ہوا تھا،جیسا کہ مولوی محمد انوری فرماتے ہیں کہ

ایک دفعہ دیوبند کی جامع مسجد میں قادیانیوں کے خلاف تقریر کرتے ہوئے مولانا انور شاہ کشمیری نے فرمایا کہ ۱۹۰۸ء میں کشمیر میں ہم نے ایک خواب دیکھا کہ ہمارا اور مرزا غلام احمد قادیانی کا مناظرہ ہوا ہے اور ہم اس میں غالب رہے۔ یہ خواب کسی نے اخبارات میں شائع کر دیا۔ مرزا غلام احمد مناظرے کے لیے تیار ہو گیا۔ ہم بھی کشمیر سے چل پڑے لاہور آ کر سنا کہ مرزا صاحب تو قادیان سے لاہور آ کر کل ہیضے سے چلے دیئے' خیر ہم تو غالب ہی رہے۔ (سب سے پہلا فتویٰ تکفیر' صفحہ ۳۱۶-۳۱۷)

یعنی مولانا گنگوہی سے نہ ہو سکنے والے، اور مولانا کشمیری سے خواب میں ہونے والے مناظروں کے سوا احناف کی دیوبندی شاخ کے پاس کوئی قابل ذکر مباحثہ یا مناظرہ یا مباہلہ نہیں ہے جو ان کے بزرگوں نے مرزا صاحب کی زندگی میں اس کے ساتھ کیا ہو۔ مرزا صاحب مر گئے تو انہوں نے پیر صاحب گولڑہ کو اپنے اکابرین میں شامل کرنا شروع کر دیا۔ پیر صاحب دیوبندی تو نہ تھے اور نہ ہی انہوں نے دیوبند میں تعلیم حاصل کی تھی لیکن وہ مولانا احمد علی سہارنپوری کے شاگرد اور حاجی امداد اللہ صاحب کے مرید تھے۔ یہ دونوں بزرگ بھی اگرچہ خود دیوبندی نہ تھے لیکن دیوبندی حضرات انہیں اپنے اکابرین میں شمار کر لیتے ہیں اور اس تعلق سے انہوں نے ان کے ایک شاگرد اور مرید مہر علی شاہ صاحب کو اپنا کر اس کے کام پر فخر کرنا شروع کر دیا اور چونکہ حاجی صاحب اور پیر صاحب کے حالات کے ضمن میں ایک رویات بایں الفاظ موجود تھی۔

۱۳۰۷ ہجری یعنی ۱۸۹۰ء میں حج کے موقع پر جب آپ نے حجاز مقدس ہی میں سکونت پذیر ہونے کا ارادہ فرمایا تو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے بنا بر کشف آگاہ ہو کر فرمایا تھا کہ عنقریب سرزمین ہند میں ایک بہت بڑا فتنہ ظاہر ہونے والا ہے۔ جس کا سد باب آپ کی ذات سے متعلق ہے۔ اگر اس وقت آپ اپنے وطن میں بالفرض خاموش بھی بیٹھے رہے تو بھی ملک کے علماء اس فتنہ کی زد سے محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ بعد ازں وطن لوٹنے پر مکاشفات و مشاہدات کے ذریعے آپ کو معلوم ہوا کہ اس فتنہ سے مراد فتنہ قادیانیت تھا کیونکہ حاجی صاحب کی پیش گوئی کے مطابق اگلے ہی سال یعنی ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب نے مناظر اسلام مامور اور مجدد کے دعوؤں سے آگے قدم بڑھا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور نزول سے انکار کر کے ان کی موت اور

اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان کر دیا۔ (مہر منیر، صفحہ ۲۰۳)

اس لیے اس روایت کو بنیاد بنا کر پیر صاحب کی خدمات تحریک کو حاجی صاحب کا فیض اور حاجی صاحب کے واسطے سے حضرات دیوبند کے نامہ اعمال کا حصہ بن گئیں۔ پیر صاحب لاہور کے جلسے میں، دیوبندیوں کے نمائندے کی حیثیت سے تشریف نہیں لائے تھے اور نہ ہی وہ خود دیوبندی تھے۔ وہ تو اپنے آپ کو دیوبندی، بریلوی تفریق سے بالاتر سمجھتے تھے جیسا کہ ان کے سوانح نگار مولوی فیض احمد لکھتے ہیں:

''دیوبندی، بریلوی اور دیگر اسلامی مکاتب فکر کے اختلافی مسائل پر آپ اپنا مسلک تحریر و تقریر اور تالیفات کے ذریعے برابر واضح فرماتے رہے۔ اگرچہ فروعی مسائل میں اختلاف کی بنا پر ان کی باہمی کشمکش آپ کو ناپسند رہی۔ تاہم فریقین کی حق بات کو ہمیشہ سراہا۔ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد ابن قیمؒ کے متعلق فرماتے تھے کہ ان کے متبحر عالم اور خادم دین ہونے میں کلام نہیں مگر بعض اجتماعی مسائل میں رعایت توحید کے زعم میں تشدد اختیار کر گئے ہیں۔ (مہر منیر، صفحہ ۱۴۲)

پیر صاحب کی لاہور میں تشریف آوری ایک بریلوی کی حیثیت سے بھی نہ تھی کیونکہ پیر صاحب نہ تو نسباً بریلوی تھے، نہ وہ شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی کے شاگرد تھے نہ ان کے کسی شاگرد کے شاگرد، نہ ہی وہ کسی بریلوی مدرسے سے فارغ التحصیل تھے، نہ ان کی مولانا احمد رضا خان سے ملاقات تھی، نہ خط و کتابت، نہ وہ مولانا احمد رضا سے کسی طور پر متاثر تھے اور نہ ان کے مرید تھے۔ وہ ان کے ہمعصر تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ باہم کبھی ملاقات نہیں ہوئی، نہ پیر صاحب کبھی بریلی گئے نہ مولانا احمد رضا کبھی گولڑہ تشریف لائے اور لگتا ہے کہ پیر صاحب خود صاحب مشرب تھے اور جس طرح مولانا احمد رضا صاحب کو مسلکاً گولڑوی نہیں کہہ سکتے اسی طرح پیر صاحب کو بھی مسلک کے لحاظ سے بریلوی نہیں کہا جا سکتا لیکن جس طرح ہمارے دیوبندی احباب پیر صاحب کے حسین اعمال سے اپنا نامہ اعمال سجانے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح ہمارے بریلوی بھائی بھی پیر صاحب کو اپنا کر ان کے کارناموں پر فخر کرتے ہیں اور بعض اوقات مبالغہ آرائی کر کے دوسروں کے کام کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش بھی فرماتے ہیں جو مناسب نہیں۔ مثلاً بعض اوقات وہ کہتے ہیں کہ پیر مہر علی صاحب تحریک کے قائد اعلیٰ تھے اور یہ کہ پیر صاحب نے مرزا کے خلاف جو تحریری کام کیا وہ تحریک ختم نبوت کا بنیادی

سرمایہ ہے اور باقی لوگوں کا تحریری وتقریری کام پیر صاحب ہی کے کام کا فیض ہے۔ اس قسم کے دعاوی اس تقدیم میں موجود ہیں جو ''برق مہریہ'' کا حصہ ہے۔ اس کتابچے میں

> پیر صاحب کی رد قادیانیت میں لکھی ہوئی کتاب ''شمس الهدایة'' کے بارے میں لکھا گیا کہ یہ کتاب حضرت مولانا فیض احمد فیض گولڑوی کی تحقیق کے مطابق ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۰ء بمطابق شعبان، رمضان ۱۳۱۷ ہجری کو تحریر فرمائی گئی (صفحہ ۵۱) اور ۱۹۰۲ء میں ''شمس الهدایة'' کی توضیح اور اجمال کی تفصیل کیلئے دوسری معرکۃ الآرا کتاب ''سیف جشتیائی'' کی تصنیف فرمائی گئی۔ اس کتاب کی علمی ثقاہت پر برصغیر کا کونہ کونہ گونج اٹھا۔ غیر مقلدین نے بھی ''سیف چشتیائی'' کی بارگاہ علم میں سجود نیاز لٹائے۔ چنانچہ مولوی عبدالجبار غزنوی، مولوی ثناء اللہ امرتسری، مولوی عبد اللہ معمار وغیرہ حضرات نے قادیانی سے ہتھ جوڑی صرف ''سیف چشتیائی'' کے فیض سے کی، دیگر تمام مکاتب فکر کو حضرت مہر عالم تاب اور اہل سنت کے اکابر کے بعد قادیانی سے مقابلہ کا حوصلہ ہوا ہے۔ (صفحہ ۱۷)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ رد قادیانیت میں پیر مہر علی صاحب کی پہلی کتاب ۱۹۰۰ء میں منظر عام پر آئی تھی۔ اس کی بنا پر ۱۹۰۰ء کے بعد میں لکھی گئی کتابوں کے متعلق تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ شاید پیر صاحب کی کتابوں کا فیض ہوں اور ۱۹۰۰ء کے بعد ہونے والے مناظروں اور مباحثوں کے متعلق بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان میں شاید وہی مواد مسلمان مناظروں نے استعمال کیا ہوگا جس کی نشان دہی پیر صاحب نے اپنی کتابوں میں کی تھی لیکن وہ کتابیں اور مضامین جو ۱۹۰۰ء سے پہلے لکھے جا چکے تھے اور وہ مناظرے اور مباحثے جو ۱۹۰۰ء سے پہلے ہو چکے تھے ان کے متعلق کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ وہ پیر صاحب کے افکار کا فیض ہیں۔ آیئے دیکھیں کہ ۱۹۰۰ء میں پیر صاحب کے میدان میں آنے سے پہلے رد قادیانیت میں دوسرے مسلمان علماء کی طرف سے کیا کچھ کیا جا چکا تھا۔ سب سے پہلے ہم ان تحریروں کی فہرست پیش کرتے ہیں جو اس سے قبل منظر عام پر آ چکی تھیں۔

(۱) ۱۸۹۱ء میں جاری ہونے والا وہ طویل فتویٰ جس کے مفتی حضرت سید نذیر حسین محدث دہلویؒ تھے اور جسے مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے تیار کر کے دوسرے علماء کی تائیدی آراء کے ساتھ شائع فرمایا تھا۔ اس پر پیر صاحب کے دستخط نہیں ہیں۔

(۲) مولانا محمد بشیر سہسوانیؒ کا مرزا غلام احمد سے ۱۸۹۱ء میں دہلی میں ہونے والے مباحثہ

''الحق الصریح فی اثباۃ حیاۃ المسیح'' ۱۳۰۹ء میں ۱۳۶ صفحات پر کتابی صورت میں شائع ہوا اور ''سیف چشتیائی'' لکھتے ہوئے جسے پیر صاحب نے اپنے سامنے رکھا۔

(۳) مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے ''خیالی مسیح اور اس کے حواری سے گفتگو'' کے عنوان سے ۳۵ صفحات پر مشتمل کتاب لکھی جو ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی۔

(۴) مولانا محمد جعفر تھانسیریؒ نے اپنی کتاب سوانح احمدی کے خاتمہ میں مرزا صاحب کی مسیحیت و مہدویت کا بالاختصار رد کیا۔ اس کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ مرزا صاحب عیاری و مکاری اور دجل وفریب میں بے حیائی اور ڈھٹائی کی آخری حدوں کو چھو رہے ہیں تو انہوں نے اپنی کتاب ''برکات اسلام'' مطبوعہ غالباً ۱۸۹۸ء کے باب ''فیوچر آف اسلام'' میں مرزا صاحب کی مسیحیت اور مہدویت وغیرہ جھوٹے دعاوی کی تردید کی اور انہوں نے مرزا صاحب کے رسالہ ''نشان آسمانی'' کا مستقل جواب ''تائید آسمانی در رد نشان آسمانی'' تحریر فرمایا۔ یہ رسالہ پہلی مرتبہ ۱۳۰۱ء مطابق ۱۸۹۲ء میں امرتسر سے طبع ہوا (پھر مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم نے اپنے مکتبہ سلفیہ لاہور کی طرف سے شائع کیا)۔

(۵) مولانا محمد اسماعیل علی گڑھیؒ نے ''اعلاء الحق الصریح بتکذیب مثیل المسیح'' کے نام سے ۴۴ صفحات پر مشتمل کتاب لکھی جو ۱۳۰۹ ہجری میں شائع ہوئی۔

(۶) قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے ''غایۃ المرام'' کے نام سے ۱۴۴ صفحات پر مشتمل کتاب لکھی جو ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی۔

(۷) علامہ حسین بن محسن انصاری یمنیؒ نے ''الفتح الربانی'' کے نام سے عربی میں کتاب لکھی جو ۱۳۱۱ ہجری میں شائع ہوئی۔

(۸) مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے لیکھرام کے قتل کی بابت ۸۰ صفحات پر مشتمل کتاب لکھی جو اگست ۱۸۹۷ء سے پہلے شائع ہوئی۔

(۹) قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے ''تائید الاسلام'' کے نام سے ۱۵۰ صفحات پر مشتمل کتاب لکھی جو ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی۔

اگر ۱۹۰۰ء کے بعد کی کتابیں پیر مہر علی صاحب کی کتابوں کا فیض ہیں تو پیر صاحب کی اپنی کتابیں، ان سے پہلے وجود میں آجانے والے لٹریچر کا فیض کیوں نہیں ہے؟ اور جہاں

تک مرزا صاحب سے مناظروں، مباحثوں اور مباہلوں کے تعلق میں یہ کہا گیا ہے کہ پیر صاحب کی کتابوں سے فیض حاصل کر کے مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اور مولانا عبدالجبار غزنویؒ وغیرہ نے مرزا سے ہتھ جوڑی کی ہے، تو ان معرکوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو پیر صاحب کے میدان عمل میں تشریف لانے سے پہلے سر کیے جا چکے تھے۔ ایسے واقعات کی ایک فہرست درست ذیل ہے۔

۱۔ مرزا صاحب نے ۱۸۹۱ء میں تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تھا جسے مولانا محمد حسینؒ نے قبول فرمایا تو مرزا صاحب بھاگ گئے۔

۲۔ مرزا غلام احمد نے ۱۸۹۲ء میں مسلمان صوفیاء اور مشائخ کو آسمانی نشان دکھانے کا چیلنج کیا جسے مولانا محی الدین عبدالرحمٰن نے قبول فرمایا تو مرزا صاحب بھاگ گئے۔

۳۔ مرزا صاحب نے اکتوبر ۱۸۹۱ء میں دہلی میں سید نذیر حسینؒ محدث کو چیلنج کیا کہ وہ ان کے دلائل وفات مسیح کو سن کر ان کے غلط ہونے کی قسم اٹھائیں۔ میاں صاحب اس مقصد سے دہلی کی جامع مسجد میں پہنچ گئے لیکن مرزا صاحب دلائل پیش نہ کر سکے۔

۴۔ مرزا صاحب نے مولانا بٹالویؒ کی حیات و وفات، مسیح کے سلسلے میں مباحثہ کا چیلنج کیا اور پھر لدھیانہ میں جولائی ۱۸۹۱ء میں بارہ روز تحریری مناظرے کے بعد مرزا صاحب بھاگ گئے۔

۵۔ مرزا صاحب نے مولانا محمد بشیر سہسوانیؒ سے اکتوبر ۱۸۹۱ء میں دہلی میں تحریری مناظرے کا آغاز کیا۔ دونوں جانب سے تین تین پرچے ہی لکھے گئے تھے کہ مرزا صاحب دیوار پر لکھی ہوئی شکست کو دیکھ کر بھاگ گئے۔

۶۔ لاہور میں جنوری ۱۸۹۲ء میں میاں صاحب کے شاگرد مولانا کلا نوریؒ سے مرزا صاحب کا ایک مناظرہ ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا صاحب نے تحریری طور پر اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

۷۔ ۱۸۹۲ء میں مرزا صاحب کو لاہور، سیالکوٹ اور کپورتھلہ میں مولانا بٹالویؒ نے یکے بعد دیگرے مناظروں کے چیلنج کیے۔ لیکن مرزا صاحب ہر جگہ کنی کترا گئے۔

۸۔ ۱۸۹۳ء میں امرتسر میں مولانا عبدالحق غزنویؒ سے مرزا نے مباہلہ کیا جس کا انجام یہ ہوا کہ مولانا عبدالحقؒ کی زندگی میں موت کا پیالہ پی کر مرزا صاحب اپنے کذب پر مہر

ثبت کر گئے۔

پیر مہر علی شاہ صاحب نے مرزا غلام احمد کے بارے میں ایک پیشگوئی بھی فرمائی تھی جس کا ذکر مولوی فیض صاحب بایں الفاظ کرتے ہیں۔

''سیف چشتیائی'' میں حضرت قبلہ عالم نے ابن عساکر کی حدیث نزول ابن مریمؑ روایت کردہ حضرت ابوہریرہؓ درج فرما کر لکھا تھا کہ اسی حدیث کے آخر میں ''حاجاً او معتمراً ولیقفن علی قبری ویسلمن علی والاردن علیہ'' موجود ہے اور ہم پیش گوئی کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ ''زادھا اللہ شرفا'' میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنے اور جواب سلام سے مشرف ہونے کی نعمت قادیانی کو کبھی نصیب نہیں ہوگی۔ (مہر منیر' صفحہ ۲۵۱)

یہ پیشگوئی جس کتاب میں سب سے پہلے سامنے آئی وہ ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی تھی جبکہ مولانا قاضی سلیمان منصور پوریؒ ایسی ہی پیش گوئی اس سے پہلے بایں الفاظ کر چکے تھے۔

''میں نہایت جزم سے با آواز بلند کہتا ہوں کہ حج بیت اللہ مرزا صاحب کے نصیب میں نہیں، میری اس پیشگوئی کو سب یاد رکھیں''۔

یہ پیشگوئی آپ نے اپنی کتاب ''تائید الاسلام'' میں کی تھی جو ۱۸۹۸ء میں یعنی پیر صاحب کی پیشگوئی سے چار سال پہلے شائع ہوئی۔ ''برق مہریہ'' کی منطق کے مطابق پیر صاحب کی پیشگوئی کو قاضی صاحب کی پیشگوئی کا فیض کیوں نہ کہا جائے؟

ہمیں تحریک ختم نبوت میں پیر مہر علی صاحب کی خدمات سے انکار نہیں ہے۔ ان کی خدمات حقیقتاً قابل قدر ہیں لیکن ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پیر صاحب کے ساتھ ساتھ بلکہ ان سے پہلے بہت سے دیگر حضرات نے بھی اس تحریک میں کام کیا ہے اور ہونا یہ چاہیے کہ سب کی خدمات کا اعتراف کیا جائے اور جس نے جس وقت جو کچھ کیا ہے اس کی تحسین کی جائے۔ یہ نہ ہو کہ کسی ایک کے ساتھ عقیدت رکھنے کی وجہ سے اسے سب پر غالب کر دیا جائے اور جو کچھ اس سے پہلے ہو چکا تھا اسے یا تو فراموش کر دیا جائے یا وہ بھی اپنی محبوب شخصیت کے نامہ اعمال میں سجا دیا جائے۔ تحریک ختم نبوت جنوری ۱۸۹۱ء میں اس خط سے شروع ہوگئی تھی جو مرزا غلام احمد کی کتابوں فتح اسلام اور توضیح مرام کے پروف دیکھ کر لاہور سے مولانا بٹالویؒ نے اسے لکھا تھا۔ پیر صاحب اس واقعہ کے ۹ سال بعد تحریک کی صفوں میں شامل ہوئے۔ وہ تحریک کے ابتدائی دور میں اس میں شامل نہ تھے جیسا کہ مولوی دوست محمد شاہد نے لکھا ہے۔

۱۸۹۶ء میں حضرت مسیح موعود نے جن سجادہ نشینوں کو نام لے کر مباہلہ کی طرف بلایا تھا ان میں گولڑہ ضلع راولپنڈی کے ایک نامی گرامی پیر مہر علی شاہ صاحب بھی تھے۔ یہ پیر صاحب چشتی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے اور انہیں حضرت مسیح موعود سے ابتدأً ایک گونہ عقیدت بھی تھی۔ چنانچہ ۹۷-۱۸۹۶ء کی بات ہے کہ ان کے ایک مرید بابو فیروز علی صاحب اسٹیشن ماسٹر گولڑہ نے جب ان سے حضور کی بابت رائے دریافت کی تو انہوں نے بلا تامل جواب دیا'

امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ بعض منازل سلوک میں ایسے ہیں کہ وہاں اکثر بندگان خدا پہنچ کر مسیح و مہدی بن جاتے ہیں۔ بعض ان کے ہم رنگ ہو جاتے ہیں۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ شخص منازل سلوک میں اس مقام پر ہے یا حقیقتاً وہی مہدی ہے جس کا وعدہ جناب سرور کائنات ﷺ نے اس امت سے کیا ہے۔ مذاہب باطلہ کے واسطے یہ شخص شمشیر براں کا کام کر رہا ہے اور یقیناً تائید یافتہ ہے'

اس کے کچھ عرصہ بعد وہ اپنے گزشتہ صوفیانہ عمل کو چھوڑ کر میدان مخالفت میں آ گئے اور جنوری ۱۹۰۰ء میں حضرت اقدس کے خلاف اردو میں ''شمس الهدایة فی اثبات حیاة المسیح'' شائع کی۔ یہ کتاب جب مولوی نور الدین صاحب کو پہنچی تو انہیں بڑا دکھ ہوا۔ زیادہ تعجب حضرت مولوی صاحب کو اس پر ہوا کہ کچھ عرصہ قبل پیر صاحب ہی نے ان کے نام دو کارڈ لکھے تھے جن میں حضرت اقدس کا تذکرہ عقیدت مندانہ الفاظ میں موجود تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت مولوی صاحب کو خود پیر صاحب سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہو چکا تھا۔ (مولوی صاحب نے انہیں شکایتی انداز میں خط لکھا تو جواب میں) پیر صاحب نے لکھا'

مولانا المعظم المکرّم۔ السلام علیکم ورحمة الله۔ اما بعد۔ مولوی محمد غازی صاحب' کتب حدیث وتفسیر اپنی معرفت سے پیدا کر کے ملاحظہ فرماتے رہے ہیں۔ مولوی صاحب نے اپنی سعی اور اہتمام سے کتاب ''شمس الهدایة'' کو مطبوع اور تالیف فرمایا' ہاں احیاناً اس سے بے ہیچ سے بھی اتفاق استفسار بعض مضامین میں ہوا۔ اللہ جانبین کو صراط مستقیم پر ثابت رکھے۔ زیادہ سلام' نیاز مند علماء وفقراء مہر شاہ۔ ۲۶ شوال ۱۳۱۷ ہجری (مطابق ۲۸ مارچ ۱۹۰۰)

(بحوالہ الحکم ۲۵ اپریل ۱۹۰۰' صفحہ ۷) (تاریخ احمدیت' جلد ۳ صفحہ ۱۳۵-۱۳۶)

یہ خط پیر مہر علی صاحب کی زندگی میں قادیانی اخبار الحکم میں شائع ہوا تھا۔ اگر پیر صاحب کی طرف سے اس خط کے وجود اور لکھے جانے سے انکار نہیں کیا گیا تو یہی بات واضح ہو گی کہ انہوں نے نور الدین صاحب کو واقعتاً یہ خط لکھا تھا جس میں انہیں سلام بھی لکھا گیا تھا اور یہ بھی دعا کی گئی تھی کہ خدا جانبین کو صراط مستقیم پر ثابت رکھے۔ یعنی پیر صاحب کے نزدیک مارچ ۱۹۰۰ء تک حکیم نور دین صاحب مسلمان تھے، دونوں فریق (حکیم صاحب اور مسلمان) صراط مستقیم پر تھے۔

نیز ''مہر منیر'' سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر صاحب، مرزا صاحب کو ان کے دعویٰ مسیحیت کے باوجود ان دنوں مسلمان ہی سمجھتے تھے جیسا کہ مولوی فیض احمد لکھتے ہیں۔

مرزا صاحب کا ایک مطبوعہ دعوت نامہ ان کے پیرو مولوی عبد الکریم سیالکوٹی نے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی خدمت میں بھیجا۔ دعوت نامہ کا مضمون یہ تھا کہ میں مسیح موعود ہوں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے احیاء دین اور عروج اسلام کے لیے مامور کیا گیا ہوں۔ آپ اس مشن میں میری اعانت فرمائیں۔ حضرت نے جواب میں لکھوایا کہ میں آپ کو مسیح موعود اور مامور من اللہ نہیں مانتا۔ آپ اپنی توجہ حسب سابق غیر مسلموں کے ساتھ مناظرات اور تبلیغ اسلام پر مرکوز رکھیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔ (مہر منیر، صفحہ ۲۰۶)

اور ظاہر ہے کہ غیر مسلموں سے مناظرے اور تبلیغ اسلام ایک مسلمان ہی کرے گا، غیر مسلم تو تبلیغ اسلام کرنے سے رہا۔ اور اس کے بعد وہ موقع آیا جس کا ذکر پیر صاحب کے سوانح نگار نے بایں الفاظ کیا ہے۔

جب مرزا صاحب اور ان کے مذہب کا زیادہ چرچا ہوا اور ظاہر بین لوگ متاثر ہونے لگے تو علماء کی درخواست پر حضرت قبلہ عالم اس طرف متوجہ ہوئے اور باطنی ارشادات کی تعمیل میں ۱۳۱۷ ہجری میں ۱۹۰۰-۱۸۹۹ء ماہ شعبان و رمضان میں اوراد و اشغال روزمرہ سے کچھ وقت بچا کر ایک رسالہ بعنوان ''شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح''، منشی عبد الجبار کاتب اخبار چودھویں صدی راولپنڈی کو قلم بند کرایا جو رمضان شریف ہی میں طبع ہو کر سارے ہندوستان کے علماء و مشائخ میں تقسیم کرا دیا گیا۔ (مہر منیر، صفحہ ۲۰۶-۲۰۷)

یہ تحریر اس بات کی شہادت ہے کہ پیر صاحب آغاز تحریک میں سالار قافلہ تو کجا، شریک قافلہ بھی نہ تھے۔ ہاں جب بات بڑھ گئی تو علماء کی درخواست پر وہ میدان میں نکلے تھے۔

درخواست کرنے والے علماء کون تھے؟ ظاہر ہے کہ وہی ہوں گے جو تحریک میں پہلے ہی سے کام کر رہے تھے اور مرزا کے عقائد کی غلطی اور اس کے پیدا کردہ فتنے سے آگاہ تھے اور چاہتے تھے کہ پیر صاحب بھی اپنے اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر رد قادیانیت کے اس ملی فریضے کی ادائیگی میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔

پیر صاحب کی تصنیف ''شمس الہدایت'' کا سن اشاعت ''مہر منیر صفحہ ۵۲۲'' پر ۱۹۰۰ء درج کیا گیا ہے اور اس کی وجہ تالیف خود پیر صاحب کے الفاظ میں یہ ہے:

''میری توجہ ان حقائق و معارف کی طرف دلائی گئی تھی جو تالیفات مثل ''ازالہ اوھام'' و ''دافع الوساوس'' اور ''ایام الصلح'' میں مندرج ہیں مگر میں علمائے کرام کو ان کی لعن طعن سے بدیں وجہ روکتا رہا کہ خلاف شعائر اسلام ہے لیکن اب نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ ہر محفل میں اظہار حقیقت عقیدہ مرزائیہ اور تکذیب و تجہیل بلکہ تکفیر علماء کرام کی جن کا اعتقاد مطابق سلف کے تھا، ہونے لگی ہے جس کے سننے کی برداشت مجھ میں نہیں اور عقیدہ حقہ کا ''یوما فیوما'' اضمحلال بھی گوارا نہیں۔ لہٰذا یہ چند مضامین حسب رائے ناقص لکھے۔ (مہر منیر، صفحہ ۵۲۳)

اوپر ذکر کردہ ''ایام الصلح'' نامی کتاب مرزا صاحب نے ۱۸۹۹ء میں شائع کی تھی اور پیر صاحب کی یہ تحریر اس بات کی شہادت ہے کہ اس کتاب اور اس سے پہلے شائع شدہ کتابوں میں مرزا صاحب کے عقائد اور مسیح و مہدی ہونے کے دعاوی سامنے آ جانے کے باجود پیر صاحب نہ صرف رد قادیانیت پر آمادہ نہیں تھے بلکہ جو لوگ یہ کام کر رہے تھے یا کرنا چاہتے تھے، آپ ان کو بھی کام کرنے سے روکتے تھے، اور شاید یہی وہ موقع تھا جس کے متعلق ان کے ملفوظات طیبات میں درج ہے کہ حضرت قبلہ عالم نے فرمایا کہ

عالم رؤیا میں آنحضرت ﷺ نے مجھے مرزا قادیانی کی تردید کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص میری احادیث کو تاویل کی قینچی سے کتر رہا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو۔

(مہر منیر، صفحہ ۲۰۳)

یہ تو ہو نہیں سکتا کہ لسان رسالت ﷺ سے حکم سن کر بھی کوئی چپ بیٹھا رہے۔ اگر یہ حکم ۱۸۹۱ء میں پیر صاحب کو دیا گیا تھا تو ۱۹۰۰ء تک ان کا چپ بیٹھے رہنا حکم عدولی میں آئے گا۔ اسی طرح ۱۸۹۱ء اور ۱۸۹۹ء کے دوران کسی بھی سال میں اس حکم کا اجراء مان لیا جائے تو

۱۹۰۰ء تک کے بقیہ برسوں میں پیر صاحب پر حکم عدولی یا سستی کا الزام آئے گا۔ اس لیے یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ یہ حکم ۱۸۹۹ء کے آخر یا ۱۹۰۰ء کے شروع میں جاری ہوا اور جونہی حکم صادر ہوا، پیر صاحب نے باقی سارے کام چھوڑ کر ''شمس الهدایة'' تصنیف فرما کر تحریک ختم نبوت کے قافلے میں شمولیت اختیار کر لی۔ اس سے پہلے اگر پیر صاحب تحریک میں کام کر رہے ہوتے تو لسان رسالت ﷺ سے تنبیہ آمیز حکم کے اجرا کی ضرورت نہ تھی۔

ہمارے بعض دوست لاہور والے جلسے کے سلسلہ میں ہونے والی اشتہار بازی سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں کہ پیر مہر علی شاہ صاحب قائد تحریک اور سالار قافلہ تھے اور اسی لیے مرزا صاحب نے اپنے ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء والے اشتہار میں ان کو اول نمبر پر مخاطب کیا تھا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس اشتہار بازی سے ایسا نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کیونکہ اس واقعہ سے چند ماہ بعد دسمبر ۱۹۰۰ء میں مرزا صاحب نے علماء اسلام کو مخاطب کر کے جو اشتہار شائع کیا تھا اس میں پیر صاحب کا اسم گرامی آخر میں ہے جیسا کہ ڈاکٹر بشارت احمد لاہوری مرزائی نے اپنی کتاب ''مجدد اعظم'' میں لکھا ہے۔

''اربعین نمبر۲' آپ (مرزا) نے ۲۷ دسمبر ۱۹۰۰ء کو شائع فرمایا۔ یہ بجائے اشتہار کے خاصا رسالہ ہے (اس میں مرزا صاحب نے متنازعہ مسائل کے سلسلہ میں لکھا) کہ خدا کی گواہی کے ساتھ فیصلہ کر لیں' اور اس طریق میں یہ ضروری ہوگا کہ کم از کم چالیس نامی مولوی جیسے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی' مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی' مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی' مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی' مولوی پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی' ایک تحریری اقرار نامہ بہ ثبت شہادت پچاس معزز مسلمانان کے اخبار کے ذریعہ اشتہار دیں''۔

اگر جولائی ۱۹۰۰ء کے اشتہار سے پیر صاحب کا سالار قافلہ ہونا ثابت کرنا مقصود ہو تو دسمبر ۱۹۰۰ء والے اشتہار سے ان کی اس منصب سے معزولی ثابت ہو جائے گی۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرزا صاحب مقابلے کے لیے لاہور کیوں نہ آئے؟ آیا وہ پیر صاحب سے ڈر گئے تھے یا کوئی اور وجہ تھی؟ ہمارا خیال ہے کہ چونکہ پیر صاحب سے مرزا غلام احمد کا کبھی آمنے سامنے مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ اس لیے ان سے ڈرنے والی کوئی بات بھی نہ تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس لیے لاہور نہیں آئے تھے کہ انہیں وہ درگت یاد تھی جو اس

وقت بنی تھی جب پیر صاحب ابھی تحریک میں شامل بھی نہیں ہوئے تھے اور اپنے مرشد (حاجی امداد اللہ) کا ۱۸۹۰ء میں ارشاد سن لینے کے باوجود شاید معاملے کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ بھی نہیں تھے اور تحریک کو اس کے حال پر چھوڑ کر اوراد و اشغال روزہ مرہ میں مصروف تھے۔ لاہور سے ۱۹۰۰ء میں شائع ہونے والی روداد جلسہ میں بھی بتایا گیا ہے کہ مرزا صاحب کو لاہور آکر مقابلہ کرنے کا جان گداز خیال لاہور' دہلی اور لدھیانہ وغیرہ مقامات کا وہ پرانا اور پر درد نظارہ کا سماں دکھلاتا تھا جس میں اس کی خفت اور بے عزتی میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہا تھا۔

اور یہ بات تو تحریک ختم نبوت کے لٹریچر پر نظر رکھنے والے ہر شخص کو معلوم ہے کہ دہلی' لدھیانہ اور لاہور میں مرزا صاحب کی درگت مولانا محمد حسین بٹالوی' مولانا محمد بشیر سہسوانی اور مولانا عبدالحکیم کلانوریؒ نے بنائی تھی جو میاں صاحب سید نذیر حسین محدثؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور اس موقع پر یعنی اگست ۱۹۰۰ء میں میاں صاحب کے چند اور شاگرد اس کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کے لیے لاہور آئے ہوئے تھے۔ ان بزرگوں میں امام عبدالجبار غزنوی' حافظ عبدالمنان محدث' مولانا عبدالحق غزنوی' مولانا ثناء اللہ امرتسری اور قاضی عبدالاحد خانپوری شامل ہیں اور شائد یہی وہ بزرگ ہیں جن کی طرف مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے اس شعر کے ساتھ اشارہ کیا تھا:

زاہد نہ داشت تاب جمال پری رخاں
کنجے گرفت و ترس خدارا بہانہ ساخت

پیر صاحب کو اس موقع پر اس لیے سامنے نہیں کیا گیا تھا کہ وہ باقی لوگوں سے سینئر تھے یا دوسروں سے بڑے عالم تھے، یا عمر میں سب سے زیادہ تھے یا ان کی خدمات سب سے زیادہ تھیں' ان کو آگے کرنے کا مقصد یہ تھا کہ پیر صاحب کے وجود سے دوسرے پیروں کو بتایا جائے کہ امت پر کٹھن وقت ہے اور حجروں اور خانقاہوں سے نکل کر تحریک میں کام کرنے کی ضرورت ہے اور عوام کو بتایا جائے کہ مرزا غلام احمد سے صرف مولویوں کو ہی اختلاف نہیں ہے بلکہ پیر اور صوفی بھی اس کے عقائد سے متفق نہیں ہیں اور جہاں تک بحث مباحثہ کی بات ہے تو خانپوری علماء نے پیر صاحب کو کہہ رکھا تھا کہ آپ لاہور چلیں۔ مباحثے کی فکر نہ کریں' ضرورت پڑے گی تو مباحثہ ہم کریں گے اور شاید یہی وجہ ہے کہ لاہور میں جو جلسہ ہوا تھا اس میں پیر صاحب نے کوئی تقریر نہیں فرمائی۔ اس جلسے کا آغاز ایک اہل حدیث عالم مولانا محمد علی

بھوپڑوی کی تقریر سے ہوا تھا اور اس میں جو مفصل تقاریر ہوئیں (اور جو حقیقتاً جلسہ کا حاصل تھیں) وہ امام عبد الجبار غزنویؒ اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے فرمائی تھیں۔ پیر صاحب نے تو اختتام جلسہ پر بس دعا ہی کروائی تھی اور اس جلسے میں ان کا حصہ اسی قدر تھا' اس سے زائد جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ عقیدت کے پھول ہیں۔

ہم نے جو لکھا ہے کہ خانپوری علماء نے کہہ رکھا تھا کہ ضرورت ہوئی تو مباحثہ ہم کریں گے۔ اس بات کا حوالہ اس خط سے ملتا ہے جو ۱۴ اگست ۱۹۰۷ء کو قاضی عبد الاحد خانپوری نے بذریعہ رجسٹری پیر صاحب کو گولڑہ ارسال کیا تھا۔ اس خط میں پیر صاحب سے کسی بات پر شکوہ کرتے ہوئے قاضی صاحب نے لکھا تھا:

> ''مرزائیوں کے مقابلہ میں میں آپ کا دست راست بنا رہا۔ مرزا کے مقابلہ میں آپ کی ڈھارس بندھائی، یہ کہہ کر کہ مقابلہ ہوا تو ہم خود کریں گے۔ لاہور میں آپ کا ہمراہی بن کر گیا، سیف چشتیائی کی تالیف میں آپ کی علمی مدد کی۔ مولانا محمد بشیر سہسوانی کی تصنیف ... میں نے آپ کو مہیا کی جس سے آپ نے بھرپور استفادہ کیا لیکن اس کا ذکر کتاب میں نہ کیا۔ مرزا قادیانی کے قابل اعتراض اقوال کو اس کی متعدد تصانیف سے مولانا ہدایت اللہ سے یکجا لکھوا کر آپ کو دیئے۔ جس سے آپ کو بڑی مدد ملی حالانکہ آپ کے لیے یہ کام اگر محال نہ تھا تو بہت مشکل ضرور تھا اور میں نے آپ کو کئی قلمی کتابیں برائے مطالعہ دیں جو کوئی شخص گوارا نہیں کر سکتا اور بعض علمی کتب آپ کو بطور ہدیہ دے دیں''۔ (تذکرہ علماء خانپور' صفحہ ۴۱-۲۴)

ان قاضی عبد الاحد خانپوری کا ذکر مولوی فیض صاحب نے بایں الفاظ کیا ہے:

> ''مولوی عبد الاحد خانپور ضلع ہزارہ کے باشندے تھے اور وہابیت کے الزام میں ترک وطن پر مجبور ہو کر راولپنڈی آ گئے تھے جہاں گزر اوقات کی معقول سبیل نہ پا کر مولوی عبد الجبار غزنوی امرتسری کی سفارش پر دربار گولڑہ میں چندے بطور مہمان اور طالب علم قیام پذیر رہے تھے۔ قادیانی معرکہ میں حضرت کے ہمراہ لاہور بھی گئے تھے اور بعض کتابوں کا سبق لینے کے لیے آپ کے درس میں بھی شامل ہوتے رہے۔ (مہر منیر' صفحہ ۲۶۵)

قاضی عبد الاحد صاحب کے بارے میں مولوی فیض احمد صاحب کی اس تحریر کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم قاضی صاحب اور پیر صاحب کے زمانے طالب علمی کا ذکر کر دیں

تا کہ معلوم ہو کہ کون جونیئر تھا اور کون سینئر؟

تذکرہ علماء خانپور میں قاضی محمد عبداللہ علیگ بتاتے ہیں کہ قاضی عبدالاحد نے امام عبد الجبار غزنوی، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی اور سید نذیر حسین محدثؒ سے کسب فیض کیا اور ۱۲۹۲ ہجری (۱۸۷۵ء) میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اس وقت پیر مہر علی شاہ ابھی طالب علم تھے۔ وہ اس سے تین سال بعد فارغ التحصیل ہوئے (مہر منیر، صفحہ ۸۴)۔ یعنی قاضی عبدالاحد دور طالب علمی میں پیر صاحب سے سینئر تھے اور ان سے پہلے فارغ التحصیل بھی ہو چکے تھے۔ طب بھی پڑھ چکے تھے اور اپنے وطن میں ترویج حدیث کی سرگرمیوں کے باعث ستائے بھی جا چکے تھے اور اسی جرم میں بقول مصنف مہر منیر، ترک وطن پر مجبور ہو کر راولپنڈی قیام پذیر ہو چکے تھے۔ راولپنڈی والا دور ان کی علمی طور پر پختگی کا دور ہے اور مہر منیر کا مصنف اس دور میں انہیں اپنے سے جونیئر کے حلقہ درس میں شاگردانہ طور پر بیٹھا ہوا دکھا رہا ہے۔

ہم نے بتایا کہ پیر مہر علی شاہ صاحب کو آگے لانے کا ایک مقصد یہ تھا کہ اس دور کے پیروں کو بتایا جائے کہ مرزا کے خلاف کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ اس دور میں اس طبقے نے عمومی طور پر چپ سادھ رکھی تھی اور وہ نہ صرف خود سامنے آنے سے کتراتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے روکتے تھے جیسا کہ خود پیر مہر علی صاحب کے حالات میں ملتا ہے کہ جب انہوں نے تحریک میں کام کرنا شروع کیا تو تونسہ کے پیر صاحب نے اسے ناپسند فرمایا۔ ''مہر منیر'' میں لکھا ہے۔

> حضرت (مہر علی) کے کسی معاصر نے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کی خدمت میں جا کر کہا کہ پیر صاحب گولڑہ شریف دیوبندی علماء سے علم حاصل کر آئے ہیں اور مولویوں کی طرح مرزا قادیانی سے الجھ پڑے ہیں۔ ورنہ صوفیا کو مناظروں سے کیا واسطہ؟ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی نے ان باتوں کا ذکر تونسہ شریف کے عرس پر حضرت ثانی سیالوی سے فرما کر غالباً یہ بھی کہا کہ آپ کے شاہ صاحب (یعنی قبلہ عالم) یہاں کبھی نہیں آئے۔ حضرت ثانی نے سیال شریف کے عرس کے موقع پر حضرت قبلہ عالم سے یہ سارے واقعات بیان فرما کر مشورتاً کہا کہ کبھی تونسہ شریف بھی حاضری دے آئیں۔ کیونکہ خواجہ صاحب کی طبع پر کچھ بار معلوم ہوتا ہے جس کا رفع کرنا ضروری ہے۔ (چنانچہ آپ) تونسہ شریف جا پہنچے۔ آپ کے پہنچنے پر تحصیل کے قریب والی سرائے میں جہاں عام لوگ

ٹھہرتے تھے آپ کے قیام کا انتظام کیا گیا۔ حضرت خواجہ اللہ بخش سے پہلی ملاقات سرسری طور پر نماز کے بعد ہوئی اور اس میں رسمی سلام اور مزاج پرسی کے علاوہ اور کوئی بات نہ ہوئی۔ اگلے روز مجلس میں ملاقات پر حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا ''سائیں کیویں آئے وے؟ یعنی صاحب کیسے آنا ہوا؟ آپ نے فرمایا ازخود نہیں آیا، بھیجا گیا ہوں اور اپنے پیرزادہ کے ارشاد کی تعمیل کر رہا ہوں۔ خواجہ صاحب نے تعلیم کے متعلق سوال کیا کہ کیا کچھ پڑھا ہے اور کہاں پڑھا ہے؟ جب جواب دیتے ہوئے دورہ حدیث کے ضمن میں حضرت نے اپنے استاد مولانا احمد علی سہارنپوری کا نام لیا تو خواجہ صاحب بولے وہ تو بہت بڑا وہابی تھا۔ حضرت نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے وہ بڑے حنفی تھے۔ البتہ صوفیا کرام کی رسوم کے پابند نہ تھے۔ حضرت کے قادیانی مناظرات کے متعلق خواجہ صاحب نے اعتراض کیا تو حضرت نے فرمایا میں اس امر میں معذور ہوں کیونکہ جس طرح مرزائی دلائل دیتے ہیں اگر کوئی اور صاحب علم ان کی تردید کر سکے تو مجھے مناظرات کی کیا ضرورت ہے۔ بصورت دیگر میرا سکوت نامناسب ہے۔ اگر مسلمان ہی نہ رہیں گے تو صوفیائے کرام تصوف کی تعلیم کسے دیں گے؟

(مہر منیر، صفحہ ۳۰۴-۳۰۵)

ادھر لدھیانہ میں احمد جان کا پیر گھرانہ تھا جو تن من دھن سے مرزا صاحب کی حمایت کر رہا تھا۔ انہی کے گھر میں ۱۸۸۹ء والی وہ بیعت ہوئی جسے مرزائی لوگ اپنی جماعت کا قیام قرار دیتے ہیں۔ یہ گھر حکیم نور دین صاحب کا سسرال بنا اور اس شادی سے حکیم صاحب کے ہاں وہ لڑکی پیدا ہوئی جو بعد میں مرزا محمود کی اہلیہ اور مرزا غلام احمد کی بہو بنی۔ اسی طرح ایک پیر سراج الحق نعمانی صاحب تھے جو مرزا صاحب سے بیعت ہو کر مرزائیوں کے سابقون میں شمار ہوئے اور انہی کی تجویز پر مرزا صاحب نے اپنی جماعت کا نام احمدی رکھا تھا۔

ان گزارشات کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اس دور کے کئی صوفیا و مشائخ مرزا صاحب کے بارے میں چپ بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ اعلانیہ یا خاموش حمایت بھی کر رہے تھے اور چونکہ برصغیر میں ہمیشہ سے صوفیاء کا اثر رہا ہے اس لیے صوفیا کے اس طرز عمل کا عوام پر منفی اثر ہو رہا تھا۔ تحریک میں زیادہ تر اہل حدیث ہی شامل تھے جنہیں وہابی کہہ کر ملت اسلامیہ کے مرکزی دھارے سے کاٹنے کی کوشش جاری تھی اور خطرہ تھا کہ تحریک ختم نبوت صرف وہابی بمقابلہ

مرزائی کشمکش بن کر نہ رہ جائے۔ اس لیے طبقہ صوفیا میں سے کسی شخص کو سامنے لانے کا سوچا گیا تو علماء کی نظر مہر علی شاہ صاحب پر پڑی اور انہیں تیار کر کے میدان میں لائے۔ جیسا کہ ان کے سوانح نگار کو بھی اعتراف ہے کہ پیر صاحب تو ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے اور علماء کے کہنے پر میدان میں آئے تھے۔ یہ علماء وہی ہوں گے جو پہلے سے تحریک میں سرگرم تھے۔

مباحثہ مد

علماء اور مشائخ کو مخاطب کر کے ۱۸۹۶ء میں مرزا صاحب نے مباہلے کا جو چیلنج دیا تھا اس کے مدعووین میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کو بھی شامل کیا تھا۔ مولانا کی عمر اس وقت صرف ۲۸ سال تھی اور تعلیم سے فراغت حاصل کیے انہیں ابھی چار ہی سال ہوئے تھے۔ ایسے میں ان کا نام برصغیر کے منتخب علماء و مشائخ کی فہرست میں شامل ہونے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اتنی چھوٹی سی عمر میں تحریک ختم نبوت کے حلقوں میں ایک ممتاز مقام حاصل کر چکے تھے۔ مولانا ان لوگوں میں بھی شامل ہیں جنہوں نے اس چیلنج کو منظور کر کے مرزا صاحب کو میدان میں آنے کی دعوت دے دی تھی۔ مرزا صاحب نے تاہم بات بدل دی اور عدالت میں مولانا بٹالویؒ کے مقابل انہیں جو اقرار نامہ لکھ کر دینا پڑھا تھا (جس کی رو سے انہوں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ لوگوں کی موت کی پیش گوئیاں نہیں کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ) کو بہانہ بنا کر کہہ دیا کہ وہ مباہلہ نہیں کر سکتے جیسا کہ مرزا صاحب فرماتے ہیں:

> ''میں نے سنا ہے بلکہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی دستخطی تحریر میں نے دیکھی ہے جس میں وہ یہ درخواست کرتا ہے کہ میں اس طور کے فیصلہ کے لیے بدل خواہشمند ہوں کہ فریقین یعنی میں اور وہ یہ دعا کریں کہ جو شخص ہم سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہی مرجائے''۔ (روحانی خزائن جلد ۱۹، ضمیمہ نزول المسیح المعروف اعجاز احمدی، صفحہ ۱۲۱)

اس کے بعد مرزا صاحب کہتے ہیں .

ہم موت کے مباہلہ میں اپنی طرف سے کوئی چیلنج نہیں کر سکتے کیونکہ حکومت کا معاہدہ ایسے چیلنج سے ہمیں مانع ہے۔ ہاں مولوی ثناء اللہ صاحب اور دوسرے مخالفوں کو منع نہیں کرتے کہ ایسے چیلنج سے ہمیں جواب دینے کے لیے مجبور کریں اور چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب اپنی تحریر کی رو سے ایسے چیلنج کے لیے تیار بیٹھے معلوم ہوتے ہیں۔ پس ہمیں اس

سے کوئی انکار نہیں کہ وہ ایسا چیلنج دیں مگر شرط یہ ہوگی کہ کوئی موت قتل کی رو سے واقع نہ ہو بلکہ محض بیماری کے ذریعے سے ہو۔ مثلاً طاعون سے یا ہیضہ سے یا کسی اور بیماری سے۔ پس اگر مولوی ثناء اللہ صاحب ایسے چیلنج کے لئے مستعد ہوں تو صرف تحریری خط کافی نہ ہوگا بلکہ ان کو چاہیے کہ ایک چھپا ہوا اشتہار اس مضمون کا شائع کریں کہ اس شخص کو میں کذاب اور دجال اور کافر سمجھتا ہوں اور جو کچھ یہ شخص مسیح موعود ہونے اور صاحب الہام اور وحی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس دعویٰ کا میں جھوٹا ہونا یقین رکھتا ہوں۔ اگر یہ شخص فی الواقع مسیح موعود ہے اور فی الواقع عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں تو مجھے اس شخص سے پہلے موت دے اور اگر میں اس عقیدہ میں صادق ہوں اور یہ شخص درحقیقت دجال، بے ایمان، کافر اور مرتد ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں جو کسی نا معلوم وقت میں پھر آئیں گے تو اس شخص کو ہلاک کر۔ یہ چیلنج جو درحقیقت ایک مباہلہ کا لفظ مضمون ہے اس کو لفظ بلفظ نمونہ مذکورہ کے مطابق لکھنا ہوگا، جو اوپر میں نے لکھ دیا ہے۔ ایک لفظ کم یا زیادہ نہ کرنا ہوگا۔ پھر ایسے اشتہار مباہلہ پر کم سے کم پچاس معزز آدمیوں کے دستخط ہونے چاہئیں اور کم سے کم اس مضمون کا سات سو اشتہار ملک میں شائع ہونا چاہیے اور بیس اشتہار بذریعہ رجسٹری مجھے بھی بھیج دیں، مجھے کچھ ضرورت نہیں کہ میں انہیں مباہلہ کے لیے چیلنج کروں یا ان کے بالمقابل مباہلہ کروں۔ (روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۲۱-۱۲۲)

مباہلہ دو فریقوں کے درمیان ہوتا ہے جب وہ ایک دوسرے کے لیے بددعا کرتے ہیں۔ مرزا صاحب نے چیلنج تو دے دیا تھا لیکن جب مولانا نے اس کے قبول کرنے کا اعلان کیا تو وہ سرے سے مکر گئے اور حکومتی معاہدے کی آڑ لے کر میدان سے بھاگ گئے۔

اس کے بعد مرزا صاحب نے مولانا امرتسریؒ پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور بہت سے علماء عصر کو ۱۹۰۰ء میں چیلنج دیا کہ وہ ان کے مدمقابل ہو کر قرآن کی کسی سورت یا آیات کی تفسیر لکھیں۔ مولانا امرتسریؒ نے مرزا صاحب کے اشتہار مؤرخہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء کے جواب میں ۲۶ جولائی ۱۹۰۰ء کو اپنی آمادگی کا اشتہار دیا لیکن مرزا صاحب سامنے نہیں آئے۔ اگست ۱۹۰۰ء میں لاہور کی بادشاہی مسجد میں مسلمانوں کا ایک جلسۂ عام منعقد ہوا جس میں مولانا امرتسریؒ نے رد قادیانیت کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ اس اجتماع کے بعد ایک قرارداد بھی پاس ہوئی

جس میں کہا گیا کہ مرزا غلام احمد شرمناک دروغ گوئی سے اپنی دکان چلانا چاہتا ہے۔ اس نے شرفاء کی پگڑیاں اتارنے اور بازاری و عامیانہ حرکات سے اپنی روزی کمانے کا پاکھنڈ بنا رکھا ہے۔ اس کے عقائد وغیرہ بالکل خلاف اسلام ہیں۔ اس قرارداد پر انسٹھ علماء مشائخ کے دستخط ہیں اور ان میں بھی مولانا امرتسریؒ کا اسم گرامی شامل ہے۔ (مہر منیر' صفحہ ۲۳۷-۲۳۸)

تفسیر نویسی اور مباہلے کے چیلنج قبول کرنے کے ساتھ مولانا امرتسریؒ نے مرزا غلام احمد کے خلاف تحریری محاذ پر بھی اپنی علمی عمر کے ابتدائی دور میں ہی کام شروع کر دیا تھا۔ آپ نے ۱۹۰۱ء میں دو رسالے شائع کیے۔ ایک کا نام ''ھفوات مرزا'' ہے جو دس صفحات پر مشتمل تھا' اس میں مرزا غلام احمد کے کچھ عقائد اور تناقضات بیان کیے اور دلائل کے ساتھ بتایا کہ اس قسم کے اختلافات کا رونما ہونا ایک الہامی نبی کے ہاتھوں ممکن نہیں۔ دوسرے رسالے کا نام آپ نے ''الہامات مرزا'' رکھا اور بعد میں اس کے کئی ایڈیشن اضافات کے ساتھ شائع ہوئے۔ ۱۹۴۰ء میں اس کا جو تیسرا ایڈیشن شائع ہوا تھا اس کے متعلق مولانا محمد مستقیم سلفی بتاتے ہیں کہ وہ ۱۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کتاب میں آپ نے مرزا قادیانی کے الہامات اور پیشگوئیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ بناوٹی ہیں اور مرزا قادیانی اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ (اہل حدیث کی تصنیفی خدمات' صفحہ ۱۵۷) مولانا امرتسریؒ خود بتاتے ہیں کہ ان کا یہ رسالہ نہ صرف عوام میں مقبول ہوا بلکہ خواص نے بھی اس کی افادیت کو سراہا اور بعض نامی گرامی مصنفین مثل پیر مہر علی شاہ صاحب نے بھی اپنی تصنیفات میں اس سے استفادہ کیا۔

مولانا امرتسریؒ کی درج بالا تصنیفات کے بعد ایک اہم واقعہ رونما ہوا جو تحریک ختم نبوت میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہ واقعہ ۱۹۰۲ء میں ''مد'' نامی موضع میں مولانا امرتسریؒ کا مرزائیوں سے ایک مناظرہ ہے جس کا بیان سطور ذیل میں کیا جا رہا ہے:

مرزائیوں کی ''تاریخ احمدیت'' میں مولوی دوست محمد شاہد نے لکھا کہ

> ''مد'' ضلع امرتسر میں ایک گاؤں ہے' یہاں کہ رہنے والے میاں محمد یوسف' محمد احسن اور میاں محمد یعقوب نامی تین بھائیوں نے ۱۹۰۱ء میں مرزا غلام احمد کی بیعت کی۔ اس پر گاؤں کی فضا کشیدہ ہوگئی بعد ازاں مسلمانوں اور مرزائیوں کی رضا مندی سے فیصلہ ہوا کہ متنازعہ مسائل کے تصفیہ کے لیے علماء کا مناظرہ ہو۔ جب مناظرہ کی بات پختہ ہوگئی تو میاں یوسف صاحب قادیان گئے اور مرزا غلام احمد صاحب کی خدمت میں واقعات پیش

کر کے علماء بھجوانے کی درخواست کی۔ یہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۲ء کی بات ہے۔ مرزا صاحب نے (بروایت مولوی دوست محمد) فرمایا کہ ایسے مباحث سے فائدہ نہیں ہوتا مگر منشی یوسف صاحب کا اصرار دیکھا تو سید سرور شاہ قادیانی کو "مد" بھیجنے کا ارشاد فرمایا کہ وہاں تبلیغ احمدیت کریں اور اگر ضرورت پڑے تو مباحثہ کریں۔ مولوی سرور شاہ کے ساتھ مولوی عبداللہ کشمیری کو بھی روانگی کا حکم دیا اور یہ دونوں یکہ پر قادیان سے امرتسر اور وہاں سے اجنالہ کے رستہ سے "مد" پہنچے۔ فیصلہ کے مطابق مولوی ثناء اللہ امرتسریؒ بھی آ گئے' مباحثہ کے لیے منادی کرا دی گئی' لوگ گاؤں کے غربی حصہ میں ایک درخت کے نیچے جمع ہو گئے۔ حاضرین کی تعداد چھ سات سو تک پہنچ گئی' مباحثہ کی شرائط کا مرحلہ پیش آیا تو فریقین میں متنازعہ مسائل کے متعلق تحریری مباحثہ ہونا قرار پایا۔ پھر مولوی ثناء اللہ صاحب اڑ گئے کہ پرچہ کے لیے صرف بیس بیس منٹ کی باری ہو۔ سرور شاہ نے زور دیا کہ پرچہ کے لیے کم از کم ایک گھنٹہ ہونا چاہیے۔ اس بحث و تکرار میں مولوی ثناء اللہؒ اور ان کے ساتھیوں کی ہنگامہ آرائی سے مجمع بے قابو ہو رہا تھا اس لیے احمدی بامر مجبوری بیس منٹ کے وقت پر راضی ہو گئے۔ مباحثہ شروع ہوا ہر فریق بیس منٹ تک لکھتا اور سنا دیتا۔ پھر ایک دوسرے کا دونوں جواب لکھتے۔ اس طرح مباحثہ دو دن یعنی ۲۹ اور ۳۰ اکتوبر جاری رہا (مولوی دوست محمد مزید لکھتے ہیں کہ) سامعین عموماً دیہاتی لوگ تھے اس لیے وہ باریک علمی بحث تو پوری طرح نہ سمجھ سکے۔ ہاں مولوی ثناء اللہؒ کی گالیوں اور پھبتیوں سے انہوں نے خوب لطف اٹھایا۔ تاہم مولوی سرور شاہ صاحب مباحثہ میں کامیاب و کامران ہو کر یکم نومبر ۱۹۰۲ء کو قادیان پہنچے اور مرزا غلام احمد کے سامنے مناظرہ کی تفصیل عرض کی اور ان کی مجالس میں کئی روز تک اس مناظرہ کا چرچا رہا۔ نیز انہوں نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ پرچہ لکھنے کے لیے صرف بیس بیس منٹ وقت مقرر کیا گیا اور یہ کہ مرزائی علماء کو عوام الناس کے سامنے ہمیشہ موٹی موٹی باتیں رکھنی چاہئیں۔ اس کے بعد مولوی دوست محمد صاحب لکھتے ہیں کہ اس مباحثہ کے تحریری پرچے شیخ یعقوب علی تراب نے لے لیے تھے تاکہ ان کو شائع کریں لیکن افسوس ہے کہ وہ گم ہو گئے اور یہ قیمتی مواد شائع نہ ہو سکا۔ (تاریخ احمدیت جلد سوم' صفحہ ۲۳۴-۲۳۷ ملخصاً)

خود مرزا غلام احمد قادیانی مباحثہ "مد" کے نتیجہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''درحقیقت تو ہم نے فتح پالی ہے، صرف اتنی بات ہے کہ وہ دیہات کے لوگ تھے ان کو باریک باتوں کی سمجھ نہیں آئی۔ مجھے خوشبو آتی ہے کہ آخر کار فتح ہماری ہے''۔

(ملفوظات: جلد۴' صفحہ ۱۶۲)

اور ایک دوسرے موقع پر مرزا صاحب نے فرمایا:

''اس دن ہم نے مناسب سمجھا تھا کہ یہ مباحثہ (مد) کی کارروائی الحکم وغیرہ میں نہ چھپے۔ مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا''۔ (ملفوظات: جلد۴' صفحہ ۱۶۳)

روحانی خزائن جلد ۱۹ کے پیش لفظ میں اس کا مرزائی مرتب لکھتا ہے کہ مباحثہ ''مد'' کے دو دن بعد مولوی سید سرور شاہ صاحب مع اپنے دوستوں کے ۲ نومبر ۱۹۰۲ء کو واپس قادیان پہنچ گئے اور مباحثہ کی مکمل روداد مرزا صاحب کو سنا دی۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے دوران مباحثہ ایک یہ اعتراض کیا کہ مرزا صاحب کی ساری پیش گوئیاں جھوٹی نکلیں۔ دوسرے یہ کہا تھا کہ میں مرزا صاحب سے مباہلے کے لیے تیار ہوں اس پر مرزا صاحب نے ''اعجاز احمدی'' نامی کتاب تالیف فرمائیں۔

''اعجاز احمدی'' میں مرزا غلام احمد نے مولانا امرتسریؒ کو خوب جلی کٹی سنائیں اور اس میں انہوں نے عربی میں شاعری بھی فرمائی جسے انہوں نے اعجازی قرار دیا۔ آپ کی ضیافت طبع کی خاطر ہم چند اشعار نقل کرتے ہیں کیونکہ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ''مد'' میں مولانا امرتسریؒ نے مرزائیوں کا کس بری طرح ناطقہ بند کر کے انہیں ایسی عبرتناک شکست سے دوچار کیا تھا کہ مرزائیت کا بانی بھی اپنے ہوش وحواس گم کر کے بدزبانی پر اتر آیا تھا۔ مرزا صاحب کے عربی اشعار مع اردو ترجمہ (جو خود انہی کا ہے) سنیے اور سر دھنیے۔ فرمائے ہیں:

ایا ارض مد قد دفاك مدمر
وارداك ضليل و اغراك موغر

''اے مد کی زمین! ایک ہلاکت شدہ نے تیری خستگی کی حالت میں تجھے ہلاک کیا اور سخت گمراہ کرنے والے نے تجھے مارا اور ایک غصہ دلانے والے نے تجھے برانگیختہ کیا''۔

دعوت كذوبا مفسدا صيدے الذى
كحوت غدير اخذه لا يعزز

''تو نے ایک جھوٹے مفسد میرے شکار کو بلا لیا جس کا پکڑنا ڈھاب کی مچھلی کی طرح بڑا کام نہیں''۔

فظل اساریکم اساری تعصب
یریدون من یعوی کذئب ویختر

''پس تم میں سے جو لوگ تعصب کے قیدی تھے انہوں نے چاہا کہ ایسا شخص تلاش کریں جو بھیڑیئے کی طرح چیخے اور فریب کرے''۔

فجائوا بذئب بعد جهد ازابهم
ونعنى ثناء الله منه و نظهر

''پھر بہت کوشش کے بعد ایک بھیڑیئے کو لائے اور مراد اس سے ثناء اللہ ہے اور ہم ظاہر کرتے ہیں''۔

تکلم کاجلاف من غیر فطنة
ویاتیک بالاخبار من کان ینظر

''اس نے کمینوں کی طرح بغیر دانائی کے کلام کیا اور دیکھنے والوں سے تو خود سن لے گا''۔

فلما التقى الجمعان للبحث والوغا
ونودى بين الناس والخلق احضروا

'پس جب دونوں فریق بحث کے لیے جمع ہو گئے اور لوگوں میں منادی کرائی گئی اور لوگ حاضر ہو گئے

واوجس خيفة شره بعض رفقتى
لما عرفوا من خبث قوم تنمروا

''اور پوشیدہ طور پر میرے بعض فریقوں کے دلوں میں خوف ہوا کیونکہ قوم کی درندگی انہوں نے معلوم کر لی تھی''۔

فكان ثناء الله مقبول قومه
ومنا تصدى للتخاصم سرور

''اور ثناء اللہ اس کی قوم کی طرف سے مقبول تھا اور ہماری طرف سے مولوی سید محمد سرور شاہ پیش ہوئے

كان مقام البحث كان كاجمة
به الذئب يعوى والغضنفر يزئر

''گویا مقام بحث ایک ایسے بن کی طرح تھا جس میں ایک طرف بھیڑیا چیختا تھا اور ایک طرف شیر غراتا تھا''۔

وقام ثناء الله يغوى جنوده

ویغری علی صحبی لناما ویھذر

''اور کھڑا ہوا ثناء اللہ اپنی جماعت کو اغوا کر رہا تھا اور میرے دوستوں پر برانگیختہ کرتا تھا''۔

دفاہم عمایات الاناس وحمقھم

رنوا مد قوم والمدی قد شھروا

''قوم کی جہالتوں نے ان کو خستہ کر دیا۔ موضع ''مد'' کو انہوں نے ایسی صورت میں دیکھا جو چھریاں نکالی ہوئی ہیں''۔

فصاروا بمد للرماح دریة

ویعلمها احمد علی المدبر

میرے دوست مد میں نیزوں کے نشانے بن گئے اور اس بات کو احمد علی میر مجلس خوب جانتا ہے

وکان ثناء اللہ فی کل ساعة

یاحج نیران الفساد ویسعر

''اور ثناء اللہ ہر ایک گھڑی فساد کی آگ بھڑکا رہا تھا''۔

اری منطقاً ما ینبح الکلب مثله

وفی قلبه کان الھوی یتزخر

ایسی باتیں کیں کہ کتا اس طرح آواز نہیں نکالے گا اور اس کے دل میں ہوا وہوس جوش مار رہی تھی۔

ولما اعتدی الامرتسری بمکائد

واغری علی صحبی لئاما وکفروا

''اور جب ثناء اللہ اپنے فریبوں سے حد سے گزر گیا اور لوگوں کو میرے دوستوں پر برانگیختہ کیا''۔

وقام ثناء اللہ فی القوم واعظا

فصاروا بوعظ الغول قوما تنمروا

''اور ثناء اللہ نے قوم میں وعظ کیا پس ایک غول کے وعظ سے وہ ایک پلنگ کی طرح ہو گئے''۔

فطائفة قد کفرونی بوعظه

وطائفة قالوا کذوب یزور

''ایک گروہ نے اس کے وعظ سے مجھے کافر ٹھہرایا اور ایک گروہ نے کہا کہ یہ شخص جھوٹ بیان کر رہا ہے''

فافردت افراد الحسین بکربلا

وفی الحی صرنا مثل من کان یقبر

''پس اس جگہ میں اکیلا رہ گیا جیسا کہ حسینؓ کربلا میں اور اس قوم میں ہم ایسے ہو گئے جیسا کہ مردہ دفن کیا جاتا ہے''۔

تصدی لانکاری وانکار آیتی
وکان لحقد کالعقاب یابر

''میرے انکار اور میرے نشانوں کے انکار کیلیے پیش آیا اور وہ کینہ سے کژدم کی طرح نیش زنی کرتا تھا

سنمنا تکالیف التظاول من عدا
تمادت لیالی الجور یا ربی انصر

''ہم نے ظلم کی تکلیفیں دشمنوں سے اٹھائیں اور ظلم کی رات لمبی ہوگئی' اے خدا مدد کرو''۔

الا رب خصم قدرئیت جداله
وما ان رئینا مثله من یزور

''خبردار ہو میں نے بہت سے بحث کرنے والے دیکھے ہیں مگر اس جیسا فریبی میں نے نہیں دیکھا''۔

ارضعت من غول الفلایا یا ابا الوفا
فما لک لا تخشی ولا تتفکر

''کیا تجھے جھوٹ کا دودھ پلایا گیا اے ثناء اللہ۔ پس تجھے کیا ہو گیا کہ نہ ڈرتا ہے نہ فکر کرتا ہے''۔

عقرت بمد صحبتی یا ابو الوفا
بسبب وتوہین فربی سیقہر

''اے ثناء اللہ تو نے مد میں ہمارے دوستوں کو رنج پہنچایا۔ گالی سے اور توہین سے' پس میرا خدا عنقریب غالب ہو جائے گا''۔

فلا تجعلوا کذبا علیکم عقوبة
ودع یا ثنائالله قولا تزور

''پس تم جھوٹ کو اپنے لیے وبال کا ذریعہ مت ٹھہراؤ اور اے ثناء اللہ تو جھوٹ بولنا چھوڑ دے''۔

ترکت طریق کرام قوم وخلقہم
ہجرت بمد عامدا لتحقر

''تو نے شریفوں کے خلق اور طریق کو چھوڑ دیا اور تو نے ''مد'' میں قصداً ہماری ہجو کی تا تو تحقیر کرے''۔

ترکنا حتی قیل لا یعرف القلی
فجئت خصیما ایها المستکبر

''ہم نے تو تجھے چھوڑ دیا تھا یہاں تک کہ تم لوگ کہتے تھے کہ اب کیوں نہیں لکھتے۔ پس تو خود مقابلہ کے لیے آیا ہے اے متکبر!''۔

فاوصیک یا ردف الحسین ابا الوفا
انب واتق اللہ المحاسب واحذر

''پس میں تجھے نصیحت کرتا ہوں اے محمد حسین (بٹالوی) کے پیچھے پیچھے چلنے والے ابوالوفا۔ خدا کی طرف جھک اور حساب لینے والے اللہ سے خوف کھا اور ڈر''۔

(روحانی خزائن' جلد ۱۹ (ضمیمہ نزول المسیح۔اعجازی احمدی) صفحہ ۱۵۰-۱۹۴)

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ مناظرہ مد کے پرچے مرزائیوں نے غائب کر دیئے تھے اس لیے اب جو جی چاہتا ہے کہتے ، پھرتے ہیں لیکن مرزا صاحب کے الفاظ ، درحقیقت فتح ہماری ہوئی' اور یہ کہ وہاں کے لوگوں کو سمجھ نہیں آئی ۔ اوران کے درج بالا اشعار اس بات کا اعلان ہیں کہ ''مد'' میں برسر زمین قصہ مرزائیوں کی شکست سے ہی نمٹا تھا۔

مرزا صاحب نے اس قصیدے کو اعجازی کہا اور ''اعجاز احمدی'' کے نام سے شائع کیا۔ اس کے ساتھ یہ اشتہار شائع کیا کہ اگر مولوی ثناء اللہؒ اتنی ہی ضخامت کا رسالہ اردو اور عربی نظم میں جیسا میں نے بنایا ہے پانچ روز میں بنا دے تو میں دس ہزار روپے اس کو انعام دوں گا۔

(تاریخ احمدیت جلد سوم۔صفحہ ۲۳۹۔ نیز پیش لفظ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۸-۹' ضمیمہ نزول المسیح صفحہ ۴۲ مندرجہ روحانی خزائن' جلد ۱۹)

اعجاز احمدی میں مرزا صاحب نے مولانا ثناء اللہ صاحب کو درج ذیل چیلنج بھی کیا تھا . اور مولوی ثناء اللہ نے موضوع ''مد'' میں بحث کے وقت یہی کہا تھا کہ سب پیش گوئیاں جھوٹی نکلیں اس لیے ہم ان کو مدعو کرتے ہیں اور خدا کی قسم دیتے ہیں کہ وہ اس تحقیق کے لیے قادیان میں آئیں اور تمام پیش گوئیوں کی پڑتال کریں اور ہم قسم کھا کر وعدہ کرتے ہیں کہ ہر ایک پیشگوئی کی نسبت جو منہاج نبوت کی رو سے جھوٹی ثابت ہو ایک سو روپیہ ان کی نذر کریں گے اور ہم آمدورفت کا خرچہ بھی دیں گے اور کل پیشگوئیوں کی پڑتال کرنی ہوگی تا آئندہ کوئی جھگڑا باقی نہ رہ جائے اور اسی شرط سے

روپیہ ملے گا اور ثبوت ہمارے ذمہ ہوگا۔ یادرہے کہ رسالہ ''نزول المسیح'' میں ڈیڑھ سو پیش گوئی میں نے لکھی ہے تو گویا جھوٹ ہونے کی حالت میں پندرہ ہزار روپیہ ثناء اللہ صاحب لے جائیں گے اور در بدر کی گدائی کرنے سے نجات ہوگی۔ بلکہ ہم اور پیش گوئیاں بھی مع ثبوت ان کے پیش سامنے کردیں گے اور اسی وعدہ کے موافق فی پیشگوئی سو روپیہ دیتے جائیں گے اس وقت ایک لاکھ سے زیادہ میری جماعت ہے۔ پس اگر میں مولوی صاحب موصوف کے لیے ایک ایک روپیہ بھی اپنے مریدوں سے لوں گا تب بھی ایک لاکھ روپیہ ہو جائے گا وہ سب ان کی نذر ہوگا۔ جس حالت میں دو دو آنہ کے لیے وہ در بدر خراب ہوتے پھرتے ہیں اور خدا کا قہر نازل ہے اور مردوں کے کفن یا وعظ کے پیسوں پر گزارا ہے اور ایک لاکھ روپہ حاصل ہو جانا ان کے لیے ایک بہشت ہے۔

(روحانی خزائن جلد ۱۹ (ضمیمہ نزول المسیح) صفحہ ۱۳۱-۱۳۲)

اور فرمایا: واضح رہے کہ مولوی ثناء اللہ کے ذریعے سے عنقریب تین نشان میرے ظاہر ہوں گے۔

۱۔ وہ قادیان میں تمام پیشگوئیوں کی پڑتال کے لیے میرے پاس ہرگز نہیں آئیں گے اور سچی پیش گوئیوں کی اپنے قلم سے تصدیق کرنا ان کے لیے موت ہوگی۔

۲۔ اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب صادق سے پہلے مر جائے تو ضرور وہ پہلے مریں گے۔

۳۔ اور سب سے پہلے اردو مضمون اور عربی قصیدہ کے مقابلہ سے عاجز رہ کر جلد تر ان کی روسیاہی ثابت ہو جائے گی۔ (روحانی خزائن جلد ۱۹ (ضمیمہ نزول المسیح) صفحہ ۱۴۸)

اور اسی کتاب ''ضمیمہ نزول المسیح'' میں مرزا صاحب فرماتے ہیں:

''یہی باتیں مولوی ثناء اللہ نے مقام ''مد'' کے مباحثہ میں پیش کی تھیں۔ ان باتوں سے ہر ایک خدا ترس سمجھ سکتا ہے کہ کہاں تک ان مولوی صاحبوں کی نوبت پہنچ چکی ہے۔ وہ جوش تعصب سے منہاج نبوت کو اور اس معیار کو جو نبیوں کی شناخت کے لیے مقرر ہے پیش نظر نہیں رکھتے۔ اور ہر ایک اعتراض ان کا سراسر جھوٹ اور شیطانی منصوبہ ہوتا ہے۔ اگر یہ سچے ہیں تو قادیان آ کر کسی پیشگوئی کو جھوٹی تو ثابت کریں اور ہر ایک پیش گوئیں کے لیے ایک ایک سو روپیہ انعام دیا جائے گا'' (روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۱۷-۱۱۸)

اور جس قدر مولوی ثناء اللہ صاحب نے خلاف واقع اعتراضات اور جھوٹی قسموں سے موضع مد میں میری توہین کی ہے وہ تمام میرے شکوے خدا تعالیٰ کے سامنے ہیں۔
(روحانی خزائن جلد ۱۹ ضمیمہ نزول المسیح، صفحہ ۱۲۵)

ایک طرف تو مرزا صاحب کی دریا دلی اور استغنا کا یہ حال تھا کہ دس ہزار روپے کے انعام کا اعلان ہو رہا ہے اور دوسری طرف حالت یہ تھی کہ ''نزول المسیح'' نامی کتاب (جو اسی زمانے کی تصنیف ہے) کو شائع کروانے کے لیے ان کے پاس پیسے موجود نہیں تھے۔

تاریخ احمدیت میں ایک قادیانی ناصر شاہ کے حالت میں لکھا ہے کہ:

''ایک دفعہ جب کہ آپ کشمیر میں ایس ڈی او کے طور پر تعینات تھے آپ کو عالم رؤیا میں خبر دی گئی کہ حضرت مسیح موعود کو آپ کی ضرورت ہے۔ قادیان پہنچے تو معلوم ہوا کہ کتاب ''نزول المسیح'' کی اشاعت روپیہ نہ ہونے کے باعث معرض التواء میں ہے۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت ڈیڑھ ہزار روپے کی رقم جو حج بیت اللہ کے لیے جمع کر رکھی تھی حضور کی خدمت میں پیش کر دی۔ نیز وعدہ کیا کہ طباعت کے بقیہ اخراجات کشمیر جا کر ارسال کر دوں گا''۔ (تاریخ احمدیت۔ جلد دوم، صفحہ ۱۹)

اسی موضوع پر پنڈت آتمانند کا ایک مضمون اہل حدیث کے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۹ء کے شمارے میں شائع ہوا جس میں لکھا تھا کہ مرزا غلام احمد نے بے مالی کی حیثیت میں دس ہزار روپے کا انعام شائع کیا تھا۔ اس بات کے ثبوت میں پنڈت صاحب نے ''مسیح موعود کے کارنامے'' نامی کتاب کے صفحہ ۲۲ سے مرزا محمود کی یہ تحریر نقل کی تھی جس میں وہ کہتا ہے:

''میں جلسہ کے موقع پر ایک کتاب دیکھ رہا تھا جس میں مسیح موعود نے لکھا ہے کہ سراج منیر ایک کتاب ہم شائع کریں گے مگر اس کی اشاعت میں تعویق ہو گئی ہے کیونکہ اس کے لیے سو روپیہ کی ضرورت ہے گویا وہ کتاب ایک سو روپے کے لیے اس وقت رکی رہی، پنڈت صاحب لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرزا صاحب کے پاس اس وقت ایک سو روپیہ بھی نہیں تھا''۔

اوپر ذکر کردہ ناصر شاہ قادیانی کے گراں قدر عطیے کے باوجود معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کی مالی حالت ان دنوں بہت ہی خراب تھی کیونکہ وہ پیسے بھی ہضم کر گئے اور کتاب جس کے لیے مرید نے پیسے دیئے تھے اسے زندگی بھر شائع بھی نہ کر سکے جیسا کہ اس کتاب (نزول

المسیح) کے متعلق نسیم سیفی قادیانی نے لکھا ہے کہ یہ مرزا صاحب کی وفات کے بعد اگست ۱۹۰۹ء میں شائع ہوئی۔ (مسیح موعود کی کتابیں، انگریزی۔طبع ربوہ ص ۹۲)

جہاں تک اس قصیدہ کے اعجازی ہونے اور اس کے مقابلے میں قصیدہ لکھنے کے چیلنج کا معاملہ ہے تو مولانا امرتسریؒ فرماتے ہیں:

''میں نے ۲۱ نومبر کو ایک اشتہار دیا جس کا خلاصہ ۲۹ نومبر ۱۹۰۲ء کے پیسہ اخبار لاہور میں چھپا تھا کہ آپ (مرزا جی) پہلے ایک مجلس میں اس قصیدہ اعجازیہ کو ان غلطیوں سے جو میں پیش کروں صاف کر دیں تو پھر میں آپ کے زانو بزانو بیٹھ کر عربی نویسی کروں گا۔ یہ کیا بات ہے کہ آپ گھر سے تمام زور لگا کر ایک مضمون اچھی خاصی مدت میں لکھیں اور مخاطب کو جسے آپ کی مہلت کا کوئی علم نہیں محدود وقت کا پابند کریں۔ اگر واقعی آپ خدا کی طرف سے ہیں اور جدھر آپ کا منہ ہے ادھر خدا کا منہ ہے (جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے) تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ میدان میں طبع آزمائی نہ کریں بلکہ بقول حکیم سلطان محمود ساکن راولپنڈی۔

کی گھر دیوار کیوں آڑ بنائی
خوانی شعر ہم تری دیکھیں نکل

حرم سراہی سے گولہ باری کریں۔

(الہامات مرزا۔صفحہ ۹۹' منقول از فتنہ قادیانیت۔صفحہ ۷۹-۸۰)

مرزا غلام احمد میدان میں نہ آئے تو جیسا کہ مولانا امرتسریؒ نے اپنے اشتہار میں لکھا تھا کہ اگر مجلس میں اغلاط نہ سنیں گے تو میں اپنے رسالہ میں ان کا ذکر کر دوں گا۔ چنانچہ آپ نے الہامات مرزا کی اگلی اشاعتوں میں دکھلایا ہے کہ وہ قصیدہ جسے مرزا صاحب معجزہ قرار دے رہے تھے اس کے کم از کم پچاس اشعار فصاحت' بلاغت تو در کنار صحت کے درجہ سے بھی گرے ہوئے ہیں اور شدید ترین فنی عیوب اور قباحتوں کا مرقع ہیں۔ باقی رہا عربی زبان و ادب کا معاملہ تو اس لحاظ سے تو پورے کا پورا قصیدہ ہی لچر پوچ ہے۔

اسی طرح وعظ کے پیسوں اور کفن سے آمدنی پر گزرا کرنے والے بیان کو چیلنج کرتے ہوئے مولانا امرتسریؒ نے مرزا صاحب کو للکارا اور مطالبہ کیا کہ اس بات کا ثبوت پیش کیا جائے کہ میں ان ذرائع سے آمدنی حاصل کر کے اس پر گزارہ کرتا ہوں۔ اس پر مرزا صاحب کو

لینے کے دینے پڑ گئے اور انہیں تحریری طور پر اپنے بیان کی تردید کرنا پڑی اور لکھا:

اصلاح حسب منشا کھلی چھٹی مولوی ثناء اللہ صاحب

چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ کفن وغیرہ کی آمدنی جو اس ملک میں اکثر ملاؤں کو ہوا کرتی ہے کبھی ان کو اس سے تعلق نہیں ہوا اور وہ اپنی تجارت سے گزارہ کرتے ہیں اس لیے ہمیں ان کی ان ذاتیات سے بحث نہیں اور ہم قبول کرتے ہیں کہ ایسا ہی ہوگا۔ یہ قول محض اس بنا پر تھا کہ ہمارے ملک میں اکثر ملا ایسے پائے جاتے ہیں کہ مسجدوں سے تعلق رکھتے اور پیش غسل اموات و جنازہ رکھتے ہیں اور اس کی آمدنی لیتے ہیں۔ اب جب کہ وہ ظاہر کرتے ہیں کہ میں ان میں سے نہیں ہوں سو ہم اپنی اس قدر تحریر کے اس اشتہار سے اصلاح کر دیتے ہیں اور درحقیقت ہماری غرض اول سے الزام نہیں ہے کیونکہ صدہا ملا اس ملک میں ایسے پائے جاتے ہیں کہ یہ خدمت غسل اموات و جنازہ اپنے ذمہ لے لیتے ہیں۔ ان کو بھی ہم برا نہیں کہتے کہ قدیم سے یہ کام چلا آتا ہے کوئی ان کو برا نہیں کہہ سکتا۔ سب اپنی اپنی جگہ پر عزت رکھتے ہیں۔ المشتہر مرزا غلام احمد از قادیان ۲۰ دسمبر ۱۹۰۲ء۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوم' صفحہ ۴۸۲)

اس تحریر سے مرزا صاحب نے تسلیم کر لیا کہ انہوں نے مولانا امرتسریؒ پر الزام تراشی کی اور جھوٹ بولا تھا۔ اسی طرح مرزا صاحب نے اوپر کی تحریر میں یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ ان کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ یہ بات بھی جھوٹ تھی کیونکہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں پنجاب میں مرزائیوں کی تعداد ۵۶ ہزار نکلی تھی۔ (الفضل ۵ اگست ۱۹۴۳ء) اور بقول مرزا محمود احمد دوسرے صوبہ جات ہند میں ۲۵ ہزار مرزائی تھے۔ (الفضل۔ ۲۱ جون ۱۹۳۴ء منقول از فسانہ قادیان صفحہ ۲۳۲) یوں ۱۹۳۱ء کے ہندوستان میں مرزائیوں کی کل تعداد ۸۱ ہزار ہوئی۔ اور مرزا صاحب ۱۹۰۲ء میں کہہ رہے تھے کہ ان کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔

۱۹۲۹ء میں ایک مرزائی نے مولانا امرتسریؒ کو اعجازی قصیدے کے بارے میں لکھا کہ مرزا صاحب نے بڑی تحدی سے کتاب ''اعجاز احمدی'' میں لکھا ہے کہ مولوی ثناء اللہ میری اس کتاب کا جواب میعاد مقررہ بیس روز کے اندر نہ دیں تو میں سچا ہوں گا۔ کیا آپ نے جواب دیا تھا؟ دیا تھا تو ہمیں بھیج دیں۔

اس کے جواب میں مولانا معمارؒ نے لکھا:

''مرزا صاحب نے ۱۵ نومبر ۱۹۰۲ء کو ایک کتاب ''اعجاز احمدی'' شائع کی جس کے ۹۰ صفحات ہیں جس میں ۵۳۶ ابیات کا ایک عربی قصیدہ مع ترجمہ درج ہے۔ باقی اردو مضمون ہے جس میں اپنی خودستائی فرمائی ہے۔ اس کتاب کا جواب اردو مع قصیدہ عربی میں لکھنے کے لیے جملہ مخالفوں کو عموماً اور مولانا ثناء اللہؒ کو خصوصاً مخاطب کیا۔ مگر کمال یہ کیا کہ مضمون اردو اور عربی قصیدہ لکھنے اور لکھ کر چھاپ دینے کے لیے یعنی سب کاموں کے لیے کل میعاد ۲۰ روز رکھی۔ اگرچہ عقلمند لوگ اتنے ہی سے اصل حقیقت سمجھ سکتے ہیں کہ بیس روز کی مدت میں تین چار کام کیسے ہوں یعنی (۱) تصنیف کتاب مع قصیدہ طویلہ۔ (۲) کاتب کی کتابت۔ (۳) مطبع کا فعل طباعت۔ لیکن سوال صرف یہ ہے کہ مقابلہ کسی مصنف سے تھا یا کاتب، پریس مین سے بھی تھا۔ ہر عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ مصنف سے مقابلہ ہوتا ہے اور کاتب و پریس مین کو مقابلہ میں شریک کر لینے سے ہی اس مقابلہ اور اعجاز کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ کیونکہ مصنف اگر اپنا کام ایک ہفتہ میں ختم کر دے مگر اسے کاتب مہیا نہ ہو یا کاتب بھی مہیا ہو تو وہ ۹۰ صفحات کتنے دنوں میں کتابت کرے گا۔ کسی کاتب سے مل کر پوچھنا چاہیے۔ اس سائز کے عربی اردو صفحات سارے دن میں چھ سے زائد نہیں لکھ سکتا۔ رات دن کی محنت سے ۱۵ روز میں کتابت ختم ہوئی جو مصنف کا ہفتہ ملانے سے کل ۲۲ روز ہو گئے۔ اب آئی باری پریس کی، پریس والوں سے پوچھئے کہ (۱۹۰۲ء میں) ۹۰ صفحات کی کتاب کتنے دنوں میں تیار کریں گے۔ جن کو طباعت کے کام کا تجربہ ہے وہ یقین کر سکتے ہیں کہ (۱۹۰۲ء میں) یہ کام جلدی سے جلدی ہو تو دو ہفتوں میں ہو گا۔ سارے مل کر ہوئے ۲۷ روز۔ اب باری آئی دفتری کی، یعنی کتاب کی تہہ بندی اور سلائی کی، جسے بہت جلد ہی کریں تو دو روز میں کریں گے۔ سارے ۳۹ دن ہوئے۔ بتایئے ۳۹ روز کا کام اور مرزا جی کا ۲۰ روز کی مدت میں طلب کرنا اعجاز نبوت ہے یا اپنا عجز ہے۔

حقیقت یہ کہ مرزا جی نے خود بھی یہ کتاب اتنی مدت میں نہیں لکھی تھی (جس کا ثبوت میں پیش کروں گا) اسی لیے مولانا امرتسریؒ نے ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء کو بذریعہ اشتہار مرزا جی کو مطلع کیا کہ آپ ایک مجلس میں آمنے سامنے بیٹھ کر مجھ سے مقابلہ کریں۔ یہ کیا بات ہے کہ

آپ نے گھر میں چھپ کر خدا جانے کتنی مدت میں کتاب بنائی اور مجھے ایک غیر معقول مدت میں جواب لکھ کر شائع کر دینے پر مجبور کرتے ہیں، مگر مرزا جی تو اپنی حقیقت خوب جانتے تھے اس لیے انہوں نے مولانا امرتسریؒ کے سامنے بیٹھنا پسند نہ کیا۔

اب سنیے میں بتاؤں کہ یہ قصیدہ اور کتاب بہت لمبی مدت میں بنائے گئے ہیں غور کیجیے۔ مرزا جی نے ۵ نومبر ۱۸۹۹ء کو ایک اشتہار دیا جس کا مضمون تھا کہ ''اے خدا! میرے لیے آخیر دسمبر ۱۹۰۲ء تک کوئی نشان دکھا'' ادھر اشتہار دیا اور دل میں خیال کیا کہ ایک قصیدہ اور کتاب بنائی جائے اور وقت پر اسی کو یہ نشان بتا دیا جائے۔ چنانچہ کتاب مذکور بنائی جس میں حسب موقع موضع مد کے مباحثہ کا ذکر بھی داخل کر کے ''اعجاز احمدی'' کے نام سے شائع کر دی۔ حالانکہ اس اشتہار مؤرخہ ۱۵ نومبر ۱۸۹۹ء کا ذکر مرزا جی خود ہی کتاب ''اعجاز احمدی'' کے صفحہ ۳۶ اور ۸۸ پر کرتے ہیں اور بعد میعاد مذکورہ بھی انہوں نے اپنی عربی تحریروں کو اس سہ سالہ پیش گوئی کا مصداق بنایا۔

مرزا جی اگر اعجاز نویس تھے تو صاف لکھتے کہ میں نے یہ قصیدہ لکھا ہے اس کے مقابل میں قصیدہ لکھ کر لائیے اور اس کام کے لیے کوئی میعاد مقرر نہ ہوتی جس طرح قرآن مجید نے اپنے مقابلے کے لیے کوئی میعاد اور مدت مقرر نہیں کی۔

اب ذرا اس قصیدہ کی عربیت کا نمونہ ملاحظہ فرما لیجیے۔ قصیدہ مذکورہ کا پہلا شعر ہے۔

ایا ارض مد قد اتاك مدمر
وارداك ضليل واغراك موغر

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخیر حرف پر پیش ہے۔ اب سنیئے اس قصیدے کے اندر کا نمونہ

اخيت ذئبا عائتا او اباالوفا
اوافيت مدا اد رائت امرتسر

یعنی آخر حرف پر پیش ہے، بتائیے یا عربی دانوں سے پوچھیے کہ امرتسر رایت کا مفعول بہ ہے پھر اس پر رفع (پیش) کیوں ہے؟ اس قسم کی اور اس کے علاوہ عروضی سینکڑوں اغلاط اس قصیدہ کی مولانا امرتسریؒ نے اپنی کتاب ''الہامات مرزا'' میں بتائی ہیں جن کا جواب جماعت مرزائیہ سے نہیں ہو سکا۔ (اہل حدیث ۲ اگست ۱۹۲۹ء، صفحہ ۵-۶)

فتح قادیان

مرزا صاحب کی کتاب ''اعجاز احمدی'' نے ایک اور واقعہ کو جنم دیا جو تحریک ختم نبوت میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہ واقعہ قادیان میں مولانا امرتسریؒ کے ورود اور مرزا صاحب کی شکست سے عبارت ہے، اور اسے سطور ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے۔

تاریخ احمدیت کا مرتب لکھتا ہے:

''حضور (مرزا غلام احمد) نے یہ پیشگوئی فرمائی کہ وہ (ثناء اللہ) قادیان میں تمام پیشگوئیوں کی پڑتال کے لیے میرے پاس ہرگز نہیں آئیں گے۔ چنانچہ وہی کچھ ہوا جس کی خبر آپ نے قبل از وقت دے دی تھی۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ مولوی ثناء اللہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء کو حضور کو اطلاع دیئے بغیر بٹالہ سے دو تین سپاہیوں کی معیت میں قادیان آئے اور آریہ سماج کے مندر میں ٹھہرے۔ حضرت اقدس کو یہ سن کر بہت صدمہ ہوا کہ وہ براہ راست آپ کے پاس آنے کے بجائے آریہ سماج کے مندر میں کیوں مقیم ہو گئے۔ چنانچہ حضور نے ایک دوسرے موقع پر اس درد کا اظہار فرمایا کہ میں نے ثناء اللہ کو ہرگز نہیں کہا کہ میرے مکان پر نہ آئے...... بلکہ وہ خود ان آریہ سماج والوں کے مکان پر اترا' وہ میرے دروازے پر نہیں آیا تا میں اس کی خاطر داری کرتا بلکہ دشمنان نبی کریم ﷺ کے دروازہ پر گیا''۔ (تاریخ احمدیت' جلد ۳' صفحہ ۲۸۲)

اور مرزا صاحب کے ''ملفوظات'' جلد ۴ میں ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء کی ڈیڈ لائن کے ساتھ زیر عنوان' ''مولوی ثناء اللہ صاحب کا قادیان آنا'' لکھا ہے۔

عصر کے وقت خدا تعالیٰ کے برگزیدہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ خبر ہوئی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری، قادیان آئے ہوئے ہیں، مگر آپ نے اس کے متعلق یہی فرمایا کہ ہزاروں لوگ راہرو آتے ہیں ہمیں اس سے کیا؟ مغرب کی نماز باجماعت ادا کر کے

جب حضرت اقدس دولت سرا کو تشریف لے چلے تو ایک شخص نے ہاتھ میں قلم دوات لیے حضرت اقدس کی خدمت میں کچھ کاغذات پیش کیے۔ اس قلم دوات سے اس کی غرض یہ تھی کہ حضرت سے رقعہ کی رسید لے، مگر حضرت نے توجہ نہ کی اور اس کے وہ کاغذات لے کر تشریف لے گئے اور جب عشاء کی نماز کے لیے تشریف لائے تو فرمایا کہ ایک ہی مضمون کے دو رقعے مولوی ثناء اللہ صاحب کی طرف سے پہنچے ہیں۔ نہ معلوم دو رقعوں کی کیا غرض تھی۔ اس وقت یہ عقدہ حل ہوا کہ غالباً دوسرا رقعہ دستخط یعنی رسید رقعہ لینے کی غرض سے تھا۔ مگر قاصد کو رسید مانگنے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ رقعہ اس وقت سید سرور شاہ صاحب کے حوالے کیا گیا کہ وہ اسے پڑھ کر مجلس کو سنا دیں۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا ہم تیار ہیں' وہ ہفتہ عشرہ آرام سے باتیں سنے اور اگر اس کا منشا مباحثہ کا ہو تو اس کی غلطی ہے کیونکہ اب مدت ہوئی ہم مباحثات کو بند کر چکے ہیں۔ اگر اس کو طلب حق کی ضرورت ہے تو وہ رفق اور آہستگی سے اپنی غلطی دور کروائے۔ طالب حق کے لیے ہمارا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ ہاں جو شخص ایک منٹ رہ کر چلا جانا چاہتا ہے اور اسے فتح اور شکست اور ہار جیت کا خیال ہے وہ مستفید نہیں ہو سکتا' بجز ایسے شخص کے جو نیک بن کر آئے، ہم تو دوسرے کے ساتھ کلام کرنا بھی تضیع اوقات خیال کرتے ہیں۔ ہمیں تعجب ہے کہ وہ کیوں کمہار کے ہاں جا کر اترے۔ چاہیے تھا کہ مستفیدوں کی طرح آتا اور ہمارے مہمان خانے میں اترتا۔ پھر فرمایا ہم اس رقعہ کا صبح کو جواب دیں گے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نماز سے فارغ ہو کر تشریف لے چلے تو ثناء اللہ صاحب کے قاصد نے آواز دی کہ حضرت جی، مولوی ثناء اللہ صاحب کے رقعہ کا کیا جواب ہے۔ حضرت نے فرمایا صبح کو دیا جائے گا۔ قاصد نے کہا میں آ کر جواب لے جاؤں یا آپ بذریعہ ڈاک روانہ کریں گے۔ حضرت اقدس نے فرمایا خواہ تم آ کر لے جاؤ خواہ ثناء اللہ آ کر لے جائے۔ پھر آپ نے قاصد کا نام پوچھا تو اس نے کہا محمد صدیق۔

(البدر' جلد ا' نمبر ۱۲ مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۰۳ء' منقول از ملفوظات' جلد ۴' صفحہ ۴۰۴-۴۰۵)

مولانا کی قادیان میں آمد اس قدر غیر متوقع تھی کہ مرزا صاحب کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ ان کے ہوش و حواس گم ہو گئے اور انہیں اپنی زبان پر قابو نہ رہا جیسا کہ مرزا بشیر احمد لکھتے ہیں:

''بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی نے کہ جب حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں اعجاز احمدی

کی تصنیف کے بعد مولوی ثناء اللہ قادیان آیا اور حضرت مسیح موعود کے ساتھ اس کی دستی خط و کتابت ہوئی تو اس نے ایک دفعہ اپنا ایک آدمی کسی بات کے دریافت کرنے کے لیے حضرت صاحب کے پاس بھیجا۔ یہ شخص جب مسجد مبارک میں حضرت صاحب کے پاس آیا تو حضرت صاحب اس وقت اٹھ کر اندرون خانہ تشریف لے جا رہے تھے۔ اس نے حضرت صاحب سے کوئی بات پوچھی اور حضرت صاحب نے اس کا جواب دیا۔ جس پر اس نے کوئی سوال کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ کام یا یہ بات کون کرے۔ مولوی (شیر علی) صاحب کہتے ہیں کہ سوال مجھے یاد نہیں رہا مگر اس پر حضرت صاحب نے اسے فرمایا ، تو ، ۔ مولوی شیر علی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اس دفعہ کے علاوہ کبھی حضرت مسیح موعود کے منہ سے کسی شخص کو ، تو ، کہتے نہیں سنا۔ موافق ہو یا مخالف' غریب سے غریب اور چھوٹے سے چھوٹا بھی ہوتا تھا تو حضرت صاحب اسے ہمیشہ آپ کے لفظ سے مخاطب کرتے تھے مگر اس وقت اس شخص کو آپ نے خلاف عادت ''تو'' کا لفظ کہا اور ہم سب نے اس بات کو عجیب سمجھ کر محسوس کیا''۔ (سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۱۴۵)

محمد صدیق قاصد کے ہاتھ مولانا امرتسریؒ نے جو رقعہ بھجوایا تھا اس کی عبارت یہ ہے۔

''بسم اللہ الرحمن الرحیم''

بخدمت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان

خاکسار آپ کی دعوت مندرجہ ''اعجاز احمدی'' صفحہ ۱۱-۲۳ کے مطابق اس وقت قادیان میں حاضر ہے۔ جناب کی دعوت قبول کرنے میں آج تک رمضان شریف مانع رہا ورنہ اتنی دیر نہ ہوتی۔ اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے جناب سے کوئی ذاتی خصومت اور عناد نہیں چونکہ آپ بقول خود ایسے عہدہ جلیلہ پر ممتاز اور مامور ہیں جو تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے عموماً اور مجھ جیسے مخلصین کے لیے خصوصاً ہے اس لیے مجھے قوی امید ہے کہ آپ میری تفہیم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں گے اور حسب وعدہ مجھے اجازت بخشیں گے کہ میں مجمع میں آپ کی پیش گوئیوں کی نسبت اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ میں مکرر آپ کو اپنے اخلاص اور صعوبت سفر کی طرف توجہ دلا کر اسی عہدہ جلیلہ کا واسطہ دے کر گزارش کرتا ہوں کہ آپ مجھے ضرور ہی موقع دیں گے۔ الراقم ۔ ابوالوفا ثناء اللہ۔ ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء بوقت سوا دو بجے دن۔ (فسانہ قادیان۔ صفحہ ۱۸۱)

مرزا صاحب نے اگلے روز اس کا جواب دیا جیسا کہ ۱۱ جنوری کی ڈیٹ لائن کے ساتھ ''مولوی ثناء اللہ کے رقعہ کا جواب'' کے زیر عنوان ''ملفوظات جلد ۴' صفحہ ۴۰۵'' میں لکھا ہے۔

فجر کی نماز کو جب حضرت اقدس تشریف لائے تو قبل از نماز آپ نے وہ رقعہ جو مولوی ثناء اللہ صاحب کے رقعہ کے جواب میں تحریر فرمایا تھا احباب کو سنایا' وہ رقعہ یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

از طرف عایذ باللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ واید۔ بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب

''آپ کا رقعہ پہنچا' اگر آپ لوگوں کی صدق دل سے یہ نیت ہو کہ اپنے شکوک وشبہات پیشگوئیوں کی نسبت یا ان کے ساتھ اور امور کی نسبت بھی جو دعویٰ سے تعلق رکھتے ہیں رفع کرا دیں تو یہ آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہوگی اور اگرچہ میں کئی سال ہوئے اپنی کتاب ''انجام آتھم'' میں شائع کر چکا ہوں کہ میں اس گروہ مخالف سے ہرگز مباحثات نہیں کروں گا کیونکہ اس کا نتیجہ بجز گندی گالیوں اور اوباشانہ کلمات سننے کے اور کچھ نہیں ہوا مگر میں ہمیشہ طالب حق کے شبہات دور کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اگرچہ آپ نے اس رقعہ میں دعویٰ تو کر دیا ہے کہ طالب حق ہوں مگر مجھے تامل ہے کہ آپ اس دعویٰ پر قائم رہ سکیں۔ کیونکہ آپ لوگوں کی عادت ہے کہ ایک بات کو کشاں کشاں بیہودہ مباحثات کی طرف لے آتے ہیں اور میں خدا تعالیٰ کے سامنے وعدہ کر چکا ہوں کہ ان لوگوں سے مباحثہ ہرگز نہیں کروں گا۔ سو وہ طریق جو مباحثات سے بہت دور ہے کہ آپ اس مرحلہ کو صاف کرنے کے لیے اول یہ اقرار کریں کہ آپ منہاج نبوت سے باہر نہیں جائیں گے اور وہی اعتراض کریں گے جو آنحضرت ﷺ پر یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یا حضرت یونس علیہ السلام پر عائد نہ ہوتا ہو اور حدیث اور قرآن شریف کی پیشگوئیوں پر زد نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہوگی کہ آپ زبانی بولنے کے مجاز نہ ہوں گے صرف آپ مختصر ایک یا دو سطر تحریر دے دیں کہ میرا یہ اعتراض ہے۔ پھر آپ کو عین مجلس میں مفصل جواب سنایا جائے گا۔ اعتراض کے لیے لمبا لکھنے کی ضرورت نہیں ایک سطر یا دو سطر کافی ہیں۔ تیسری یہ شرط ہوگی کہ ایک دن میں صرف ایک ہی آپ اعتراض پیش کریں گے کیونکہ آپ اطلاع دے کر نہیں آئے چوروں کی طرح آ گئے اور ہم ان دنوں باعث کم فرصتی اور کام طبع کتاب کے تین گھنٹہ سے زیادہ صرف نہیں کر سکتے۔ یاد

رہے کہ یہ ہرگز نہ ہوگا کہ عوام کالانعام کے روبرو آپ واعظ کی طرح ہم سے گفتگو شروع کر دیں بلکہ آپ نے بالکل منہ بند رکھنا ہوگا جیسے صم بکم۔ یہ اس لیے کہ تا گفتگو مباحثہ کے رنگ میں نہ ہو جائے اور صرف ایک پیش گوئی کی نسبت سوال کریں میں تین گھنٹہ تک اس کا جواب دے سکتا ہوں اور ایک ایک گھنٹے کے بعد آپ کو متنبہ کیا جائے گا کہ ابھی تسلی نہیں ہوئی تو اور لکھ کر پیش کرو۔ آپ کا کام نہیں ہوگا کہ اس کو سنائیں ہم خود پڑھ لیں گے۔ مگر چاہیے کہ دو تین سطر سے زیادہ نہ ہو۔ اس طرز میں آپ کا کچھ حرج نہیں کیونکہ آپ تو شبہات دور کرانے آئے ہیں۔ یہ طریق شبہات دور کرانے کا بہت عمدہ ہے۔ میں باآواز بلند لوگوں کو سناؤں گا کہ اس پیش گوئی کی نسبت مولوی ثناء اللہ کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا ہے اور اس کا یہ جواب ہے۔ اس طرح تمام وساوس دور کر دیئے جائیں گے لیکن اگر چاہو کہ بحث کے رنگ میں آپ کو بات کرنے کا موقع دیا جائے تو ہرگز نہ ہوگا۔ ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء تک میں اس جگہ ہوں بعد میں ۱۵ جنوری کو ایک مقدمہ پر جہلم جاؤں گا' سو اگرچہ بہت کم فرصتی ہے لیکن ۱۴ جنوری تک آپ کے لیے تین گھنٹے تک خرچ کر سکتا ہوں اگر آپ لوگ نیک نیتی سے کام لیں تو یہ ایسا طریق ہے کہ اس سے آپ کو فائدہ ہوگا ورنہ ہمارا اور آپ لوگوں کو آسمان پر مقدمہ ہے خود خدا تعالیٰ فیصلہ کرے گا۔ والسلام علی من اتبع الہدی۔ سوچ کر دیکھ لو کہ یہ بہتر ہوگا کہ آپ تحریر جو سطر دو سطر سے زیادہ نہ ہو ایک ایک گھنٹہ کے بعد اپنا شبہ پیش کرتے جاویں اور میں وسوسہ دور کرتا جاؤں گا۔ ایسے صدہا آدمی آتے ہیں اور وسوسہ دور کرا لیتے ہیں۔ ایک بھلا مانس شریف آدمی ضرور اس بات کو پسند کرے گا' اس کو وساوس دور کرانے ہیں اور کچھ غرض نہیں' لیکن وہ لوگ جو خدا سے نہیں ڈرتے ان کی تو نیتیں ہی اور ہوتی ہیں۔ مرزا غلام احمد (مرتب ملفوظات لکھتا ہے کہ مرزا صاحب نے) فرمایا کہ یہ طریق بہت امن کا ہے۔ اگر یہ نہ کیا جاوے تو بدامنی اور بدنتیجہ کا اندیشہ ہے۔ اس کے بعد فجر کی نماز ہوئی تو حضرت اقدس نے قلم دوات طلب فرمائی اور فرمایا کہ تھوڑا سا اور اس رقعہ پر لکھنا ہے۔ اتنے میں مولوی ثناء اللہ صاحب کے قاصد پھر آ موجود ہوئے اور جواب طلب کیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ابھی لکھ کر دیا جاتا ہے۔ پھر بقیہ حصہ آپ نے لکھ کر اپنے خدام کے حوالے کیا کہ اس کی نقل کر کے روانہ کر دو''۔ وہ حصہ رقعہ کا یہ ہے:

بالآخر اس غرض کے لیے اب آپ اگر شرافت اور ایمان رکھتے ہیں تو قادیان سے بغیر تصفیہ کے خالی نہ جائیں۔ دو قسموں کا ذکر کرتا ہوں۔ اول چونکہ انجام آتھم میں خدا سے قطعی عہد کر چکا ہوں کہ ان لوگوں سے قطعی بحث نہ کروں گا۔ صرف آپ کو یہ موقعہ دیا جاوے گا کہ آپ اول ایک اعتراض جو آپ کے نزدیک سب سے بڑا اعتراض کسی پیش گوئی پر ہو ایک سطر یا دو سطر یا حد تین سطر لکھ کر پیش کریں۔ جس کا یہ مطلب ہو کہ یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی اور منہاج نبوت کی رو سے قابل اعتراض ہے اور پھر چپ رہیں اور میں مجمع عام میں اس کا جواب دوں گا جیسا کہ مفصل لکھ چکا ہوں۔ پھر دوسرے دن دوسری پیش گوئی اسی طرح لکھ کر پیش کریں۔ یہ تو میری طرف سے خدا تعالی کی قسم ہے کہ میں اس سے باہر نہیں جاؤں گا اور کوئی زبانی بات نہیں سنوں گا اور آپ کی مجال نہیں ہوگی کہ کوئی کلمہ بھی زبانی بول سکیں اور آپ کو بھی خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ اگر آپ سچے دل سے آئے ہیں تو اس کے پابند ہو جائیں اور ناحق فتنہ وفساد میں عمر بسر نہ کریں۔ اب ہم دونوں میں سے جو شخص اعراض کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہو اور خدا کرے کہ وہ اس لعنت کا پھل بھی اپنی زندگی میں دیکھ لے۔ آمین! سو میں دیکھوں گا کہ آپ سنت نبویہؐ کے موافق اس قسم کو پورا کرتے ہیں یا قادیان سے نکلتے ہوئے اس لعنت کو ساتھ لے جاتے ہیں۔ اور چاہیے کہ اول آپ اس عہد مؤکد قسم کے آج ہی ایک اعتراض دو تین سطر کا لکھ کر بھیج دیں اور وقت مقرر کر کے مسجد میں مجمع کیا جائے گا۔ اور آپ کو بتلا دیا جاوے گا اور عام مجمع میں آپ کے شیطانی وساوس دور کر دیئے جاویں گے۔ (مرتب ملفوظات کہتا ہے کہ) رقعہ دے کر آپ تشریف لے گئے اور اندر سے حضور نے کہلا بھیجا کہ رقعہ وہاں جا کر ان کو سنا دیا جائے اور پھر ان کے حوالے کیا جائے۔ چنانچہ یہ رقعہ مولوی ثناء اللہ صاحب کو پہنچا دیا گیا۔ (ملفوظات' جلد۴)

مرزا صاحب کے رقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے محمد ابراہیم کمیر پوری لکھتے ہیں کہ

دیکھئے کیسا مایوسانہ جواب ہے۔ خود تحقیق حق یعنی بحث کے لیے بلایا ہے اور اس وقت اتنی دلیری ہے کہ انعام مقرر ہو رہا ہے۔ الہام شائع کیا جا رہا ہے کہ ہرگز نہیں آئیں گے مگر جب حریف کو مد مقابل پایا تو حواس باختہ ہو کر فرماتے ہیں کہ چوروں کی طرح آ گئے ہیں۔ میں انجام آتھم مطبوعہ ۱۸۹۶ء میں خدا تعالیٰ سے عہد کر چکا ہوں کہ مباحثہ

نہیں کروں گا۔ مرزا جی سے کون پوچھے کہ اگر آپ ۱۸۹۶ء میں واقعی مباحثات ترک کرنے کا عہد کر چکے تھے تو آپ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو نومبر ۱۹۰۲ء میں قادیان آنے کی دعوت ہی کیوں دی تھی۔ مولوی صاحب تاہم مایوس نہیں ہوئے بلکہ اتمام حجت کے لیے جوابی رقعہ بھی خدمت مرزا میں پیش کر دیا۔ (فسانہ قادیان۔ صفحہ ۱۸۵)

مولانا ثناء اللہ مرحوم کا جواب حسب ذیل ہے:

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

''امابعد! از خاکسار ثناء اللہ۔ بخدمت مرزا غلام احمد صاحب آپ کا طولانی رقعہ ملا مگر افسوس کہ جو کچھ تمام ملک کو گمان تھا، وہی ہوا۔

جناب والا! جب کہ میں حسب دعوت ''اعجاز احمدی'' حاضر ہوا ہوں اور اپنے پہلے رقعہ میں اس کا حوالہ بھی دے چکا ہوں تو پھر اتنی طول کلامی جو آپ نے کی ہے بجز عادت کے اور کیا معنی رکھتی ہے۔ جناب من! کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آپ ''اعجاز احمدی'' میں اس عاجز کو تحقیق حق کے لیے بلاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ میری پیشگوئیوں کو غلط ثابت کرو تو مبلغ سو روپیہ فی پیشگوئی انعام لو اور اس رقعہ میں مجھے ایک دو سطریں لکھنے پر پابند کرتے ہیں۔ اور اپنے لیے تین گھنٹے تجویز کرتے ہیں۔ کیا یہ انصاف ہے؟ بھلا یہ بھی کوئی تحقیق کا طریقہ ہے کہ میں تو دو سطریں لکھوں اور آپ تین گھنٹہ تقریر فرماتے جائیں۔ اس سے تو صاف سمجھ میں آتا ہے کہ آپ مجھے دعوت دے کر پچھتا رہے ہیں اور اپنی دعوت سے انکاری اور تحقیق سے اعراض کر رہے ہیں جس کے لیے آپ نے مجھے در دولت پر حاضر ہونے کی دعوت دی تھی۔ اس سے عمدہ تو میں امرتسر میں بیٹھے ہی کر سکتا تھا اور کر چکا ہوں۔ مگر چونکہ میں اپنے سفر کی صعوبت یاد کر کے بلا نیل و مرام واپس جانا کسی صورت مناسب نہیں جانتا اس لیے میں آپ کی بے انصافی بھی قبول کرتا ہوں کہ میں دو تین سطر ہی لکھوں گا اور آپ بلا شک تین گھنٹے تقریر کریں مگر اتنی اصلاح ہوگی کہ میں دو تین سطریں مجمع میں خود پڑھ کر سناؤں گا اور ہر گھنٹہ کے بعد پانچ منٹ حد دس منٹ آپ کے جواب کی نسبت رائے ظاہر کروں گا اور چونکہ مجمع آپ پسند نہیں کرتے اس لیے فریقین کے پچیس پچیس آدمی ہوں گے۔ آپ میرا بلا اطلاع آنا چوروں کی طرح فرماتے ہیں کیا مہمانوں کی خاطر اسی کو کہتے ہیں۔ اطلاع دینا آپ نے شرط نہیں کیا تھا۔

علاوہ اس کے کہ آپ کو آسمانی اطلاع بھی ہوگئی ہوگی۔ آپ جو مضمون سنائیں گے وہ اسی وقت مجھے دے دیا جائے گا۔ کارروائی آج ہی شروع کر دی جائے۔ میں آپ کا جواب آنے پر مختصر سوال بھیج دوں گا۔ باقی لعنتوں کے متعلق وہی عرض ہے جو حدیث میں موجود ہے۔ ابوالوفاء ثناء اللہ ۱۱ جنوری ۱۹۰۳ء۔ (فسانہ قادیان' صفحہ ۱۸۵۔۱۸۶)

ملفوظات کا مرزائی مرتب اس جواب کے بارے میں لکھتا ہے:

''یہ نامعقول اور اصل بحث سے بالکل دور جواب سن کر حضرت اقدس کو بہت رنج ہوا اور آپ نے فرمایا کہ ہم نے جو اسے خدا کی قسم دی تھی اس سے فائدہ اٹھاتا یہ نظر نہیں آتا۔ اب خدا کی لعنت لے کر واپس جانا چاہتا ہے۔ جس بات کو ہم بار بار لکھتے ہیں کہ ہم مباحثہ نہیں کرتے جیسا کہ ہم انجام آتھم میں اپنا عہد دنیا میں شائع کر چکے ہیں تو اب اس کا منشا ہے کہ ہم خدا کے اس عہد کو توڑ دیں' یہ ہرگز نہ ہوگا' پھر اس رقعہ میں کس قدر افتراء سے کام لیا گیا ہے کیونکہ جب ہم اسے اجازت دیتے ہیں کہ ہر ایک گھنٹہ کے بعد وہ دو تین سطریں ہماری تقریر پر اپنے شبہات کی لکھ دے تو اس طرح سے خواہ اس کی دن میں تیس سطور ہو جائیں (نو سے زیادہ کس طرح ہو سکتی ہیں کیونکہ روزانہ کل وقت صرف تین گھنٹے تھا۔ ناقل) ہم کب گریز کرتے ہیں اور خواہ ایک ہی پیش گوئی پر وہ ہم سے دس دن تک سنتا رہتا (یعنی ۱۵۰۰ پیش گوئیوں کے لیے اس حساب سے پندرہ ہزار دن ہو گئے اور مرزا صاحب کے پاس تو صرف تین دن کا وقت تھا کیونکہ آپ جہلم جا رہے تھے۔ پھر مولانا امرتسریؒ کا قادیان میں گھر نہیں تھا کہ سالہا سال وہاں بیٹھے رہیں۔ ناقل) اور اپنے وساوس اس طرز سے پیش کرتا رہتا۔ اسے اختیار تھا' پھر ایک جھوٹ یہ بولا ہے کہ لکھتا ہے کہ آپ مجمع پسند نہیں کرتے۔ بھلا ہم نے کب لکھا ہے کہ ہم مجمع پسند نہیں کرتے بلکہ ہم تو جلسہ عام چاہتے ہیں کہ تمام قادیان کے لوگ اور دوسرے بھی جس قدر ہوں جمع ہوں تاکہ ان لوگوں کی بے ایمانی کھلے کہ کس طرح یہ لوگوں کو فریب دے رہے ہیں۔ اگر اسے حق کی طلب ہوتی تو اسے ہماری شرائط ماننے میں کیا عذر تھا مگر یہ بدنصیب واپس جاتا نظر آتا ہے۔ پھر مولوی احسن صاحب کو حضور انور نے فرمایا کہ آپ اس کا جواب لکھ دیں مجھے فرصت نہیں میں کتاب لکھ رہا ہوں۔ یہ کہہ کر حضور تشریف لے گئے''۔

(ملفوظات' جلد۴)

مولانا امرتسریؒ فرماتے ہیں:

''چہ خوش۔ ہم تو آپ کی دعوت کے مطابق تکذیب کو آئے ہیں۔ آپ کا یہ کہنا کہ شبہات دور کرانے آئے ہیں آپ کی معمولی بات ہے، کیسی صفائی اور ہوشیاری کے ساتھ بحث سے انکار کرتے ہیں، حالانکہ تحقیق حق کے لیے مجھے بلایا ہے جو بالکل بحث کے لیے ہم معنی لفظ ہے (دیکھو اعجاز احمدی) اور اب صاف منکر ہیں بلکہ مجھے ایسی خاموشی کا حکم دیتے ہیں کہ صم بکم (بہرہ گونگا) ہو کر آپ کا ایک لیکچر سنتا جاؤں۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ بکم یعنی گونگا ہو کر تو میں سن سکتا ہوں۔ صم (بہرہ) ہو کر کیا سنوں گا؟ شاید یہ بھی معجزہ ہو''۔

(فتنہ قادیانیت صفحہ ۸۷، بحوالہ الہامات مرزا طبع ششم، صفحہ ۱۱۶-۱۲۳)

مولانا محمد ابراہیم کمیر پوریؒ لکھتے ہیں:

غور فرمایئے کہ مولوی (ثناء اللہ) صاحب نے (مرزا کے) اس مایوس کن رقعہ کا جو سراسر بے انصافی اور دفع الوقتی پر مبنی تھا کیسا معقول جواب دیا، معمولی سی اصلاح کے ساتھ مرزا جی کی تمام شرائط منظور کر لیں۔ مقصد صرف یہ تھا کہ سفر کر کے آیا ہوں افہام تفہیم کے بغیر نہ جاؤں، چونکہ مرزا جی کو اپنی کمزوریوں کا پوری طرح احساس تھا اور بحث کے نتائج کو آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اس لیے مولوی صاحب کی معمولی ترمیم بھی منظور نہ ہوئی اور مریدوں سے آخری جواب لکھوا دیا جو یوں ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامدا ومصلیا

مولوی ثناء اللہ صاحب! آپ کا رقعہ حضرت امام الزمان مسیح موعود مہدی معہود علیہ السلام کی خدمت مبارک میں سنا دیا گیا۔ چونکہ مضامین اس کے محض عناد اور تعصب آمیز تھے جو طلب حق سے بعد المشرقین کی دوری اس سے صاف ظاہر ہے لہٰذا حضرت اقدس کی طرف سے یہی جواب آپ کو کافی ہے کہ آپ کو تحقیق حق منظور نہیں ہے۔ اور حضرت انجام آتھم اور آپ کے جواب میں مرقوم خط میں قسم کھا چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے عہد کر چکے ہیں کہ مباحثہ کی شان سے مخالفین کے ساتھ کوئی تقریر نہ کریں گے اور خلاف معاہدہ الٰہی کوئی مامور من اللہ کیونکر کسی فعل کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ لہٰذا آپ کی اصلاح جو بطرز شان مناظرہ آپ نے لکھی تھی وہ ہرگز منظور نہیں ہے اور یہ بھی منظور نہیں فرماتے ہیں کہ جلسہ محدود ہو بلکہ فرماتے ہیں کہ کل قادیان وغیرہ کے اہل الرائے مجتمع ہوں تا کہ حق و

باطل سب پر واضح ہو جائے۔ خاکسار محمد احسن بحکم امام زمان' ۱۱ جنوری ۱۹۰۳ء۔

(فسانہ قادیان' صفحہ ۱۸۷' فتنہ قادیانیت صفحہ ۸۹-۹۰)

مرتب ملفوظات لکھتا ہے کہ مولوی محمد احسن صاحب نے رقعہ کا جواب تحریر فرمایا۔ اس کے بعد کوئی جواب مولوی ثناء اللہ صاحب کی طرف سے نہ آیا اور وہ قادیان سے چلے گئے۔

(البدر جلد ۲' نمبر ۱ و ۲' مورخہ ۲۳ و ۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء۔ منقول از ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۴۰۱)

اور اسی کتاب کے صفحہ ۴۱۴ پر "مولوی ثناء اللہ کا ذکر" کے عنوان سے لکھا ہے۔

بابو شاہ دین صاحب نے ثناء اللہ کے آنے کا ذکر کیا تو (مرزا نے) فرمایا کہ لعنت لے کر چلا گیا اور جو منصوبہ وہ گھڑ کے لایا تھا اس میں اسے کامیابی نہ ہوئی۔ ہم نے اس کا ذکر اور جواب وغیرہ اس عربی کتاب میں کر دیا ہے اب جہلم سے واپس آ کر بشرط فرصت اردو میں لکھیں گے۔ (بحوالہ البدر جلد ۲' نمبر ۵' صفحہ ۳۴' مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء)

قارئین۔ ۱۸۹۶ء میں انجام آتھم والے عہد کی بات یوں غلط ہے کہ خود مرزا صاحب نے اس کے بعد یعنی ۲۵ مئی ۱۹۰۰ء کے اشتہار معیار الاخیار میں علماء کو مباحثہ کی دعوت دی ہے۔ یہ اشتہار مرزا صاحب کے مجموعہ اشتہارات جلد سوم میں موجود ہے۔ اس میں سے ایک اقتباس پڑھ لیجئے۔ مرزا صاحب کہتے ہیں

آپ لوگ اے اسلام کے علماء اب بھی اس قاعدہ کے موافق جو سچے نبیوں کی شناخت کے لئے مقرر کیا گیا ہے قادیان سے قریب کسی مقام میں جیسا کہ بٹالہ ہے یا اگر آپ کو انشراح صدر میسر آوے تو خود قادیان میں ایک مجلس مقرر کریں جس مجلس کے سرگروہ آپ کی طرف کے چند ایسے مولوی صاحبان ہوں کہ جو علم اور برداشت اور خوف باری تعالی میں آپ لوگوں کے نزدیک مسلم ہوں پھر ان پر واجب ہوگا کہ منصفانہ طور پر بحث کریں اور ان کا حق ہوگا کہ تین طور سے مجھ سے اپنی تسلی کر لیں۔ ۱۔ قرآن اور حدیث کی رو سے۔ ۲۔ عقل کی رو سے۔ ۳۔ سماوی تائیدات اور خوارق اور کرامت کی رو سے۔ کیونکہ خدا نے اپنے کلام میں مامورین کے پرکھنے کے لئے یہی تین طریق بیان فرمائے ہیں۔ پس اگر میں ان تینوں طوروں سے ان کی تسلی نہ کر سکا یا اگر ان تینوں میں سے ایک یا دو طور سے تسلی کی تو تمام دنیا گواہ رہے کہ میں کاذب ٹھہروں گا۔

(کتاب مذکور ص ۲۷۰)

اس کے بعد بھی مرزا صاحب اپنے مخالفین کو دعوت مباحثہ دیتے رہے ہیں جیسا کہ انہوں نے ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء کو پیر مہر علی گولڑوی کے خلاف جو اشتہار شائع کیا اس میں فرمایا

،سو مناسب ہے کہ لاہور میں جو صدر مقام پنجاب ہے، صادق اور کاذب کے پرکھنے کے لئے ایک جلسہ قرار دیا جائے اور اس طرح پر مجھ سے مباحثہ کریں کہ قرعہ اندازی کے طور پر قرآن شریف کی کوئی سورت نکالیں اور اس میں سے چالیس آیت یا ساری سورت (اگر چالیس آیت سے زاید نہ ہو) لے کر فریقین یعنی یہ عاجز اور مہر علی شاہ صاحب ......عربی میں اس کی تفسیر کو لکھنا شروع کریں...... زانو بہ زانو لکھنا ہوگا، نہ کسی پردہ میں، لکھنے کے لیے فریقین کو سات گھنٹہ کی مہلت ملے گی، جب فریقین لکھ چکیں تو دونوں تفسیریں بعد دستخط تین اہل علم کو جن کا اہتمام حاضری و انتخاب پیر مہر علی شاہ صاحب کے ذمہ ہوگا سنائی جائیں گی۔ یاد رہے کہ مقام بحث بجز لاہور کے جو مرکز پنجاب ہے اور کوئی نہ ہوگا۔ انتظام مکان جلسہ پیر صاحب کے اختیار میں ہوگا، اگر ضرورت ہوئی تو بعض پولیس کے افسر بلا لیے جائیں گے۔

(مجموعہ اشتہارات، جلد سوم، صفحہ ۳۲۷-۳۳۱)

مرزا صاحب نے اس اشتہار کا ضمیمہ بھی شائع کیا جس میں لکھا:

"ممکن ہے کہ اس ملک کے بعض علماء ناحق کی شیخی سے یہ خیال کریں کہ ہم قرآن وشریف کے جاننے اور زبان عربی کے علم و ادب میں پیر صاحب موصوف پر فوقیت رکھتے ہیں اس لیے قرین مصلحت معلوم ہوا کہ ان تمام بزرگوں کو بھی اس مقابلہ سے باہر نہ رکھا جائے۔ لہٰذا اس ضمیمہ کے ذریعہ پنجاب اور ہندوستان کے تمام ان مولویوں کو مدعو کیا جاتا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ علم تفسیر قرآن اور عربی کے علم ادب اور بلاغت فصاحت میں سرآمد روزگار ہیں۔ مقام مباحثہ لاہور ہوگا۔ بحث صرف ایک دن میں ہی ختم ہو جائے گی، جس قدر اس مقابلہ کے لیے مولوی صاحبان حاضر ہوں گے ان کے لیے ہرگز جائز نہیں ہوگا کہ ایک دوسرے کو کسی قسم کی مدد کریں، اگر پیر صاحب اپنے مریدوں کو دریائے ندامت میں ڈال کر بھاگ جائیں اور اپنے لیے کنارہ کشی کا داغ قبول کر لیں تو کم سے کم چالیس نامی مولویوں کا ہونا ضروری ہے جو میدان میں آنے کی درخواست کریں۔ (کتاب مذکور، صفحہ ۳۳۳-۳۳۷)

پیر مہر علی صاحب کے نام ایک اور اشتہار میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''ایک اور سہل طریق ہے جو وہ طرز مباحثہ کی نہیں جس کے ترک کے لیے میرا وعدہ ہے۔ اور وہ طریق یہ ہے کہ مجمع عام میں جس میں ہر سہ رئیس موصوفین (یعنی شیخ غلام محبوب سبحانی، فتح علی شاہ صاحب۔ سید برکت علی صاحب) بھی ہوں تین گھنٹہ تک اپنے دعویٰ اور دلائل کو پبلک کے سامنے بیان کروں پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف سے کوئی خطاب نہ ہوگا اور جب میں تقریر ختم کر چکوں تو پھر پیر مہر علی شاہ صاحب اٹھیں اور وہ بھی تین گھنٹے تک پبلک کو مخاطب کر کے یہ ثبوت دیں کہ حقیقت میں قرآن اور حدیث سے یہی ثابت ہے کہ آسمان سے مسیح آئے گا۔ پھر بعد اس کے لوگ ان دونوں تقریروں کا خود موازنہ کرلیں گے۔ اشتہار ۲۸ اگست ۱۹۰۰ء۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوم، صفحہ ۳۵۴)

ان اقتباسات کا مطلب یہ ہے اگر مرزا صاحب نے انجام آتھم میں کوئی وعدہ کیا بھی تھا، وہ اسے پہلے ہی توڑ چکے تھے اور ٹوٹے ہوئے وعدے اور عہد کی بنا پر مولانا ثناء اللہ سے کنی کترا جانا ان کی شکست کے سوا اور کچھ نہیں کہلا سکتا۔

مرزائی لوگ ابتدا ہی سے یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ قادیان میں مرزا صاحب کو مولانا کے مقابلے میں شکست نہیں ہوئی اور وہ اس واقعہ کی من مانی توجیہات بیان کرتے رہے ہیں جیسا کہ الفضل کے یکم اکتوبر ۱۹۴۲ء کے شمارے میں اپنے نقطہ نظر کے مطابق انہوں نے اس واقعہ کو بیان کیا تو مولانا امرتسریؒ نے اپنے اخبار ''اہل حدیث'' ۲۳ اکتوبر ۱۹۴۲ء کے شمارے میں پہلے تو مرزائیوں کی منطق کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا

۱۔ جن شرائط پر مرزا صاحب نے مولوی ثناء اللہؒ کو بلایا تھا، مولوی صاحب نے ان کو پورا نہیں کیا:

۲۔ مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ فریقین کی گفتگو منہاج نبوت کے ماتحت ہوگی۔

۳۔ مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ مولوی صاحب بغرض تحقیق آئیں۔ مباحثہ کے لیے نہ آئیں، اس کے باوجود مولوی صاحب مجلس عام میں مباحثہ کرنا چاہتے تھے جس کی ضرورت نہ تھی۔

۴۔ کتاب ''انجام آتھم'' میں مرزا صاحب نے خدا سے وعدہ کیا تھا کہ اب میں مولویوں سے مباحثہ نہیں کروں گا اس لیے مولوی ثناء اللہؒ کو کورا جواب دیا۔

اس خلاصے کے بعد مولانا امرتسریؒ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ پہلے نمبر کا جواب یہ ہے کہ میں نے کسی ایسی شرط کے ماننے سے انکار نہیں کیا جو مرزا صاحب نے

مجھے قادیان پہنچنے کی دعوت کے ساتھ لگائی ہو۔ دوسرے نمبر کے جواب میں آپ لکھتے ہیں کہ میں نے منہاج نبوت کی تسلیم سے انکار نہیں کیا اور نہ انکار کرنا میں جائز سمجھتا ہوں۔ یہ بھی مجھ پر افتراء ہے۔ تیسرے نمبر کے جواب میں آپ فرماتے ہیں کہ مجلس میں گفتگو کرنا میرا مقصود تھا۔ اس سے مرزا صاحب نے بھی انکار نہیں کیا' ہاں اتنا کہا تھا کہ مجلس میں لمبی گفتگو نہیں کرنی ہو گی۔ مجھے بھی اس کی ضرورت نہیں۔ انجام آتھم کے حوالے سے کیے گئے دعوے کے جواب میں مولانا فرماتے ہیں یہ دعویٰ محض جھوٹ ہے، چاہے مرزا صاحب کے قلم سے نکلا ہو یا الفضل کے قلم سے۔ اگر الفضل اپنے اس منقولہ فقرہ کو جو بقول اس کے مرزا صاحب کا مرقومہ ہے کتاب ''انجام آتھم'' سے ثابت کر دے تو ہم لدھیانہ کی انعامی رقم مبلغ تین سو روپے میں سے ایک سو روپیہ اس کو بطور انعام دیں گے۔ یاد رہے کہ کتاب ''انجام آتھم'' ہمارے پاس موجود ہے اس کے آخری صفحہ پر مرزا صاحب کے اصل عربی الفاظ یوں مرقوم ہیں: ''از محنا ان لا نخاطب العلماء بعد هذه التوجهات ولو سبونا وهذه منا خاتمة المخاطبات'' یعنی ہم نے قصد کر لیا ہے کہ ان توجیہات کے بعد ہم علماء کو مخاطب نہیں کریں گے اور یہ رسالہ ہماری طرف سے علماء کے ساتھ خطابات کا خاتمہ ہے۔

اس عبارت میں نہ خدا کے ساتھ کوئی وعدہ ہے نہ کسی مباحثہ کا ذکر ہے بلکہ صرف اپنا ارادہ ظاہر کیا ہے کہ ہم علماء سے خطاب نہ کریں گے۔ یہ بات ہر طالب علم جانتا ہے کہ خطاب اور چیز ہے مباحثہ اور چیز۔ قرآن مجید میں کئی جگہ یا ایها الذین آمنوا اور یا ایها الذین کفروا وغیرہ الفاظ آئے ہیں۔ یہ خطابات الٰہیہ ہیں مگر مباحثات الٰہیہ نہیں ہیں۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ مرزا صاحب اس بات پر بھی پختہ نہیں رہے۔ واضح رہے کہ رسالہ ''انجام آتھم'' ۱۸۹۶ء کا مطبوعہ ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مرزا صاحب اپنے پختہ ارادہ کے ماتحت ۱۸۹۶ء کے بعد علماء کو نا قابل خطاب سمجھ کر ان کو شرف خطاب نہ بخشتے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کے بعد بھی آپ ہر تحریر میں علماء اسلام کو اپنی عادت حسنہ کے ماتحت الفاظ قبیحہ سے یاد کرتے رہے۔ چنانچہ اس کتاب کے بعد دوسری کتاب ''ضمیمہ انجام آتھم'' میں علماء کو ان لفظوں میں مخاطب فرماتے ہیں:

عبد الحق غزنوی' مولوی محمد حسین بٹالوی' مولوی احمد اللہ امرتسری یا مولوی ثناء اللہ امرتسری

قسم کھانے سے اپنا تقوی دکھائیں ۔مگر کیا یہ لوگ قسم کھالیں گے۔ ہرگز نہیں کیونکہ جھوٹے ہیں اور کتوں کی طرح جھوٹ کا مردار کھا رہے ہیں ۔ (ضمیمہ انجام آتھم ۔ص ۲۵)

آپ کی ہر کتاب میں علماء کا ذکر اسی طرح ملتا ہے۔اسی کتاب ''اعجاز احمدی'' کو سامنے رکھ لیجئے جو خاص مجھ کو مخاطب کر کے لکھی گئی تھی۔ یہ کتاب ۱۹۰۲ء کی مطبوعہ ہے یعنی ''انجام آتہم'' کی طباعت کے چھ سال بعد طبع ہوئی تھی۔اگر مرزا صاحب اپنے ارادہ پر پختہ تھے تو آپ نے مجھے قادیان آنے کی دعوت کیوں دی تھی۔ الفضل مرزا صاحب کا دعویٰ انجام آتہم سے دکھا کر اپنی اور مرزا صاحب کی تصدیق کرے اور ہم سے سو روپیہ انعام پائے۔

اگر کسی مرزائی نے مولانا امرتسریؒ سے سو روپیہ انعام پایا ہو تو ہمیں معلوم کر کے خوشی ہو گی۔ اور اگر کسی مرزائی نے مرزا صاحب کا مذکورہ دعویٰ ''انجام آتہم'' سے دکھا دیا تھا لیکن مولانا نے اسے انعام نہیں دیا تو ہم اس کی تلافی کے لیے تیار ہیں۔

ازالہ اوہام

مرزا غلام احمد قادیانی کی تصانیف میں ''ازالہ اوہام'' وہ معرکہ آراء کتاب ہے جس میں انہوں نے بقول خود حقائق و معارف کے دریا بہائے ہیں اور نور ہدایت جس میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ سطور ذیل میں اس کتاب کے بعض مندرجات کے بارے میں کچھ معلومات آپ کی خدمت میں پیش کرنا مقصود ہے۔

''ازالہ اوھام'' مرزا صاحب نے اپنے رسائل ''فتح اسلام'' اور ''توضیح مرام'' کے بعد ۱۸۹۱ء میں لدھیانہ میں بیٹھ کی تصنیف فرمائی۔ اس کتاب میں مرزا صاحب نے ان اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کی ہے جو ان دنوں ان پر کیے جارہے تھے۔ اعتراضات کا جواب تو نہ ہو سکا لیکن اس کتاب کے مندرجات نے نئے اعتراضات کو جنم ضرور دے دیا اور اس وجہ سے یہ کتاب بہت سے علمائے اسلام کا موضوع سخن بنی رہی ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے تحریک ختم نبوت کے ایک گم نام کارکن جناب محمد علی صاحب تارکش جے پوری کی ایک تحریر ہے، جو ہدیہ قارئین کی جارہی ہے۔ جناب محمد علی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ کتاب دراصل مرزا صاحب کے خیالات پریشان کا مجموعہ ہے اور اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر ابن مریم و دجال اور اس کے گدھے اور یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض کی اصل کیفیت و ماہیت کماحقہ ظاہر نہیں ہوئی۔ (معاذ اللہ) بلکہ قوائے انسانی کے ذریعہ سے جہاں تک ممکن تھا، اجمالی طور پر آپ کو سمجھایا گیا مگر آپ (مرزا) پر تمام کیفیت من وعن منجلی ہوگئی۔ گویا مرزا صاحب نبیؐ کی ذات گرامی سے بھی بالاتر ہیں کہ جن نکات کے سمجھنے سے آپؐ عاجز رہے وہ مرزا کو بلا کسی اشکال کے کماحقہ سمجھ آجائیں'۔ چنانچہ مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ پر ابن مریم ؑ اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے ہو بہو منکشف نہ ہوئی۔ اور نہ دجال کے ستر باع گدھے کی اصل کیفیت کھلی۔ اور یاجوج ماجوج کی عمیق تہہ تک وحی الٰہی نے اطلاع دی ہے اور نہ ''دابۃ الارض'' کی

ماہیت ''کماہی'' ہی ظاہر فرمائی گئی اور صرف امثلہ قریبہ اور صور متشابہ اور امور متشا کہ کے طرز بیان میں جہاں تک غیب محض کی تفہیم، بذریعہ انسانی قویٰ کے ممکن ہے، اجمالی طور پر سمجھایا گیا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں (ازالہ اوہام۔ صفحہ ۶۱۱)۔ مرزا صاحب نے یہ احتمالاً لکھا ہے تاکہ تاویل کی گنجائش باقی رہے، ورنہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر پورا حملہ کیا ہے کہ حضور ﷺ کے قوائے انسانی اتنے ضعیف رکھے جائیں کہ صرف فقدان مثال کی وجہ سے مذکورہ امور سمجھ میں نہ آویں اور نہ وحی الٰہی اس کو حل کر سکے۔ مگر مرزا جی کی ہستی اکمل عقدہ لاینحل کو ایک ادنیٰ التفات کے ساتھ سمجھ کر اپنے اقوال متضادہ کے ساتھ اس کی تشریح فرما دیں۔

پھر مرزا صاحب نے مسیح موعود کے متعلق لکھا ہے:

''اول تو یہ جاننا چاہیے کہ مسیح علیہ السلام کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہمارے ایمانیات کی کوئی جزو یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو۔ بلکہ صدہا پیش گوئیوں میں سے ایک پیش گوئی ہے جس کو حقیقت اسلام سے کچھ تعلق نہیں۔ جس زمانہ تک یہ پیش گوئی بیان نہیں کی گئی تھی اس زمانہ تک اسلام کچھ ناقص نہیں ہوا تھا اور جب بیان کی گئی تو اسلام پر کچھ کامل نہیں ہوا''۔ (ازالہ اوہام۔ صفحہ ۱۴۰)

اور پھر اسی کتاب میں اس کے الٹ لکھتے ہیں:

''ایسی متواتر پیش گوئیوں کو جو خیر القرون میں ہی تمام عالم اسلام میں پھیل گئی تھیں اور مسلمات میں سے سمجھی گئی تھیں یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مسیح ابن مریم کے آنے کی پیش گوئی ایک اول درجہ کی پیش گوئی ہے جس کو سب نے بالاتفاق قبول کر لیا ہے اور جس قدر صحاح میں پیش گوئیاں لکھی گئی ہیں کوئی پیش گوئی اس کے ہم پلہ اور ہم وزن ثابت نہیں ہوئی۔ تواتر کا اول درجہ اس کو حاصل ہے۔ (ازالہ اوہام۔ صفحہ ۵۷۷)

اور اپنے دعویٰ مسیحیت کے متعلق لکھتے ہیں:

''واضح ہو کہ یہ بات نہایت صاف اور روشن ہے کہ جنہوں نے اس عاجز کا مسیح موعود ہونا مان لیا ہے وہ لوگ ہر ایک خطرہ کی حالت سے محفوظ اور معصوم ہیں۔ اور کئی طرح کے ثواب اور اجر اور قوت ایمانی کے مستحق ٹھہر گئے''۔ (ازالہ اوہام۔ صفحہ ۱۷۹)

اور یہ کہ ہاں تیرہویں صدی کے اختتام پر مسیح موعود کا آنا ایک اجماعی عقیدہ معلوم ہوتا

ہے۔ سو اگر یہ عاجز مسیح موعود نہیں تو پھر آپ لوگ موعود کو آسمان سے اتار کر دکھلائیں''۔

(ازالہ اوہام۔ صفحہ ۱۸۵)

اور ''الہام ، جعلناك المسيح ابن مريم' ہم نے تجھے ابن مریم بنایا''۔

(ازالہ اوہام' صفحہ ۶۳۴ و ۶۷۴)

اور ''اس امت میں سے ایک کو مسیح ابن مریم بنا کر بھیجا'' (ازالہ اوہام صفحہ ۷۰۰)

مذکورہ بالا عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نے اپنی مسیحیت اور اس کے دلائل بیان کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہیں رکھا بلکہ اپنی امکانی کوشش صرف کر دی ہے۔ مگر سچ ہے دروغ گو حافظہ نہ باشد بجائے اس کے کہ کوئی دوسرا شخص مد مقابل بن کر آپ کے اس خیال خام و تصور نا تمام کی تردید کرے، بے چارے خود ہی اپنی بیخ کنی اس طرح کرتے ہیں:

''اے برادران دین! علمائے شرع متین! آپ صاحبان میری معروضات کو متوجہ ہو کر سنیں۔ اس عاجز نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے جو کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں''۔ (ازالہ اوہام' صفحہ ۱۹۱)

یعنی مرزا صاحب نے مسیح ابن مریم بننے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ کھلے الفاظ میں ان کے مسیح جاننے اور ماننے والے کو مفتری، کذاب، کم فہم سے تعبیر کیا ہے۔ واقعی ہم بھی مرزا صاحب کے اس قول کی داد دیتے ہیں لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ مرزا صاحب کا ملہم مذکورہ بالا صفات میں سے کونسی صفت کے ساتھ متصف ہے جس نے مرزا موصوف پر اتنا ظلم ڈھایا کہ ''جعلناك المسيح ابن مريم'' کا الہام مرزا صاحب کے قلب میں پھونک دیا کہ جس کی وجہ سے مرزا صاحب کو اور اس کے معتقدین کو مفتری و کذاب وغیرہ بننا پڑا''۔

دجال کے بارے میں مرزا صاحب فرماتے ہیں:

، دجالیت حقیقت میں یہودیوں ہی کا ورثہ ہے اور ان سے نصاریٰ کو پہنچا اور دجال اس گروہ کو کہتے ہیں جو کذاب ہو اور زمین کو نجس کرے اور حق کے ساتھ باطل کو ملا دے۔ سو یہ صفت حضرت مسیح کے وقت میں یہودیوں میں کمال درجہ پر تھی۔ پھر نصاریٰ نے ان سے لے لی۔ (ازالہ اوہام ص ۶۴۷) ۔آگے چل کر لکھتے ہیں . ہمارے نزدیک

ممکن ہے کہ دجال سے مراد با اقبال قومیں ہوں اور گدھا ان کا یہی ریل ہو جو مشرق اور مغرب کے ملکوں میں ہزار ہا کوسوں تک چلتی دیکھتے ہو۔ (ازالہ اوہام ص ۱۴۷)۔ مگر افسوس ہے کہ مرزا صاحب خود اس خر دجال پر بطیّب خاطر سوار ہوتے رہے۔

قرآن وحدیث کا مقابلہ کرتے ہوئے مرزا صاحب لکھتے ہیں

''اب رہیں حدیثیں سو سب سے اول یہ بات سوچنے کے لائق ہے کہ قرآن کریم کے مقابلہ پر حدیثوں کی کیا قدر ومنزلت ہے''۔ (ازالہ اوہام' صفحہ ۵۲۸)

اور ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ہم مسلمانوں کے پاس وہ نص جو اول درجہ پر قطعی اور یقینی ہے قرآن ہے۔ احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہیں'' والظن لا یغنی من الحق شیئاً' (ازالہ اوہام' صفحہ ۶۵۴) اور اس کے خلاف اسی کتاب میں لکھتے ہیں۔

اب سمجھنا چاہیے کہ گو اجمالی طور پر قرآن شریف اکمل واتم کتاب ہے مگر ایک حصہ کثیرہ دین کا اور طریقہ عبادت وغیرہ کا مفصل مبسوط طور پر احادیث سے ہی ہم نے لیا ہے۔ اور اگر احادیث کو ہم بکلی ''ساقط الاعتبار'' سمجھ لیں تو پھر اس قدر بھی ثبوت دینا مشکل ہو جائے گا کہ درحقیقت حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ اور عثمان ذوالنورینؓ اور جناب علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام اور امیر المومنین تھے اور وجود رکھتے تھے۔ صرف فرضی نام نہ تھے کیونکہ قرآن کریم میں ان میں سے کسی کا نام نہیں۔ (ازالہ اوہام۔ صفحہ ۵۵۷)

لفظ ''توفی'' پر بحث کرتے ہوئے مرزا صاحب فرماتے ہیں:

''بعض چالاکی سے قرآن شریف کے کھلے کھلے ثبوت پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں کہ ''توفی'' کا لفظ لغت کی کتابوں میں کئی معنوں میں آیا ہے حالانکہ اپنے دلوں میں خوب جانتے ہیں کہ جن لفظوں کو قرآن شریف اصطلاحی طور پر بعض معنی کے لیے خاص کر لیتا ہے اور اپنے متواتر بیان سے بخوبی سمجھا دیتا ہے کہ فلاں معنی کے لیے اس نے فلاں لفظ خاص کر رکھا ہے۔ اس معنی سے اس لفظ کو صرف اس خیال سے پھیرنا کہ کسی لغت کی کتاب میں اس کے اور بھی معنی آئے ہیں صریح الحاد ہے۔ مثلاً کتب لغت میں اندھیری رات کا نام کافر ہے مگر قرآن شریف میں کافر کا لفظ صرف کافر دین یا کافر نعمت پر بولا گیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص کفر کا لفظ الفاظ مروجہ فرقان سے پھیر کر اندھیری رات اس سے مراد لے اور یہ ثبوت دے کہ لغت کی کتابوں میں یہ معنی بھی لکھتے ہیں تو سچ کہو کہ اس کا یہ

ملحدانہ طریق ہے یا نہیں''۔ (ازالہ اوہام' صفحہ ۴۶۶)

اور پھر خود اپنے ہی بیان کردہ اصول کی مخالفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر یہ کہو کہ معجزہ کے طور پر مردے زندہ ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حقیقی موت نہیں ہوگی۔ بلکہ غشی یا نیند وغیرہ کی قسم سے ہوگی۔ کیونکہ ''مات'' کے معنی لغت میں نام کے بھی ہیں۔ دیکھو قاموس۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۶۴۰)۔ اور قصہ غدیر وغیرہ جو قرآن کریم میں ہے اس بات کے مخالف نہیں کیونکہ لغت میں موت بمعنی نوم اور غشی میں بھی آیا ہے۔ (ازالہ اوہام' صفحہ ۶۶۶)

(محمد علی صاحب کہتے ہیں) اب انصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے شیدایان مرزا خود ہی انصاف کریں کہ مذکورہ بالا عبارات سے کون ملحد و بے دین ثابت ہو رہا ہے کہ ایک اصطلاح قرآنی ہی نہیں بلکہ اصطلاح عوام کے خلاف بار بار فرمایا جا رہا ہے قاموس دیکھو۔ ہاں ہم قاموس دیکھتے ہیں آپ بھی اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' کا صفحہ ۴۶۶ دیکھیں تاکہ آپ کی یاد از سر نو تازہ ہو جائے۔ (اہل حدیث ۱۵ جون' ۱۹۳۴ء ' صفحہ ۸-۱۰)

تحریک ختم نبوت کے ایک اور کارکن مولوی ابو سعید عبد العزیز صاحب لدھیانوی نے بھی ''ازالہ اوھام'' کے مندرجات پر تبصرہ کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ

دیکھو مرزا غلام احمد جناب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نسبت کس قدر زبان درازی کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو ''ازالہ اوھام'' صفحہ ۴۰۰ جہاں مرزا نے لکھا ہے کہ اگر ہمارے بھائی جلدی سے جوش میں نہ آ جائیں تو میرا مذہب یہی ہے جس کو میں دلیل کے ساتھ پیش کر سکتا ہوں کہ تمام نبیوں کی فراست وفہم آپ کے یعنی نبی کریم ﷺ کی فہم وفراست سے برابر نہیں مگر پھر بھی بعض پیشگوئیوں کی نسبت خود حضور ﷺ نے اقرار کیا کہ میں ان کی اصل حقیقت سمجھنے میں غلطی کھائی (نعوذ باللہ من ذالک) اور اس سے زیادہ زبان درازی کا ثبوت ملاحظہ ہو ''ازالہ اوھام'' (صفحہ ۶۲۹) میں جہاں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کو چارسو نبیوں نے بموجب الہام فتح کی پیش گوئی کی اور وہ جھوٹے نکلے کہ بادشاہ کو شکست آئی بلکہ وہ بادشاہ اس میدان میں مر گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ الہام در اصل شیطان کی طرف سے تھا۔ نوری فرشتہ کی طرف سے نہ تھا اور ان چارسو نبیوں نے دھوکہ کھا کر ربانی سمجھ لیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ سبحانک هذا بهتان عظیم

مولانا لدھیانوی کہتے ہیں کہ یہ ہے آجکل نئے نبیوں کے خیالات۔ کیا اب بھی مرزا قادیانی کا اعلان کرنے والو صداقت کا اعلان کرو گے۔ اگر تم اب بھی نہ سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے۔ اور سنیے معجزات کی نسبت مرزا صاحب کیا فرماتے ہیں:

عیسی علیہ السلام کے معجزہ کی نسبت ملاحظہ ہو ''ازالہ اوھام'' (صفحہ ۳۰۹) جہاں لکھا ہے کہ مجھ کو الہام ہوا ''ھذا ھو الرب الذی لا یعلمون'' ترجمہ: ''عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ یا جادوگری ہے''۔ لوگ بسبب جہالت کے معجزہ تصور کرتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عمل (یعنی مردوں کو زندہ کرنا) ایسا قدر کے لائق نہیں جیسا کہ عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ عاجز (مرزا) اس کو مکروہ و قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدا کے فضل وکرم سے ان عجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ رہتا۔

مولانا عبدالعزیز لکھتے ہیں کہ امت مرزائیہ سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارا یہی عقیدہ ہے؟ اگر نہیں تو تم ایسے شخص کو نبی یا مجدد کہتے ہو جس کا کام ہی یہی ہو کہ انبیاء کرام کی توہین کرنا اور بزرگوں کو بنظر حقارت دیکھنا۔ (اہل حدیث امرتسر ۱۷ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۶-۷)

تحریک ختم نبوت کے ایک اور کارکن جناب مہر الدین صاحب نے بھی ''قادیانی مسخرہ پن'' کے عنوان سے مرزا صاحب کے ''ازالہ اوھام'' کو موضوع سخن بنایا تھا۔ فرماتے ہیں

''ازالہ اوہام'' صفحہ ۱۵۵ میں مرزا صاحب لکھتے ہیں: ''اگر یہ عاجز مسیح موعود ہونے کے دعویٰ میں غلطی پر ہے تو آپ لوگ کوشش کریں کہ مسیح موعود جو آپ کے خیال میں ہے انہی دنوں میں آسمان سے اتر آئے۔ کیونکہ میں تو اس وقت موجود ہوں مگر جس کے انتظار میں آپ لوگ ہیں وہ موجود نہیں۔ میرے دعویٰ کا ٹوٹنا صرف اسی صورت میں متصور ہے کہ اب وہ آسمان سے اتر آئے تا میں ملزم ٹھہر سکوں۔ آپ لوگ اگر سچ پر ہیں تو سب مل کر دعا کریں کہ مسیح ابن مریم جلد آسمان سے اترتا دکھائے دے۔ اگر آپ حق پر ہیں تو یہ دعا قبول ہو جائے گی کیونکہ اہل حق کی دعا مبطلین کے مقابلہ میں قبول ہو جایا کرتی ہے لیکن آپ یقین سمجھیں کہ یہ دعا ہرگز قبول نہیں ہوگی کیونکہ آپ غلطی پر ہیں''۔

پھر ''ازالہ اوھام'' کے صفحہ ۶۸۳ پر مرزا صاحب لکھتے ہیں: ''ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس وقت جو ظہور مسیح کا وقت ہے کسی نے بجز اس عاجز کے دعویٰ نہیں کیا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ بلکہ اس تیرہ سو برس میں کبھی کسی مسلمان کی طرف سے ایسا دعویٰ نہیں ہوا کہ میں

مسیح موعود ہوں‘‘۔

(مولانا فرماتے ہیں کہ) دیکھو مرزا صاحب اہل حق کو کتنا تنگ کرتے تھے۔ بھلا اس فتنوں کے زمانے میں ایسی مستجاب الدعوات ہستیاں جن کی دعا فوراً قبول ہو جائے کہاں ہیں؟ اگر ہوتے تو آپ (مرزا) ہوتے۔ آپ (مرزا) ہوتے تو نہ آج سلطان محمد (محمدی بیگم کا خاوند) ہوتا۔ نہ فاتح قادیان (ثناء اللہ) ہوتا۔ ہم کو تو یقین ہے کہ وقت مقررہ پر مسیح کا ظہور ضروری ہوگا۔ تعجیل کار شیاطین بود' کیونکہ کافروں کی عادت تھی کہ انبیاء کو یہ کہہ کر تنگ کرتے تھے کہ عذاب کا جو تم وعدہ دیتے ہو اگر سچ ہو تو دعا کر کے اتارو۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ سے بھی یہی درخواست ان کی رہا کرتی تھی کما قال اللہ تعالیٰ ویستعجلونک بالعذاب ولو لا اجل مسمی لجائهم العذاب۔ یعنی کفار عذاب کی جلدی کرتے ہیں اگر سچے ہو تو دعا کر کے اتارو

دیکھ لو کہ مرزا صاحب بھی اسی طرح مدعیان نبوت وغیرہ اہل باطل کے خیالات اختراعیہ سے مدد لیا کرتے تھے۔ اس کی یہاں تصدیق ہوگئی اور کفار کے خیالات سے ان کا تائید لینا ظاہر ہوگیا یعنی جس طرح کفار ہمارے نبی ﷺ کو عاجز کرنے کی غرض سے عذاب کی جلدی کیا کرے تھے کہ اگر وہ آنے والا ہے تو جلد اتار لاؤ۔ اسی طرح مرزا صاحب بھی مسلمانوں کو عاجز کرنے کی غرض سے کہا کرتے تھے کہ اگر مسیح اترنے والا ہے تو جلد اتار لاؤ۔ چونکہ ان کو اس تقلید کفار کی عادت ہوگئی تھی اس لیے ان کو خیال بھی نہ آیا کہ اگر میں دلیل پیش کروں گا تو قرآن پڑھنے والے کیا کہیں گے۔ اور مرزا صاحب جو فرماتے ہیں کہ میں تو اس وقت موجود ہوں اگر عیسیٰؑ اس وقت نہ اترے تو میرا دعویٰ ٹوٹ نہیں سکتا (اب یہ بات کون کہے کہ مرزا صاحب تو آنجہانی بن گئے) غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر کوئی فرعون خدائی کا دعویٰ کر کے یہی دلیل پیش کرے کہ اگر میں خدا نہیں تو دعا کر کے خدا کو اتار لاؤ۔ تو کیا اس کا جواب بھی ایسا ہی مشکل نہ ہوگا جیسا کہ مرزا صاحب کے اس سوال کا جواب' اگر مسیح زندہ ہے تو اس کو بھی آسمان سے اتار لاؤ' مشکل ہے کیونکہ کسی میں ایسی طاقت نہیں کہ خدا کو یا مسیح کو اتار سکے۔ پھر کیا اس عجز سے اس فرعون کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ (اہل حدیث امرتسر' ۱۵ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۸-۱۰)

''ازالہ اوھام'' میں موجود مرزا صاحب کے دعاوی کی تردید کا کام بعض غیر مسلم

حضرات نے بھی کیا ہے اور ایک ، پنڈت آتمانند ہلدوانی ضلع نینی تال کا ایک مضمون ''کیا مرزا صاحب نبی تھے؟'' کے عنوان سے اخبار اہل حدیث میں بھی شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں پنڈت صاحب نے مرزا صاحب کے دعویٰ کو ان کے ''ازالہ اوھام'' کی روشنی میں پرکھتے ہوئے لکھا تھا:

''مرزا صاحب غلام احمد کی تحریروں کو پڑھنے سے دو باتیں دکھلائی پڑتی ہیں۔ اول یہ کہ مرزا صاحب نے نہ صرف نبوت سے انکار ہی کیا بلکہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کے مدعی کو کافر اور دشمن دین اسلام کہا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت و رسالت کیا جیسا کہ اپنی کتاب ''دافع البلاء'' کے صفحہ ۱۱ پر لکھا ہے: ''سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا''۔ مرزا صاحب کے ان متضاد خیالات میں کسی قسم کی تطبیق ناممکن ہے اور اسی وجہ سے احمدی جماعت دو فرقوں میں تقسیم ہوگئی اور دونوں فرقے ایک دوسرے کو متعصب اور بیوقوف قرار دے رہے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ مرزا صاحب نہ تو نبی تھے اور نہ مجدد۔ جب مسلمانوں کا مقابلہ ہو جاتا تھا تو ڈر کر فوراً ہر طرح کی نبوت سے کانوں پر ہاتھ دھر لیتے تھے اور جب اپنے چیلوں کے ہاتھ سے نکل جانے کا ڈر ہوتا تھا تو آپ ان کی تشفی کے لیے ایک درمیانی راہ تجویز کر لیا کرتے تھے اور کہتے کہ میں نے جو نبوت سے انکار کیا ہے وہ شرعی نبوت سے انکار ہے۔ لیکن ظلی یا بروزی نبوت سے انکار نہیں کیا۔ لیکن احمدی چونکہ قدرۃً نرم دل پیدا ہوئے ہیں اس لیے مرزا صاحب کے چکموں میں آ جاتے تھے۔ مرزا صاحب نے خود کئی موقعوں پر ہر طرح کی نبوت اور دعویٰ نبوت سے انکار کیا ہے مثلاً اشتہار مؤرخہ ۱۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں لکھتے ہیں:

''میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہؑ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہوگئی' یہاں وحی رسالت سے مراد صرف وحی شریعت ہی نہیں ہے بلکہ وحی نبوت بھی ہے۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام پر کسی شریعت کا آنا متصور نہیں کیا جاتا''۔

پس جب وحی نبوت کا ختم ہو جانا مرزا صاحب مانتے ہیں پھر الہام اور نبوت کا دعویٰ صریح جھوٹ ہے۔ اسی بات کو مرزا صاحب ''ازالہ اوھام'' صفحہ ۶۱۴ پر بیان فرماتے ہیں کہ

پس اس سے بھی بہ کمال وضاحت ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم ؑ رسول اللہ ﷺ دنیا میں نہیں آ سکتا' کیونکہ مسیح ابن مریم ، رسول اللہ ہے اور رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ

امر داخل ہے کہ دنیوی علوم کو بذریعہ جبرائیل علیہ السلام حاصل کرے اور ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تا قیامت بند ہے، ۔ نیز ''ازالہ اوھام'' صفحہ ۲۹۳ پر لکھتے ہیں:

''لیکن خدا تعالیٰ ایسی ہتک اور کسرشان اپنے نبی مقبول خاتم الانبیاءؐ کے لیے ہرگز روا نہ رکھے گا کہ ایک رسول کو بھیج کر جس کے آنے کے ساتھ جبرائیل علیہ السلام کا آنا لازمی امر ہے اسلام کا تخت ہی الٹ دیوے۔

گویا جبرائیل علیہ السلام کا اب آنا اور اسلام کا تخت الٹنا برابر امور ہیں۔ اس کی مزید توضیح مرزا صاحب ''ازالہ اوھام'' صفحہ ۷۶۱ پر یوں کرتے ہیں:

''اور باب نزول جبرائیل بہ پیرایہ وحی رسالت بند ہے اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آئے مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو''۔

(پنڈت صاحب کہتے ہیں کہ) احمدی لوگ زیادہ سے زیادہ یہ درمیانی راہ نکال سکتے ہیں کہ حضرت جبرائیلؑ کے صرف شرعی وحی لانے کی انقطاع مراد ہے نہ کہ دیگر الہامات نبوت، لیکن جس حدیث مبارکہ میں حضرت جبرائیلؑ کی مزید آمد کا انقطاع لکھا ہے وہ اس وقت کی ہے جبکہ حضور ﷺ رحلت فرما رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت جبرائیلؑ نے کہا کہ آپ کی موت کے ساتھ میرا دنیا میں آنا بھی بند ہوا اور اب میں تا قیامت دنیا میں کبھی نہیں آؤں گا۔

اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نہ صرف بعقیدہ اسلام شریعت ہی لاتے تھے بلکہ غیر شرعی الہام بھی لے کر آیا کرتے تھے کیونکہ نہ تو یہ حدیث شرع قرآن میں شامل ہے اور قرآن شریف کی تکمیل حضرت محمد (ﷺ) کی وفات حسرت آیات سے قریباً تین ماہ پہلے ہو چکی تھی۔ جیسا کہ آیہ الیوم اکملت لکم دینکم سے ظاہر ہے۔ پس یہ ثابت ہے حضرت جبرائیلؑ کا وحی شریعت یا ہر کسی دیگر قسم کا الہام لے کر آنا تا بہ قیامت ناممکن یا مسدود ہے۔ اس بات کی تصدیق کہ حضرت محمد صاحب (ﷺ) کی وفات تک شرع قرآن کی تکمیل کے بعد بھی حضرت جبرائیلؑ غیر تشریعی الہام لے کر تشریف لاتے رہے اور کہ بعد از وفات آنحضرت جبرائیلؑ کا آنا منقطع ہو چکا ہے۔ خود مرزا صاحب نے بھی ''ازالہ اوھام'' صفحہ ۵۷۷ میں بدیں الفاظ تشریح کی ہے:

''حدیثوں میں بتصریح بیان کیا گیا ہے کہ اب جبرائیلؑ بعد وفات رسول اللہ ﷺ ہمیشہ

کے لیے وحی نبوت لانے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ تمام باتیں سچ اور صحیح ہیں تو پھر کوئی شخص بحیثیت رسالت ہمارے نبی ﷺ کے بعد ہرگز نہیں آ سکتا''۔

نیز ''حمامۃ البشریٰ'' کے صفحہ بیس پر لکھتے ہیں کہ:

''کیف یجیئی نبی بعد رسولنا فقد انقطع الوحی بعد وفاتہ وختم بہ النبیین''

''ہمارے رسولؐ کے بعد کوئی نبی کیوں کر آ سکتا ہے۔ حالانکہ ان کی وفات کے بعد وحی منقطع ہوگئی اور خدا نے ان انبیاءؑ کو ختم کر دیا''۔

اب جب کہ مرزا صاحب تصدیق فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام کا تا بہ قیامت ہمیشہ کے لیے الہام لے کر آنا منقطع ہو چکا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرزا صاحب پر الہام لانے والا کون تھا؟ احمدی بلکہ خود مرزا صاحب بھی یہی مانتے تھے کہ مرزا صاحب پر الہام لانے والا جبرائیلؑ نہ تھا۔ چنانچہ ''تحریک احمدیت'' حصہ اول صفحہ ۹۷ پر مولوی محمد علی صاحب ایم اے لکھتے ہیں: ''ان کے علاوہ کچھ اور بھی امتیازات نبی اور محدث میں (خود) مرزا صاحب نے قائم کیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ نبی پر وحی نبوت کا نزول بذریعہ جبرائیلؑ ہوتا ہے۔ غیر نبی پر وحی کا نزول بذریعہ جبرائیلؑ نہیں ہوتا۔

(پنڈت صاحب کہتے ہیں کہ) بعض لوگوں کو خیال ہے کہ یا تو الہام ہونے کا ڈھکوسلہ ہی جھوٹا تھا ورنہ شیطان مرزا صاحب کو الہام دیتا تھا۔ کیونکہ شیطان بعض مرتبہ بقول مرزا صاحب خدا کا روپ بنا کر بھی اپنے دوستوں کو دھوکہ دے دیتا ہے جیسا کہ خود مرزا نے ''آسمانی فیصلہ'' کے صفحہ ۳۸ اور ۳۹ پر لکھا ہے۔

، حدیث صحیح سے ظاہر ہے کہ تمثل شیطان سے وہی خواب رسول بینی کی مبرا ہوسکتی ہے جس میں آنحضرت ﷺ کو ان کے حلیہ پر دیکھا گیا ہو۔ ورنہ شیطان کا تمثل انبیاء کے پیرایہ میں نہ صرف جائز بلکہ واقعات سے ہے اور شیطان لعین تو خود خدا تعالیٰ کا تمثل اور اس کے عرش کی تجلی دکھلا دیتا ہے تو پھر انبیاء کا تمثل اس پر کیا مشکل ہے۔ اب جب کہ یہ بات ہے تو فرض کے طور پر اگر مان لیں کہ کسی کو آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی تو اس پر کیونکر مطمئن ہوں کہ وہ زیارت درحقیقت آنحضرت ﷺ کی ہے۔

پس جب کہ شیطان خدا کا روپ بنا کر بھی اپنے پیروؤں پر ظاہر ہوسکتا ہے تو اس کے لیے فرشتہ بن کر آنا کیا مشکل ہے؟ اس لیے عین ممکن ہے کہ مرزا صاحب کے ملہم وہی حضرت

ہوں، تبھی تو مرزا صاحب کے الہام کبھی پورے نہیں ہوئے۔

(اہل حدیث امرتسر ۲۷۔ اپریل ۱۹۳۴ء)

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ بھی ''ازالہ اوھام'' کے مندرجات پر تبصرہ فرمایا کرتے تھے اور ان کی ایک تحریر درج ذیل ہے۔

الفضل لکھتا ہے: کوئٹہ سے ایک غیر احمدی دوست نے حضرت مسیح موعود (مرزا) کی کتاب ''ازالہ اوھام'' کی بعض عبارات پیش کر کے لکھا ہے کہ جب کہ رسول کریم ﷺ کی فرمودہ بعض علامات کا آپ اپنے اوپر پورا نہ ہونے کا اقبال کرتے ہیں اور ان علامات کے مصداق موعود کا کسی آئندہ زمانہ میں آنا تسلیم کرتے ہیں تو کوئی شخص آپ کی صداقت کا کس طرح قائل ہوسکتا ہے۔ مثلاً آپ (مرزا) تحریر فرماتے ہیں ''میرا یہ دعویٰ نہیں کہ دمشق میں کوئی مثیل مسیح پیدا نہ ہوگا، ممکن ہے کسی آئندہ زمانہ میں خاص کر دمشق میں بھی کوئی مثیل مسیح پیدا ہو جائے'' اور یہ بھی لکھتے ہیں: ''بالکل ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا مسیح آ جائے جس پر حدیثوں کے بعض ظاہری الفاظ صادق آ سکیں کیونکہ یہ عاجز اس دنیا کی حکومت اور بادشاہت کے ساتھ نہیں آیا'' (الفضل کا کہنا ہے کہ) ان حوالہ جات سے (غیر احمدی نے) جو استنباط کیا ہے وہ سراسر غلط ہے کیونکہ ان سے اگر کوئی بات ثابت ہوسکتی ہے تو یہ کہ حضرت مسیح موعود کے نزدیک آپ کے بعد بھی مثیل مسیح آ سکتے ہیں مگر اس سے یہ کس طرح لازم آ گیا کہ آپ خود مسیح موعود نہیں۔ یا نعوذ باللہ آپ کو اپنے دعوے میں شبہ ہے۔ (الفضل ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۳)

(مولانا کہتے ہیں کہ) ہم تو قادیانی پریس پر اعتماد نہیں رکھتے۔ ہمارا یقین تو بڑے حضرت پر ہے اور اس بارے میں جو کچھ مرزا صاحب فرما گئے ہیں دیکھنے سننے کے قابل ہے۔ وہ صاف فرما گئے ہیں کہ میں مسیح موعود نہیں۔ ہاں مثیل مسیح ہوں۔ بلکہ جو شخص ان کو مسیح موعود جانے اور کہے وہ ان کے نزدیک کم عقل ہے۔

پس ارشاد مرزا صاحب سنیے: ''اس عاجز (مرزا) نے جو مثیل مسیح کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں''۔ (ازالہ اوھام طبع اول صفحہ ۱۰۹)

(اس اقتباس کو پیش کرنے کے بعد مولانا ثناء اللہ، قادیانیوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔) میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ بحیثیت احمدی ہونے کے مرزا قادیانی کی

تعلیم کی پابندی میں ان کو مسیح موعود نہ کہو اور نہ لکھو۔ ورنہ ہمیں اجازت دو کہ ہم مسیح موعود کہنے والوں کو کم عقل کہا کریں خواہ اس کا قائل تمہارا خلیفہ ہو یا امیر ۔

(اہل حدیث امرتسر ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء ص ۶)

مولانا امرتسریؒ نے ''ازالہ اوھام'' کے مضامین کو اپنی کتاب ''شہادات مرزا'' میں بھی موضوع سخن بنایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ

مرزا صاحب کے اپنے اقوال سے مرزا صاحب کی تکذیب کا معاملہ خدا کے فضل سے ایسا آسان ہے کہ ان کے مخالف کو بہت کچھ مفید ہو سکتے ہیں۔ عدالتی اور شرعی طریق پر مدعا علیہ کا اپنا بیان جس قدر کارآمد ہوتا ہے دوسرے گواہوں کا نہیں۔ اس لیے عدالتی طریق ہے کہ مدعی چاہے تو اپنے مدعا علیہ سے بحیثیت گواہ کے بیان لے سکتا ہے۔ اس بیان میں مدعا علیہ اگر اقرار کر جائے تو دوسرے گواہوں کی نسبت بہت مفید ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح بفضلہٖ تعالیٰ مرزا صاحب کے اپنے بیانات اتنے مفید ہیں کہ بیرونی شہادت اتنی مفید نہیں۔ کیونکہ مدعا علیہ کے بیان کے متعلق یہ مثل ہے جو بہت صحیح ہے۔ قضی الرجل علی نفسه (آدمی نے خود اپنے اوپر ڈگری کر لی) پس اس اصول کے ماتحت ہم مرزا صاحب کے اقوال بطور شہادت پیش کرتے ہیں جن سے ہمارا دعویٰ (تکذیب مرزا) باآسانی ثابت ہو سکے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''تیسری مشابہت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے میری یہ ہے کہ وہ ظاہر نہیں ہوئے جب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات پر چودھویں صدی کا ظہور نہیں ہوا۔ ایسا ہی میں بھی آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے چودھویں صدی کے سر پر مبعوث ہوا ہوں''۔

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۷)

اور اس کی تردید یوں ہوتی ہے کہ مرزا صاحب ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

''اور منجملہ ان علامات کے جو اس عاجز کے مسیح موعود ہونے کے بارے میں پائی جاتی ہیں وہ خدمات خاصہ ہیں جو اس عاجز کو مسیح ابن مریم کی خدمات کے رنگ میں سپرد کی گئی ہیں کیونکہ مسیح اس وقت یہودیوں میں آیا تھا کہ جب توریت کا مغز اور بطن یہودیوں کے دلوں پر سے اٹھایا گیا تھا۔ اور وہ زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چوداں (سلطان القلم کی اردو ہے۔ ناقل) سو برس بعد تھا کہ جب ابن مریم یہودیوں کی اصلاح کے لیے بھیجا

گیا تھا۔ پس ایسے ہی زمانہ میں یہ عاجز آیا کہ جب قرآن کریم کا مغز اور بطن مسلمانوں کے دلوں پر سے اٹھایا گیا اور یہ زمانہ حضرت مثیل موسیٰ (یعنی آنحضرت ﷺ) کے وقت سے اسی زمانہ کے قریب قریب گزر چکا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان میں زمانہ تھا''۔ (ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۶۹۳-۶۹۲)

مولانا لکھتے ہیں کہ اس بیان میں جناب مرزا صاحب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیانی زمانہ کو چودہ سو برس سے کچھ زیادہ قرار دیا ہے کیونکہ چودہ سو برس بعد کا لفظ چودہ سو پر زیادتی چاہتا ہے۔ عیسائیوں یہودیوں کی شہادت اس بارے میں ۱۴۵۱ ہے (دیکھو تقدیس اللغات)۔ حالانکہ پہلے بیان میں تیرہ سو برس ختم ہو کر چودھویں صدی کے سر پر آنا لکھا ہے۔ اس دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب ایک سو سال قبل از وقت تشریف لے آئے۔ کیونکہ اس بیان کے مطابق مسیح موعود کی تشریف آوری کا وقت چودہ سو سال کے بعد ہے اور آپ چودھویں صدی کے شروع میں آئے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ آپ ایک سو سال سے بھی کچھ پہلے تشریف لے آئے ہیں لہٰذا سردست تشریف لے جائیے ہم آپ پر ایمان لانے کو تیار نہیں ہیں۔

(مولانا فرماتے ہیں کہ) اس تردیدی بیان کے سوا دوسرا ایک بیان مرزا صاحب کا ایسا صاف ہے جو ان دونوں کے مخالف ہے۔ آپ ایک جگہ مسلمانوں کو سمجھاتے ہیں کہ

. پیش گوئیوں میں ہمیشہ ابہام ہوتا ہے۔ صاف اور مفصل بیان نہیں ہوتا کیونکہ پیش گوئیوں میں سننے والے کا امتحان (ابتلاء) کرنا منظور ہوتا ہے۔ چنانچہ توریت میں آنحضرت ﷺ کے حق میں پیش گوئی اسی قسم کی مبہم ہے۔ جس میں وقت، ملک اور نام نہیں بتایا گیا۔ اگر خدا تعالیٰ کو ابتلاء خلق اللہ منظور نہ ہوتا اور ہر طرح سے کھلے کھلے طور پر پیش گوئی کا بیان کرنا ارادہ الٰہی ہوتا، تو پھر اس طرح پر بیان ہونا چاہیے تھا کہ اے موسیٰ! میں تیرے بعد بائیسویں صدی میں، ملک عرب میں، بنی اسماعیل میں ایک نبی پیدا کروں گا جس کا نام محمد ﷺ ہوگا۔ (ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۲۷۸)

اس بیان میں مرزا صاحب نے صاف تسلیم کیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سرور کائنات ﷺ پوری اکیس صدیاں گزار کر بائیسویں صدی میں پیدا ہوئے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سرور کائنات ﷺ کا درمیانی زمانہ کتنا ہے۔ کچھ

شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت سنہ عیسوی کے حساب سے ۵۷۱ء میں ہوئی اور بعثت ۶۱۰ء میں ہوئی تھی۔ یہ چھ سو سال اکیس صدیوں سے نکال دیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درمیانی زمانہ پندرہ سو سال رہتا ہے۔ پس نتیجہ صاف ہے کہ مرزا صاحب اپنے ہی بیان کے مطابق مقررہ وقت پر نہیں آئے بلکہ بہت پہلے (بیغور ٹائم) تشریف لے آئے۔ لہٰذا آپ عیسیٰ موعود نہیں۔ غالباً اسی لیے قبل از تکمیل کار تشریف لے گئے۔

(مولانا امرتسریؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ) جناب مرزا صاحب نے اپنا مسیح موعود ہونا دنیا کی عمر سے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ مرزا صاحب لکھتے ہیں: ''بالاتفاق تمام احادیث کے رو سے عمر دنیا کل سات ہزار برس قرار پایا تھا''۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۳) اور آنحضرت ﷺ پانچویں ہزار میں پیدا ہوئے ہیں اور مسیح موعود کا چھٹے ہزار میں پیدا ہونا مقدر تھا۔ اس دعویٰ کو مرزا صاحب اس آیت سے ثابت کرتے ہیں جو سورۂ جمعہ میں ہے وآخرین منہم لما یلحقوا بھم پھر فرماتے ہیں کہ بس میں چونکہ چھٹے ہزار سال میں پیدا ہوا ہوں لہٰذا میں مسیح موعود ہوں۔ اب سنیئے ... جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں:

''ہمارے نبی ﷺ کے دو بعث (بعث کے معنی ہیں خلعت نبوت ملنا یعنی نبی ہونا۔ ناقل) ہیں اور اس پر نص قطعی آیت کریمہ ﴿وآخرین منھم لما یلحقوا بھم﴾ ہے۔ تمام اکابر مفسرین اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس امت کا آخری گروہ یعنی مسیح موعود کی جماعت صحابہ کے رنگ میں ہوں گے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح بغیر کسی فرق کے آنحضرت ﷺ سے فیض اور ہدایت پائیں گے۔ پس جبکہ یہ امر نص صریح قرآن شریف سے ثابت ہوا کہ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا فیض صحابہؓ پر جاری ہوا، ایسا ہی بغیر کسی امتیاز اور تفریق کے مسیح موعود کی جماعت پر فیض ہوگا، تو اس صورت میں آنحضرت ﷺ کا ایک اور بعث ماننا پڑا جو آخری زمانہ میں مسیح موعود کے وقت میں ہزار ششم میں ہوں گا۔ اور اس تقریر سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ آنحضرت ﷺ کے دو بعث ہیں۔ یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک بروزی رنگ میں آنحضرت ﷺ کا دوبارہ آنا، دنیا میں وعدہ دیا گیا تھا جو مسیح موعود اور مہدی معہود کے ظہور سے پورا ہوا۔ غرض جبکہ

آنحضرت ﷺ کے دو بعث ہوئے تو جو بعض حدیثوں میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ ہزار ششم کے اخیر میں مبعوث ہوئے تھے تو اس سے بعث دوم مراد ہے جو نص قطعی آیت کریمہ ﴿وآخرین منہم لما یلحقوا بہم﴾ سے سمجھا جاتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ نادان مولوی جن کے ہاتھ میں صرف پوست ہی پوست ہے حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کا انتظار کر رہے ہیں مگر قرآن شریف ہمارے نبی ﷺ کے دوبارہ آنے کی بشارت دیتا ہے کیونکہ ''افاضہ'' بغیر ''بعث'' غیر ممکن ہے اور بعث بغیر زندگی کے غیر ممکن ہے اور حاصل اس آیت کریمہ یعنی ﴿وآخرین منہم﴾ کا یہی ہے کہ دنیا میں زندہ رسول ایک ہی ہے یعنی محمد ﷺ جو ہزار ششم میں بھی مبعوث ہو کر ایسا ہی افاضہ کرے گا جیسا کہ وہ ہزارہ پنجم میں افاضہ کرتا تھا اور مبعوث ہونے کے اس جگہ یہی معنی ہیں کہ جب ہزار ششم آئے گا اور مہدی موعود اس کے آخر میں ظاہر ہوگا تو گو بظاہر مہدی معہود کے توسط سے دنیا کو ہدایت ہوگی لیکن دراصل آنحضرت ﷺ کی قوت قدسی نئے سرے سے اصلاح عالم کی طرف ایسی سرگرمی سے توجہ کرے گی کہ گویا آنحضرت ﷺ دوبارہ مبعوث ہو کر دنیا میں آ گئے ہیں۔ یہی معنی ہیں اس آیت کے کہ ﴿وآخرین منہم لما یلحقوا بہم﴾۔ پس یہ خبر جو آنحضرت ﷺ کی بعث دوم کے متعلق ہے جس کے ساتھ یہ شرط ہے کہ وہ بعث ہزار ششم کے آخر پر ہوگا اسی حدیث سے اس بات کا قطعی فیصلہ ہوتا ہے کہ ضرور ہے کہ مہدی معبود اور مسیح موعود جو مظہر تجلیات محمد یہ ہے جس پر آنحضرت ﷺ کا بعث دوم موقوف ہے وہ چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہو کیونکہ یہی صدی ہزار ششم کے آخری (مولانا ثناء اللہؒ لکھتے ہیں کہ) اس عبارت کا مطلب ناظرین کے فہم عالی سے قریب کرنے کو اتنی تشریح کی ضرورت ہے کہ بقول مرزا صاحب آنحضرت ﷺ کا دو مرتبہ نبی ہو کر ظاہر ہونا مقدر تھا۔ ایک تو اس وقت جب آپ بصورت محمدؐ مکہ معظمہ میں ظہور پذیر ہوئے اور دوم اس وقت جب بشکل مرزا صاحب بہ عہدہ عیسیٰ موعود قادیان میں رونق افروز ہوئے۔ پہلی صورت میں آپ کا نام محمدؐ تھا دوسری میں احمد۔ محمدیؐ صورت جلالی تھی یعنی جنگی اور احمدی صورت جمالی یعنی صلح جو ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے دوسرے مقام پر مرزا صاحب نے اس مضمون کو منجمانہ طریق میں یوں لکھا ہے:

''آنحضرت ﷺ کے بعث اول کا زمانہ ہزار پنجم تھا جو اسم محمدؐ کا مظہر تجلی تھا۔ یعنی یہ بعث اول جلالی نشان ظاہر کرنے کے لیے تھا۔ مگر بعث دوم جس کی طرف آیت کریمہ ﴿وآخرین منهم لما یلحقوابهم﴾ میں اشارہ ہے وہ مظہر تجلی اسم احمد ہے جو اسم جلالی ہے جیسا کہ آیت ﴿ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد﴾ اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ مہدی معہود جس کا نام آسمان پر مجازی طور پر احمد ہے جب مبعوث ہوگا تو اس وقت وہ نبی کریمؐ جو حقیقی طور پر اس نام کا مصداق ہے اس مجازی احمد کے پیرایہ میں ہو کر اپنی تجلی ظاہر فرمائے گا۔ یہی وہ بات ہے جو اس سے پہلے میں نے اپنی کتاب ''ازالہ اوھام'' میں لکھی تھی۔ یعنی یہ کہ میں اسم احمد میں آنحضرت ﷺ کا شریک ہوں (شریک نہیں بلکہ اصل مصداق تھا' دیکھو ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۶۷۳۔ ناقل) اور اس پر نادان مولویوں نے جیسا کہ ان کی ہمیشہ سے عادت ہے شور مچایا تھا۔ حالانکہ اگر اس سے انکار کیا جائے تو تمام سلسلہ اس پیش گوئی کا زیرو زبر ہو جاتا ہے۔ بلکہ قرآن شریف کی تکذیب لازم آتی ہے جو ''نعوذ باللہ'' کفر تک نوبت پہنچاتی ہے۔ لہٰذا حصہ میں پڑتی ہے۔ (تحفہ گولڑویہ حاشیہ صفحہ ۹۵-۹۶)

جیسا کہ مومن کے لیے دوسرے احکام الٰہی پر ایمان لانا فرض ہے ایسا ہی اس بات پر بھی ایمان لانا فرض ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دو بعث ہیں ایک بعث محمدیؐ جو جلالی رنگ میں ہے جو ستارہ مریخ کی تاثیر کے نیچے ہے جس کی نسبت بحوالہ توریت قرآن شریف میں یہ آیت ہے ﴿محمد رسول الله والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم﴾ دوسرا بعث احمدی جو جمالی رنگ میں ہے جو ستارہ مشتری کی تاثیر کے نیچے ہے جس کی نسبت بحوالہ انجیل قرآن شریف میں یہ آیت ہے: ﴿ومبشراًبرسول یاتی من بعدی اسمه احمد﴾۔ (تحفہ گولڑویہ۔ صفحہ ۹۶)

(مولانا کہتے ہیں کہ) گو اس عبارت کا مطلب صاف ہے تاہم اس کی مزید تشریح کے لیے مرزا صاحب اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہیں جو یوں ہے: ''یہ باریک بھید یاد رکھنے کے لائق ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعث دوم میں تجلی اعظم جو اکمل اور اتم ہے وہ صرف اسم احمد کی تجلی ہے کیونکہ بعث دوم، آخر ہزار ششم میں ہے اور ہزار ششم کا تعلق مشتری کے ساتھ ہے جو کوکب ششم منجملہ خنس کنس ہے اور اس ستارہ کی یہ تاثیر ہے کہ مامورین کو

خونریزی سے منع کرتا اور عقل اور دانش اور موادِ استدلال کو بڑھاتا ہے اس لیے اگرچہ یہ بات حق ہے کہ اس بعث دوم میں اسم محمد کی تجلی سے جو جلالی تجلی ہے اور جمالی تجلی کے ساتھ شامل ہے مگر وہ جلالی تجلی بھی روحانی طور پر جمالی رنگ کے مشابہ ہوگئی ہے کیونکہ اس وقت جلالی تجلی کی تاثیر قہر سیفی نہیں بلکہ قہر استدلالی ہے۔ وجہ یہ کہ اس وقت مبعوث پر پرتوہ ستارہ مشتری ہے نہ پرتوہ مریخ۔ اسی وجہ سے بار بار اس کتاب میں کہا گیا ہے کہ ہزار ششم فقط اسم احمد کا مظہر اتم ہے جو جمالی تجلی کو چاہتا ہے (تحفۃ گولڑویہ حاشیہ صفحہ ۹۶)

(مولانا لکھتے ہیں کہ) اب تو مضمون صاف ہوگیا کہ مرزا صاحب کا اقرار ہے کہ عیسیٰ موعود دنیا کی عمر سے چھٹے ہزار سال میں آئیں گے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ چھٹا ہزار کہاں تک ہے۔ ہم مرزا صاحب کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اس عقدہ کا حل بھی خود فرما دیا۔ آپ فرماتے ہیں: ''آنحضرت ﷺ حضرت آدمؑ سے قمری حساب کی رو سے چار ہزار سات سو انتالیس (۴۷۳۹) برس بعد پیدا ہوئے اور شمسی حساب کی رو سے چار ہزار پانچ سو اٹھانوے (۴۵۹۸) برس بعد''۔ (تحفہ گولڑویہ' صفحہ ۹۲)

اب مطلع صاف ہے۔ پس ہجرت سے پہلے تیرہ سال آنحضرت ﷺ مکہ معظّمہ میں رہے۔ اس حساب سے پورے تیرہ سو ہجری ہونے کے وقت آنحضرت ﷺ کا سن نبوت ۱۳۱۳ ہوتا ہے یہ عدد قمری حساب سے ۴۷۳۹ میں ملائیں تو تیرسویں صدی کے آخر پر دنیا کی عمر چھ ہزار باون سال ہوتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جناب مرزا صاحب کس سن میں مسیح موعود کے عہدہ پر مبعوث ہوئے۔ اس کے متعلق بھی ہمیں کسی بیرونی شہادت کی ضرورت نہیں بلکہ خود مدعا علیہ (مرزا) کا بیان ہمارے پاس ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''یہ عجیب اتفاق ہوا کہ میری عمر کے چالیس سال پورے ہونے پر صدی کا سر بھی آ پہنچا۔ تب خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعے میرے پر ظاہر کیا کہ تو اس صدی کا اور صلیبی فتنوں کا چارہ گر ہے اور یہ اس طرف اشارہ تھا کہ تو ہی مسیح موعود ہے'' (تریاق القلوب' صفحہ ۶۸)

یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ مرزا صاحب چودھویں صدی کے شروع میں چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر مسیحیت پر مامور ہوئے تھے۔ اسی مضمون کو ''ازالہ اوھام'' میں مرزا صاحب مزید وضاحت سے لکھتے ہیں:

''مجھے کشفی طور پر اس مندرجہ ذیل نام پر توجہ دلائی گئی کہ دیکھ یہی مسیح ہے کہ جو تیرھویں

صدی کے پورے ہونے پر ظاہر ہونے والا تھا۔ پہلے سے یہی تاریخ ہم نے مقرر کر رکھی ہے اور وہ یہ نام ہے غلام احمد قادیانی۔ اس نام کے عدد پورے تیرے سو ہیں اور اس قصبہ قادیان میں بجز اس عاجز کے اور کسی شخص کا نام غلام احمد نہیں۔ بلکہ میرے دل میں ڈالا گیا ہے کہ اس وقت بجز اس عاجز کے تمام دنیا میں غلام احمد قادیانی کسی کا نام نہیں''۔

(ازالہ اوہام طبع اول۔طبع ۱۸۶-۱۸۵)

(مولانا امرتسریؒ کہتے ہیں کہ) اہل علم' اہل انصاف ملاحظہ کریں کہ نام تو ہے غلام احمد۔ چناچہ قصبہ میں ہم نام کی نفی کرتے ہوئے صرف غلام احمد ہی لکھتے ہیں مگر جب ترقی کر کے دنیا بھر کی نفی کرتے ہیں تو نام کے ساتھ مقامی نسبت کو بھی داخل کر کے غلام احمد قادیانی پورا نام بتاتے ہیں۔ سچ ہے:

ایں کرامت ولی ماچہ عجب
گر بہ شاشید گفت باراں شد

(پھر مولانا بتاتے ہیں) کہ اس عبارت میں پہلی عبارت کی مزید تشریح ہے کہ کسی غبی سے غبی کو بھی شک نہیں رہتا کہ جناب مرزا صاحب کی بعثت چھٹا ہزار ختم ہو کر ساتویں ہزار میں سے باون سال گزر کر ہوئی۔ لہٰذا بقول آپ کے آپ مسیح موعود نہیں۔

(مولانا ثناء اللہؒ سلسلہ بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ) ہمارے گزشتہ بیان سے (جو درحقیقت جناب مرزا صاحب کا ذاتی بیان ہے) ساتویں ہزار کے باون سال گزرنے پر مرزا صاحب مبعوث ہوئے ہیں جو ان کے ''لیٹ'' پہنچنے کی وجہ سے موجب ''فیل'' کے ہو گئے۔ اب ایک اور حساب سے بھی مرزا صاحب کا لیٹ ہونا ثابت کرتے ہیں۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ ''میری پیدائش اس وقت ہوئی جب چھ ہزار میں سے گیارہ برس رہتے تھے''۔ (تحفہ گولڑویہ' حاشیہ صفحہ ۹۵)

اس عبارت سے صاف ثابت ہے کہ چھٹا ہزار مرزا صاحب کی گیارہ سال کی عمر پوری ہونے تک ختم ہو گیا مگر گیارہ سال کی عمر میں تو مبعوث نہ ہوئے ہوں گے بلکہ بالغ ہو کر مبعوث ہوئے ہوں گے۔ بلکہ بحکم بلغ اربعین سنۃ چالیس سال کو پہنچ کر مسیحیت کے درجہ پر مبعوث ہوئے تو بھی ساتویں ہزار میں چلے گئے جو خلاف وقت مقرر کے ہے۔

یاد رہے کہ مرزا صاحب اپنی تحریرات میں خود قمری حساب پر بنا کر رہے ہیں۔ یہاں تک

فرما چکے ہیں کہ میں چھٹے ہزار میں سے گیارہ سال رہتے میں پیدا ہوا تھا۔ اس لیے کسی ان کے حالی موالی کو یہ حق نہیں کہ وہ شمسی حساب سے چھ ہزار کا شمار کرے کیونکہ ایسا کرنا ہم کو نہیں ، ان کو مضر ہوگا۔ اس لیے کہ شمسی حساب سے چھ ہزار سال ۲۰۱۲ء میں پورے ہوں گے۔ اس حساب سے مرزا صاحب کی پیدائش ۲۰۱۰ء میں ہونی چاہیے حالانکہ وہ ۱۹۰۸ء میں انتقال بھی پر گئے۔

(مولانا فرماتے ہیں کہ) یہ ہیں وہ دلائل جن کی بابت مرزا صاحب فرماتے ہیں:

''یہ وہ ثبوت ہیں جو میرے مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے پر کھلے کھلے دلالت کرتے ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک شخص بشرطیکہ متقی ہو جس وقت ان تمام دلائل میں غور کرے گا تو اس پر روز روشن کی طرح کھل جائے گا کہ میں (مرزا) خدا کی طرف سے ہوں''۔ (تحفۃ گولڑویہ' صفحہ۱۰۲)۔

کچھ شک نہیں کہ ہم بھی انہی دلائل کی شہادت سے اس مرحلہ پر پہنچے ہیں کہ

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق — اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

(شہادات مرزا۔ طبع اکتوبر ۱۹۲۳ء)

ایک مرتبہ مولانا امرتسری نے ازلہ اوہام کے مضامین پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

مرزا صاحب کو اپنے جن معارف پر ناز تھا ان میں سے سورۂ ''انا انزلنا'' کی تفسیر بھی ہے جس کو ''ازالہ اوھام'' میں لکھ کر فرماتے ہیں کہ ''یہ معارف کیا کسی اور تفسیر میں مل سکتے ہیں؟''

مرزا صاحب کی یہ تحریر چونکہ نہایت طوالانی ہے اس لیے چند عبارتیں اس کی ملخصاً تحریر کی جاتی ہیں' لکھتے ہیں:

''سورۂ انا انزلنا کے معانی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس سورت میں صاف اور صریح فرما دی اہے کہ جس وقت کوئی آسمانی مصلح زمین پر آتا ہے تو اس کے ساتھ فرشتے آسمان سے اتر کر مستعد لوگوں کو حق کی طرف کھینچتے ہیں' ہر نبی کے نزول کے وقت ایک لیلۃ القدر ہوتی ہے لیکن سب سے بڑی لیلۃ القدر وہ ہے جو ہمارے نبی ﷺ کو عطا کی گئی۔ اس لیلۃ القدر کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے' اس لیلۃ القدر کی شان میں فیھا یفرق کل امر حکیم ہے۔ یعنی اس لیلۃ القدر کے زمانے میں جو

قیامت تک ممتد ہے ہر ایک حکمت اور معرفت اور علوم اور صنعتیں ظاہر ہو جائیں گی لیکن یہ سب کچھ ان دنوں میں پرزور تحریکوں سے ہوتا رہے گا کہ جب کوئی نائب حضرت کا دنیا میں پیدا ہو گا جس کی تکمیل کے لیے خدا نے اس عاجز کو بھیجا .... ہمارے علماء نے جو ظاہری طور پر سورۂ زلزال کی تفسیر کی ہے کہ در حقیقت زمین کو آخری دنوں میں سخت زلزلہ آئے گا جس سے زمین کی اندر کی چیزیں باہر آ جائیں گی یہ سراسر غلط تفسیر ہے''۔

دیکھئے مرزا صاحب کی اس تقریر کو اس واقعہ کے ساتھ کچھ بھی تعلق ہے؟ اس سورت سے آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود تھی مگر مرزا صاحب کو اصلی واقعات سے کیا تعلق وغرض' ان کو اپنی عیسویت کی دھن میں کچھ سوجھتا ہی نہ تھا' کہاں ہزار مہینے سے لیلۃ القدر کا افضل ہونا اور کہاں مرزا صاحب کی نیابت اور کلوں کا ایجاد۔ مرزا صاحب نے انا انزلناہ کی ضمیر مصلح کی طرف پھیر دی جس کا کہیں ذکر تک نہیں اور تمام مفسروں نے وہ ضمیر قرآن کی طرف پھیری جو بروایت صحیح ثابت ہے۔

مرزا صاحب نے اپنی نیابت کی جو یہ دلیل قرار دی ہے کہ علوم اور صنعتیں اس زمانہ میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ دیکھنا چاہیے کہ اگر یہ کوئی کمال کی بات ہوتی تو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں صنعتوں کا ظہور ہوتا۔ حالانکہ وہ زمانہ نہایت سادہ اور فطرتی طور پر تھا۔ البتہ دین کی ترقی اس زمانہ میں روز افزوں تھی۔ بخلاف مرزا صاحب کے زمانہ نیابت کے کہ دنیا کی ترقی روز افزوں ہے اور دین کا انحطاط دیکھ لیجئے۔ مرزا صاحب کے اوائل زمانہ میں کروڑ ہا مسلمان تھے جس کا مشرک و بیدین ہونا محال تھا جیسا کہ مرزا صاحب ''براہین احمدیہ'' میں لکھ چکے ہیں۔ اور بعد ازاں شاید دس پندرہ سال بھی نہ گزرے ہوں گے کہ ان کروڑہا مسلمانوں کو مرزا صاحب نے یہودی اور مشرک اور بے دین بنا دیا۔ اب ناظرین دیکھ لیں کہ یہ نیابت آنحضرت ﷺ کی ہوئی یا کسی اور کی؟ اور یہ جو لکھا ہے کہ حضرتؐ کی لیلۃ القدر کا دن قیامت تک پھیلا ہوا ہے اس کا مطلب ظاہر کہ حضرتؐ کی لیلۃ القدر ایک تھی اور مرزا صاحب کی لیلۃ القدر دوسری۔ یہ بھی خلاف احادیث صحیحہ ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرتؐ کے زمانے میں بھی لیلۃ القدر ہر سال ہوا کرتی تھی اور قیامت تک ہر سال ہوا کرے گی۔ مسند احمد' ترمذی اور نسائی میں یہ روایت موجود ہے:

عن عائشۃؓ قالت قلت یا رسول اللہ ﷺ ان واقفت لیلۃ القدر فما اقول قال قولی

اللہم انک عفو تحب العفو فاعف عنی

اس کے سوا لیلۃ القدر کے ہر سال ہونے کی احادیث بکثرت مذکور ہیں۔ مرزا صاحب کی خودغرضی دیکھیئے کہ اپنی ایک لیلۃ القدر کے واسطے صدہا لیالی قدر کا خون کیا۔

حق تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو ہزار مہینوں سے بہتر فرمایا۔ نہ اس میں امتداد کا ذکر ہے نہ اس کے دامن دار ہونے کا۔ مرزا صاحب اس کو دامن دار اور شاخدار بنا رہے ہیں۔ ان کے قول پر اگر الشاۃ خیر من فیل کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہاتھی سے بکری زیادہ اونچی ہے۔ (اہل حدیث ۲۴ نومبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۴-۵)

مولانا امرتسری ایک اور موقع پر فرماتے ہیں

اہل حدیث امرتسر ۷ نومبر ۱۹۴۱ء میں ذکر ہوا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں مثیل مسیح موعود ہوں جسے کم فہم لوگوں نے مسیح موعود سمجھ لیا ہے۔ اخبار پیغام صلح لاہور نے اس بات کا حوالہ طلب کیا تو اہل حدیث ۲۸ نومبر ۱۹۴۱ء مفصل حوالہ لکھا گیا اور (مولانا امرتسریؒ کہتے ہیں کہ) بغرض تفریح اس حوالہ میں سے ایک لفظ مخفی رکھا گیا جو مرزا صاحب کی کتاب ''ازالہ اوھام'' کے اسی صفحہ پر مرقوم ہے لیکن پیغام صلح کو بحکم ''علی ابصارھم غشاوۃ'' وہ لفظ نظر نہ آیا۔ اس ساری بحث کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ ہم کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں اپنے مسیح موعود ہونے سے انکار کیا ہے اور اپنا دعویٰ فقط مثیل مسیح موعود قرار دیا ہے اور انہیں مسیح موعود ماننا، کم سمجھوں کا فعل بتایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب نے ''ازالہ اوھام'' کے صفحہ ۱۹۰ پر اپنے لیے دو مرتبہ مثیل کا لفظ لکھا ہے۔ ایک دفعہ تو اس کو موعود کا مضاف بنایا ہے یعنی مثیل موعود لکھا' دوسری مرتبہ مسیح کا مضاف بنایا ہے یعنی لکھا ہے میں مثیل مسیح ہوں۔ دونوں عبارتیں ایک صفحہ پر قریب قریب مرقوم ہیں۔ ہم نے ۲۸ نومبر ۱۹۴۱ء کے پرچہ میں دوسری عبارت نقل کی تھی اور پہلی کو چھوڑ دیا تھا۔ اس پر پیغام صلح آپے سے باہر ہو کر غضبناک لہجے میں لکھتا ہے: (اہل حدیث کی) اس ڈھٹائی کی بھی کوئی انتہا ہے کہ حضرت مسیح موعود (مرزا) کے الفاظ مولوی (ثناء اللہ) صاحب نے نقل کیے ہیں کہ ''میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں' میں تو مثیل مسیح ہوں'' اور اس کے معنی یہ بیان کرتے ہیں: ''مسیح موعود کا مثیل ہوں' مثیل مسیح اور مسیح موعود کا مثیل ایسے الفاظ نہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب یا کوئی اور ادنیٰ سمجھ کا

انسان بھی ان کے معانی اور مفہوم کا فرق نہ سمجھ سکتا ہو۔ باجود اس کے مولوی صاحب کی ڈھٹائی ملاحظہ ہو کہ دونوں کو متفق المعنی قرار دے رہے ہیں۔ اور پھر خود ہی مسیح موعود اور مثیل مسیح موعود میں مرکب توصیفی اور مرکب اضافی کا فرق بیان کر کے حضرت صاحب کو مسیح موعود ماننے والوں کو کم فہم بتانے لگ گئے۔ کیا اس تحریف اور اس دیدہ دلیری کی کوئی مثال دنیا میں مل سکتی ہے۔ (پیغام صلح لاہور ۳۰ نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۴)

مولانا جواباً فرماتے ہیں: سنیئے وہ لفظ جس کو آپ تلاش کرتے ہیں اور جس کو ہم نے نقل نہیں کیا۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں: ''اس عاجز نے جو مثیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح خیال کر بیٹھے ہیں'' (ازالہ۔ طبع اول' صفحہ ۱۹۰)۔ دوسری عبارت کے الفاظ یہ ہیں کہ میں مثیل مسیح ہوں۔ اہل علم کے لئے قابل غور بات یہ ہے کہ پہلی عبارت میں موعود کا لفظ جو مضاف الیہ ہے وہ دراصل صفت کا صیغہ ہے' اس کا موصوف کون ہے؟ یقیناً مسیح کا لفظ ہے جو دوسری عبارت میں مرقوم ہے۔ پس پہلی عبارت کے معنی دوسری کو ملا کر یہ ہوتے ہیں کہ اس عاجز نے جو مثیل مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے کم فہم لوگ اس کو مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔ اب بتایئے اہل حدیث نے کیا غلطی کی؟ یہی نہ کہ ایک صفحہ کی عبارت میں سے ایک لفظ نقل نہیں کیا جو بالکل واضح تھا وہ بھی اسی لیے کہ چوہا خوشی میں ذرا حرکت کر لے پھر خود بخود پکڑا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اب تو پیغام صلح کی شکایت رفع ہوگئی۔ دونوں عبارتوں کا مطلب صاف واضح ہوگیا کہ مرزا صاحب کو مسیح موعود ماننے والے بقول مرزا صاحب کم فہم اور نادان ہیں۔

رہا یہ کہ پیغام صلح، اہل حدیث کو ڈھٹائی کا مرتکب بتاتا ہے۔ ہم اس کے جواب میں ڈھٹائی کو اس کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ ہاں ہم کہتے ہیں کہ ہم نے اعیان مرزائیہ سے مرزا صاحب کے دو حوالوں کا ثبوت مانگا تھا' دونوں اخبار (الفضل اور پیغام صلح) جواب دینے سے خاموش رہے۔ اگر جرأت ہے تو ان کا ثبوت دیں ورنہ ہمیں اجازت دیں کہ ہم ڈھٹائی کے لفظ سے بڑھ کر کوئی اور لفظ ان کی شان کے مطابق تجویز کریں۔ ایک حوالہ یہ تھا کہ تفسیر ثنائی میں ہم نے ابو ہریرہؓ کو کم فہم لکھا ہے۔ دوسرا حوالہ مطلوبہ یہ تھا کہ مرزا صاحب نے مازنی زان وھو مومن کو حدیث قرار دیا ہے۔ یہ حدیث کہاں ہے ان دونوں کا ثبوت دیجیئے۔ (اہل حدیث امرتسر ۲۳ دسمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۴-۵)

مرزا صاحب نے ''ازالہ اوھام'' میں ایک چیلنج دیا ہوا ہے کہ جو شخص بتائے کہ ''توفی'' فعل کا فاعل اللہ ہو اور مفعول ذی روح ہو۔ اس وقت اس لفظ کے معنی سوائے موت کے کچھ اور بھی ہوتے ہیں تو اس کو ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ مولانا ثناء اللہؒ فرماتے ہیں کہ

یہ چیلنج مباحثہ مونگ (ضلع گجرات پنجاب) میں ایک قادیانی مناظر نے میرے سامنے بھی کیا تھا جس میں ایکسو روپیہ اپنا بھی ملایا تھا۔ میں نے وہ چیلنج برسر اجلاس منظور کر کے کہا تھا کہ انعام رقم منصف کے پاس رکھواؤ اور جواب کی تنقید کے لیے کوئی منصف منظور کرو۔ یہ جواب سن کر ساری پارٹی ایسی مبہوت ہوگئی کہ آج تک اسے ہوش نہیں آیا۔ پھر حافظ فضل الرحمٰن صاحب کلرک ریلوے سٹیشن لالہ موسیٰ کی ایک چٹھی بنام میاں محمود خلیفہ قادیان اہل حدیث امرتسر ۹ جنوری ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی جس میں موصوف نے مرزا صاحب قادیانی کے چیلنج پر قادیانیوں سے انعام رقم کو امانت رکھوانے کا مطالبہ کیا تھا تا کہ حافظ صاحب اس چیلنج کا جواب دیں۔ حافظ فضل الرحمٰن صاحب کے جواب میں الفضل میں مولوی اللہ دتہ صاحب مبلغ قادیانی کا ایک مضمون نکلا جس میں انہوں نے حافظ صاحب کو کورا جواب دیا اور لکھا کہ تم ہمارے مخاطب نہیں ہو سکتے کیونکہ تم کلرک ہو (یعنی تم اس طرح کے سرکاری محرر ہو جس طرح مرزا صاحب قادیانی سیالکوٹ میں کبھی ہوا کرتے تھے) اس لیے تم اپنی وکالت پر پانچ علماء کے دستخط کرا کر سامنے آؤ اور چیلنج کا جواب شائع کر دو ہم خود دیکھ لیں گے۔ روپیہ رکھوانے کا کیا فائدہ، بینک میں رہا تو ہمارے ہی نام سے رہے گا۔ حافظ فضل الرحمان صاحب نے اس کے جوب میں اہل حدیث امرتسر میں مولوی اللہ دتہ صاحب کو مخاطب کر کے لکھا:

۱۔ میں نے خلیفہ قادیان کو مخاطب کیا آپ جواب دینے والے کون؟ وکالت نامہ حاصل کیجیے۔

۲۔ انعامی رقم رکھوانے کا مطالبہ کرنا مرزا صاحب کی سنت ہے انہوں نے مولوی رسل بابا مرحوم کو ایسا لکھا تھا۔

۳۔ امانت آپ کے نام پر نہیں ہوگی آپ کی طرف سے ہوگی۔ اس میں وہی عبارت لکھی جائے گی جو مباحثہ لدھیانہ میں قادیانی لیڈر جناب منشی قاسم علی نے لکھ کر دی تھی کہ ہم مناظرہ کنندوں میں سے جو سچا ہوگا یہ رقم اس کو ملے گی۔ غالباً منشی صاحب زندہ ہیں

آپ ان سے عبارت پوچھ لیجئے۔

۴۔ میں واقعی کلرک ہوں مگر بفضلہٖ تعالیٰ حافظ قرآن ہوں۔ اپنا دعویٰ قرآن سے ہی ثابت کروں گا' میں مولوی نہیں لیکن آپ چاہیں تو اپنے لائق ترین مناظر منشی قاسم علی صاحب سے میرا امتحان مقابلہ کرالیں' مضامین یہ ہوں' اردو' فارسی' عربی' انگریزی' حفظ قرآن' علم قرآن وغیرہ۔

نمونہ دیکھئے۔ آپ جیسے مولوی فاضل قرآن دانی کے دعویٰ میں لکھتے ہیں:

''ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید بالترتیب ہے۔ اس کے ہر لفظ ہر نقطہ اور ہر حرکت میں ترتیب ہے۔ اس کی واؤ میں بھی ترتیب ہے''۔ (الفضل ۲۴ جنوری ۱۹۳۱ء)

یعنی مطلب آپ کا یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو لفظ پہلے ہے اس کا محل بھی پہلے ہے۔ یہ ہے قادیانی علم قران۔ پس اب آپ بتایئے اس آیت میں واؤ پہلے کا درجہ پہلے، اور پچھلے کا پیچھے ہے؟ غور سے سنیے!

﴿واقیموا الصلوة ولا تکونوا من المشرکین﴾

''نماز پڑھو اور مشرک نہ بنو'' یعنی نماز پہلے ادا کرو اور شرک پیچھے چھوڑو۔

کیا خوب معنی ہیں۔ کوئی بت پرست مشرک مسلمان ہونے آئے اور نماز کا وقت ہو تو اس اصول سے اسے کہنا چاہیے کہ میاں تم نماز پہلے پڑھ لو پھر شرک سے توبہ کر لینا۔ کیونکہ علم نحو میں گو لکھا ہے کہ واؤ ترتیب کے لیے نہیں مگر قرآن شریف کے ہر لفظ اور ہر حرف میں ترتیب ہے اس لیے بحکم آیت موصوفہ ''تم نماز پہلے پڑھو، شرک سے توبہ بعد میں کر لینا''۔

غالباً یہی معارف قرآنیہ ہیں جن کے دکھانے کے لیے جناب خلیفہ صاحب قادیان نے تحدی کی ہے۔ سبحان اللہ۔ (اہل حدیث امرتسر ۲۷ فروری ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۱)

ازالہ اوھام میں لفظ توفی والے چیلنج کا جواب حافظ عنایت اللہ وزیرآبادی نے بھی دیا تھا۔ انہوں نے ایک کھلی چٹھی بنام مرزا محمود احمد صاحب قادیانی کے نام یوں لکھی تھی:

''آپ کے ابا جان مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ''ازالہ اوھام'' میں فرمایا ہے کہ باب ''تفعل'' سے ''توفی'' کا معنی جبکہ خدا تعالیٰ فاعل اور مفعول بہ انسان یا کوئی اور ذی روح ہو بجز موت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی شخص اس کے دوسرے معنی ثابت کر

دے تو میں اسے مبلغ ایک ہزار روپے انعام دوں گا۔ مرزا صاحب نے اس چیلنج میں مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے ہم خیال علماء کو خصوصاً اور تمام مسلمانوں کو عموماً مخاطب فرمایا ہے۔ اگر مرزا صاحب آنجہانی کا یہ چیلنج منسوخ نہیں ہوا تو میں مولوی (محمد حسین) صاحب مرحوم کا ہم خیال اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسے منظور کرتا ہوں۔ اگر آپ نیابت کی پاس خاطر قابل وثوق امین کے پاس انعامی رقم جمع کرانے پر آمادہ ہوں اور مسلمہ منصف کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کرنے پر تیار ہوں تو مہربانی فرما کر امین اور منصف کا مجھ سے تصفیہ فرمالیں۔ امین اور منصف پر اتفاق کے بعد میں اپنا مضمون منصف کے پاس بھیج دوں گا جس پر وہ آپ سے جرح کرائے گا۔ پھر وہ مجھ سے اس کا جواب لے کر فیصلہ تحریر کر دے گا جسے تسلیم کرنا ہم دونوں پر لازم ہوگا۔

عنایت اللہ وزیر آباد' گجرت' پنجاب۔

مولانا اثری (مرزا محمود کو مخاطب کر کے) لکھتے ہیں عریضہ ہذا بعنوان بالا اخبار درنجف سیالکوٹ مورخہ ۸ فروری ۱۹۳۴ء اور اخبار سنیاسی گجرات' پنجاب مورخہ ۱۵ فروری ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا۔ مؤخر الذکر کا ایک پرچہ ۱۴ فروری ۱۹۳۴ء کو بذریعہ جواب طلب رجسٹری آنجناب (مرزا محمود) کی خدمت میں روانہ کیا گیا آپ نے ۱۵ فروری کو وصول تو فرمالیا مگر آج ۹ مارچ ۱۹۳۴ء تک آپ کی طرف سے کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ حیران ہوں کہ اتنی تاخیر کیوں؟ پرسوں ۷ مارچ ۱۹۳۴ء کو گجرات میں ایک اشتہار مطبوعہ قادیان تقسیم ہوا مگر وہ آپ کی طرف سے نہیں۔ (اہل حدیث امرتسر ۲۳ مارچ ۱۹۳۴ء' صفحہ ۷)

کچھ عرصہ بعد مولانا ثناء اللہؒ نے اخبار اہل حدیث میں لکھا کہ حافظ عنایت اللہ صاحب نے خلیفہ قادیان کو بحیثیت ولد اور بحیثیت خلیفہ مخاطب کر کے اس چیلنج کی یاد دہانی کرا کر فیصلہ کرانے پر متوجہ کیا تھا۔ مگر اڈیٹر الفضل نے از خود اس میں دخل دے کر لکھا کہ آپ کسی جماعت کے نمائندے نہیں ہیں لہٰذا آپ کو خلیفہ صاحب جواب نہ دیں گے بلکہ کوئی ایک احمدی مشتہر (گجراتی) جواب دینے کو کافی ہیں۔ الفضل کے اس جواب کے جواب میں حافظ عنایت اللہ صاحب نے ایک مراسلہ اخبار میں اہل حدیث میں شائع کرایا جو درج ذیل ہے۔

بعد از سلام مسنون گزارش ہے کہ آپ نے ۲۴ مارخ ۱۹۳۴ء کے پرچہ میں ایک مسترد اور ناقابل ذکر اشتہار کو بلاوجہ دوبارہ شائع کرتے ہوئے جو فرمایا ہے کہ میں (عنایت اللہ)

نے کوئی چیلنج مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب قادیانی کے نام شائع کیا ہے جس میں میں نے اپنی کوئی حیثیت ظاہر نہیں کی۔ اس بابت جواباً عرض ہے کہ میری طرف سے آج تک کوئی چیلنج موصوف کے نام شائع نہیں ہوا بلکہ (میں نے تو) موصوف کے ابا جان کے چیلنج کو منظور کیا ہے اور اپنی حیثیت بھی چٹھی میں ظاہر کر دی ہے جسے آپ نے بھی اسی پرچہ میں درج فرمایا ہے اگر آپ اسے پہلے غور سے پڑھ لیتے تو آپ کو دریافت کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ مکرر عرض کر دوں کہ چیلنج کرتے وقت میری حیثیت جو مرزا صاحب آنجہانی نے مقرر فرمائی ہوئی ہے اس کا ناقابل تردید ثبوت چٹھی نمبر (۱) میں عرض کر چکا ہوں۔ (یعنی میں مولانا محمد حسین مرحوم بٹالوی کا ہم خیال ہوں) اس سے زائد کا مطالبہ ہرگز درست نہیں بلکہ چیلنج کی تنقیص اور تحقیر کے مترادف ہے۔ اگر کوئی بزرگ آپ کی اعزازی دعوت کر کے اور آپ کو وقت اور جگہ بھی بتا دے جب آپ تشریف لائیں تو (دعوت کرنے والے کا) مکان مقفل ہو اور وہ حضرت (صاحب البیت) غائب۔ اور ان کا کوئی خادم آپ سے عرض کرے کہ آپ کو تو روٹی سے مطلب ہے، چلو میں آپ کو اپنے یہاں سے کھلا دیتا ہوں۔ تو کیا آپ روٹی کے لیے اس کے ساتھ چل پڑیں گے؟ اگر نہیں تو پھر دوسرے کو آپ کیا مشورہ دے رہے ہیں۔ آپ خاموش ہو کر سنتے رہیں۔ میں بمطابق ''ضرباً بالیمین'' مرزا صاحب کے اولو العزم فرزند کو چٹھی لکھ رہا ہوں جو ان کی جگہ پر نیابت فرما رہے ہیں اور انہیں ببانگ دہل ''مالکم لا تنطقون'' کہہ کر پکار رہا ہوں۔ آپ ابھی سے مجھے موصوف کی طرف سے مایوس کن خبر (لقد علمت ما ھوء لاء لا ینطقون) پڑھ کر نہ سنائیں۔ اگر آپ کچھ کر سکتے ہیں تو موصوف (مرزا محمود) کو ان کے ابا جان کے چیلنج کی حمایت پر آمادہ کریں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ رقم موعودہ میں سے مبلغ یک صد روپیہ آپ کو اس خیال سے دوں گا کہ آپ نے اس علمی غزوہ میں میرا ہاتھ بٹایا۔ (حافظ عنایت اللہ از گجرات' پنجاب)

(اہل حدیث امرتسر '۲۰ اپریل ۱۹۳۴ء' صفحہ ۵۔۶)

اس تحریر کا کوئی جواب قادیانیوں کی طرف سے نہ آیا تو مولانا امرتسریؒ نے لکھا کہ

''حافظ عنایت اللہ صاحب وزیر آبادی نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے انعامی چیلنج متعلق لفظ ''توفی'' کو منظور کرتے ہوئے خلیفہ قادیان کو بذریعہ اخبار اہل

حدیث توجہ دلائی تھی کہ ہزار روپے کسی امین کے پاس جمع کرائیں اور منصف وغیرہ مقرر کریں۔مگر آج تک حافظ صاحب کو اس کا جواب نہیں ملا۔ حافظ صاحب جواب کے لیے مصر ہیں''۔ (اہل حدیث' ۲۵مئی ۱۹۳۴ء' صفحہ ۱۶)

اور جواب پھر بھی نہیں آیا۔

۱۰ محرم ۱۳۵۸ ہجری کو دہلی میں مرزائیوں سے مسلمانوں کا ایک مناظرہ ہوا جس کی روداد مرزائیوں نے ''وفات مسیح کا مسئلہ' احمدیت کی فتح'' کے عنوان سے بصورت اشتہار شائع کی۔اس اشتہار کے مصنف بابو عمر الدین صاحب تھے' انہوں نے اس میں ایک جگہ لکھا کہ اگر قرآن مجید احادیث یا لغت عرب سے ثابت کر دیا جائے کہ لفظ ''توفی'' کے معنی سوائے موت یا قبض روح کے کچھ اور بھی ہوتے ہیں جبکہ یہ لفظ باب تفعل سے ہو اور فاعل، اللہ تعالیٰ ہو اور مفعول بہ انسان ہو اور کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو ایسا ثابت کرنے والے کو مبلغ پچاس روپے انعام دیئے جائیں گے۔

مولانا معمارؒ فرماتے ہیں کہ

لفظ ''توفی'' کے متعلق جو شرائط اور قیود مرزائیوں نے لگائے ہیں عربی کتب گرامر میں ان شرائط کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ مرزائی لوگ ہم سے اس قسم کے مطالبات کرنے سے پہلے خود اپنے پیش کردہ شرائط و قیود کا پتہ کسی معتبر کتاب لغت سے بتائیں۔ ہمارا یہ اعتراض ایسا وزنی ہے کہ خود مرزا صاحب قادیانی نے بھی اس کی اہمیت کو محسوس کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کا جواب بایں الفاظ دیا ہے کہ درباره لفظ ''توفی'' اتفاق اہل لغت برہمیں قاعدہ است کہ چوں در عبارتے فاعل ایں خدا باشد و مفعول بہ انسان درآں صورت معنی ''توفی در میرانیدن محصور خواہد بود و بجز میرانیدن و قبض روح معنی دیگر درآنجا ہرگز نخواہد بود۔ (اشتہار مرزا موسومہ واجب الاظہار)

اس عبارت میں مرزا صاحب نے لفظ ''توفی'' سے متعلقہ قیود کا حوالہ اتفاق اہل لغت پیش کیا ہے۔اب ہماری گزارش مرزائیوں سے یہ ہے کہ وہ اہل لغت کے اقوال سے اس کا ثبوت دکھائیں۔ اگر وہ نہ دکھا سکیں تو انہیں اقرار کرنا ہوگا کہ ان کے مسیح موعود نے اہل لغت پر صریح جھوٹ باندھا ہے۔

(مولانا معمارؒ کہتے ہیں) کہ جب تک مرزائی، لغت کا حوالہ تلاش کریں آپ لفظ توفی

کا حال سنیں۔

یہ لفظ تین معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ پورا لینا۔ نیند۔ موت۔ پہلے معنی اس لفظ کے حقیقی اور وضعی ہیں باقی دونوں اس کے مجازی معنی ہیں۔ چنانچہ امام زمخشری جس کے متعلق مرزائیوں کے مسیح موعود نے لکھا ہے کہ اس کے مقابل کسی کو چوں چرا کرنے کی گنجائش نہیں (ضمیمہ نصرۃ الحق، صفحہ ۲۰۴) یہ امام صاحب اپنی کتاب ''اساس البلاغۃ'' میں رقم فرما ہیں: ''ومن المجاز توفی فلان وتوفاہ اللہ ادرکتہ الوفاۃ'' یعنی توفی کے معنی موت لینا مجازی ہیں۔ ایسا ہی تاج العروس شرح قاموس ج ۱۰، ص ۳۹۴ میں لکھا ہے امام راغب، مفردات میں لکھتے ہیں وقد عبر عن الموت والنوم بالتوفی یعنی موت و نیند توفی کے مجازی معنی ہیں۔ اصلی اور حقیقی معنی توفی کے اخذ الشئی وافیاً (تفسیر بیضاوی) یعنی چیز کو پورا پورا لینا۔ چنانچہ عرب کہا کرتے ہیں توفیت منہ دراھمی (تفسیر کبیر) میں نے اس سے اپنے درہم پورے وصول کر لیے۔

توفی کا لفظ خود وفا سے ماخوذ ہے اور وفا کہتے ہیں پورا کرنے کو۔ لسان العرب جلد ۲۰ میں لکھا ہے: ''الوفاء ضد الغدر'' یعنی وفا غدر کی ضد ہے۔ چنانچہ محاورہ عرب ہے ''یقال وفی بعہدہ'' یعنی اس نے اپنا عہد پورا کیا۔ نیز اسی ''لسان العرب'' میں لکھا ہے ''توفیت المال منہ واستوفیتہ اذا اخذتہ کلہ'' (ج ۲۰) یعنی توفیت المال (باب تفعل) اور استوفیتہ (باب استفعال) دونوں ہم معنی ہیں۔ یعنی میں نے اس سے اپنا مال پورا پورا لے لیا۔ اسی کے قریب قریب علامہ قیومی نے رقم فرمایا ہے ''اساس البلاغۃ'' میں ہے استوفاہ وتوفاہ استکملہ یعنی استوفاہ وتوفاہ کے معنی ہیں پورا لیا اس نے۔ لسان العرب جلد ۲۰ میں یہ محاورہ بھی مرقوم ہے توفیت عدد القوم اذا عدد تہم کلہم یعنی جب کوئی شخص قوم کی گنتی پوری کر لیتا ہے تو کہتا ہے توفیت عدد القوم میں نے قوم کی گنتی پوری لے لی ہے۔

الحاصل لفظ توفی کے معنی پورا لینے کے ہیں اور یہ قاعدہ مسلمہ فریقین ہے کہ حقیقی معنی کے ہوتے ہوئے مجازی معنی لینا غلط و باطل ہے۔ اندریں صورت آیت ﴿یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک﴾ کے معنی بالکل عیاں ہیں یعنی اے عیسی! میں تجھے زندہ لے کر اپنی طرف اٹھانے والا ہوں''۔

اس آیت کے معنی سمجھنے کے لیے حضرت عیسیٰ کے واقعات پر ایک گہری نظر ڈالیں تو معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ اس وقت کا نقشہ یہ ہے کہ حضرت مسیح محصور ہیں۔ ان کے دشمن قتل پر آمادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔ یہود نے قتل مسیح کی تدبیر کی اور ان کے بالمقابل خدا نے بھی تدبیر کی اور خدا بہترین مدبر ہے۔ چنانچہ خدا نے مسیح کو وعدہ دیا ''یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی ومطہرك من الذین کفروا'' اے میرے رسول تو خوف نہ کر۔ میں تیری توفی کروں گا۔ تجھے اپنی طرف اٹھا کر دشمنوں سے بچاؤں گا۔

مرزا غلام احمد نے اس وعدہ الٰہی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے خدا نے مسیح کو وعدہ دیا کہ میں تجھے بچاؤں گا'۔ (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۱۰) بنابریں ظاہر ہے کہ مسیح کو بچانے کا وعدہ واقعہ صلیب سے متعلق ہے جو اسی وقت پورا ہونا چاہیے تھا۔ مرزا صاحب خود اقراری ہیں کہ وعدہ ہذا کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ یہ وعدہ جلد پورا ہونے والا ہے اور اس میں کچھ توقف نہیں''۔ (دافع الوساوس' صفحہ ۴۶' طبع اول صفحہ ۴۰' طبع دوم)

اب اگر اس جگہ توفی کے معنی موت لیے جائیں جیسا کہ مرزائی کہتے ہیں تو معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ اے عیسیٰ! تیرے دشمن تجھے مارنا چاہتے ہیں تو کچھ غم نہ کر انی متوفیک میں ابھی تیری جان نکال لیتا ہوں۔ ورافعک الی اور اس کے بعد تیری روح کو اپنی طرف عزت کی موت (رفع کے معنی ازالہ اوھام میں عزت کی موت کیے گئے ہیں' ازالہ طبع اول صفحہ ۵۹۲۔ طبع سوم صفحہ ۲۴۶) دے کر اٹھا لوں گا''۔

صاحب علم ناظرین غور فرمائیں کہ یہ ترجمہ کس قدر لغو ہے اور مرزا صاحب نے قرآن کی آیت وآوینہما الی ربوۃ ذات قرار و معین میں تحریف کر کے اپنا الہام جتاتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ مسیح اس وقت صلیب سے زندہ اتر آیا تھا۔ کشمیر آ کر ۱۲۰ سال کی عمر پا کر فوت ہوا۔ وہیں اس کی قبر موجود ہے' یہ سب جھوٹ ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ وعدہ الٰہی ''یا عیسیٰ انی متوفیک'' تو بزمانہ صلیب دیا گیا تھا جو اسی وقت پورا ہونا تھا اور بقول مرزائیوں کے توفی کے معنی موت ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ مسیح اسی وقت فوت ہو گئے۔

خلاصہ یہ کہ اس آیت میں توفی کے معنی موت کرنا قرآن و حدیث کتب لغت اقوال مرزا وغیرہ کے صریح خلاف ہے۔ مرزائی لوگ توفی کے معنی اپنے مسیح موعود کے اقوال کے

ماتحت کشمیر کی طرف جانا کریں ۔ ہم بروئے آئے و رافعک الی مسیح کا آسمان پر اٹھایا جانا کریں گے۔ توفی کے معنی اس جگہ موت ہو ہی نہیں سکتے۔ اگر کسی مرزائی میں جرأت ہے تو کر دکھائے ۔ ایک سو روپے کا انعام میری طرف سے اعلان ہے۔

(اہل حدیث امرتسر ۲۶ مئی ۱۹۳۹ء صفحہ ۹-۱۰)

یہ ہے مرزا صاحب کے اس چیلنج کی حقیقت جو انہوں نے ''ازالہ اوھام'' میں ۱۸۹۱ء میں شائع کیا تھا اور جسے آج تک قادیانی حضرات اپنے حلقوں میں اس دعویٰ کے ساتھ دہراتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں کی طرف سے اس کا جواب نہیں آیا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری، حافظ فضل الرحمٰن، مولانا محمد عبد اللہ معمارؒ اور حافظ عنایت اللہ صاحبؒ وزیر آبادی کے سامنے لوگ بھیگی بلی بنے رہے۔

براہین احمدیہ

مرزا غلام احمد کی پہلی مشہور (لیکن نامکمل) تصنیف ''براہین احمدیہ'' ہے جسے انہوں نے انیسویں صدی کے آٹھویں عشرے کے اختتام پر لکھنا شروع کیا تھا۔ اس کتاب کے پہلے یڈیشن میں جو سفیر ہند امرتسر سے شائع ہوا تھا مرزا صاحب ''اعلان'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''کتاب ہذا بڑی مبسوط کتاب ہے یہاں تک کہ اس کی ضخامت سو جزء سے کچھ زیادہ ہو گی اور تا اختتام طبع وقتاً فوقتاً حواشی لکھنے سے اور بھی بڑھ جائے گی' ۔ اور ''گزارش ضروری'' کے تحت مرزا صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں کتاب اب تین سو جزء تک بڑھ گئی ہے''۔

قادیانی حضرات کا کہنا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی سب سے پہلی باقاعدہ تصنیف ''براہین احمدیہ'' ہے۔ اس کتاب پر کام کا آغاز ۱۸۷۸ء کے اواخر میں ہوا اور اس کا مکمل مسودہ اپریل ۱۸۷۹ء تک تیار ہو چکا تھا جس میں بعد ازاں وقتاً فوقتاً حواشی کا اضافہ ہوتا رہا۔ اس کتاب کے اشتہارات ۱۸۷۷ء کے آخر میں شائع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اس کی پہلی اور دوسری جلد ۱۸۸۰ء میں چھپ کی نکلی۔ تیسری جلد ۱۸۸۲ء میں اور چوتھی جلد ۱۸۸۴ء میں۔

(براہین احمدیہ' عرض ناشر' ۲۲ مارچ ۱۹۶۸ء۔ لاہور۔ صفحہ ۳)

کتاب کے چار اجزا شائع ہو چکے تو لوگ اس کے حصہ پنجم کا انتظار کرنے لگے جس کے متعلق مرزا صاحب نے منشی رستم علی نامی اپنے ایک مرید کو ایک خط میں فرمایا

''حسب تحریر آپ کو ایک خط انگریزی اور ایک اشتہار انگریزی بھیجا جاتا ہے کسی زیرک اور منصف مزاج کو ضرور دکھائیں۔ یہ خطوط انگریزی تمام پادری صاحبان ہندوستان و پنجاب کی خدمت میں بھیجے گئے ہیں۔ نیز پنڈتوں کے پاس بھی بھیجے گئے ہیں اور بھیجے جاتے ہیں اور سب کی کیفیت انشاء اللہ حصہ پنجم کتاب (براہین احمدیہ) میں درج ہو گی۔ والسلام۔ غلام احمد ۲۔ اپریل ۱۸۸۵ء۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ صفحہ ۴)

اور ۵ جون ۱۸۸۵ء کو مرزا صاحب نے منشی رستم علی صاحب کو لکھا

حصہ پنجم کتاب انشاءاللہ اب عنقریب چھپنا شروع ہوگا۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۵' صفحہ ۵)

ان خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۸۵ء میں براہین کا پانچواں حصہ لکھا جا چکا تھا اور چھپنے ہی والا تھا۔ پھر معلوم نہیں ہو سکا کہ اس مسودے کا کیا ہوا کہ جو حصہ پنجم مرزا صاحب کی وفات کے بعد شائع ہوا ہے اور جس کے متعلق عبدالمنان عمر صاحب قادیانی کہتے ہیں پانچویں جلد آپ (مرزا) کی وفات کے بعد ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی۔ اسے آپ نے اپنی زندگی ہی میں مکمل کر لیا تھا۔ (براہین احمدیہ۔ عرض ناشر۔ ۲۲ مارچ ۱۹۶۸ء۔ لاہور' صفحہ ۳) وہ تو چیزے دیگر ہے کیونکہ اس میں تو ان اعتراضات پر مرزا صاحب نے بحث کی ہے جو ۱۸۸۵ء تک موجود ہی نہیں تھے اور اپنے مخالفوں کی ان تحریروں کے حوالے سے بات کی ہے جو ۱۸۸۵ء میں موجود نہیں تھیں اور جس بات کا ذکر مرزا صاحب نے اپنے درج بالا خطوط میں کیا ہے کہ وہ عنقریب (۱۸۸۵ء میں) چھپنے والے حصہ پنجم میں موجود ہوگی اس بات کا ۱۹۰۸ء والے پانچویں حصے میں ذکر تک نہیں ہے۔

مرزا صاحب نے ۱۸۷۹ء میں اپنی کتاب ''براہین احمدیہ'' کا اشتہار دے کر لوگوں سے بطور امداد اور بطور پیشگی قیمت بہت سی رقم جمع کی تھی اور اس لیے بھی لوگ کتاب کے انتظار میں رہتے تھے لیکن جب ۱۸۸۰ء کا عشرہ گزر گیا اور ۱۸۹۰ء کے عشرے کے بھی دو سال گزر گئے اور کتاب کے بقیہ حصے شائع ہونے کے آثار نظر نہ آئے تو مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے یکم جنوری ۱۸۹۳ء کو مرزا صاحب کو لکھا:

''آپ مسلمانوں کا دس ہزار سے زیادہ روپیہ کتاب براہین احمدیہ کی قیمت اور قبولیت دعاؤں کی طمع دے کر خورد برد کر چکے ہیں اور کتاب براہین احمدیہ ہنوز دربطن شاعر کا مصداق ہے''۔ (روحانی خزائن۔ جلد ۵' دافع الوساوس'' صفحہ ۳۱۳)

اس کے جواب میں مرزا صاحب نے مولانا بٹالوی صاحب کو لکھا:

''آپ کا یہ خیال کہ گویا یہ عاجز ''براہین احمدیہ'' کی فروخت میں دس ہزار روپیہ لوگوں سے لے کر خرد برد کر گیا ہے یہ اس شیطان نے آپ کو سبق دیا ہے جو ہر وقت آپ کے ساتھ رہتا ہے۔ آپ کو کیونکر معلوم ہو گیا کہ میری نیت میں ''براہین'' کا طبع کرنا نہیں۔ اگر براہین طبع ہو کر شائع ہو گئی تو کیا اس دن شرم کا تقاضا نہیں ہوگا کہ آپ غرق ہو

جائیں''۔ (روحانی خزائن۔جلد۵''دافع الوساوس'' صفحہ ۳۰۶)

اور پھر مرزا صاحب نے کتاب کا پانچواں حصہ مکمل کیا تو اس میں لکھا:

''یہ وہی ''براہین احمدیہ'' ہے جس کے پہلے چار حصے طبع ہو چکے ہیں بعد اس کے ہر ایک سر صفحہ پر ''براہین احمدیہ'' کا حصہ پنجم لکھا گیا۔ پہلے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ تھا مگر پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا گیا اور چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اس لیے پانچ حصوں سے وہ وعدہ پورا ہو گیا''۔

(صفحہ۴ دیباچہ پنجم حصہ براہین احمدیہ۔احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)

براہین جسے مرزا صاحب نے ۵۰ جلدوں میں لکھنے کا نہ صرف وعدہ کیا تھا بلکہ ان کی تحریروں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کتاب کو مکمل فرما چکے ہیں لیکن جب وہ کتاب مکمل صورت میں لوگوں کے سامنے نہ آئی اور وہ خود پانچ اور پچاس کو برابر قرار دینے کی تحریر غیر مطبوعہ صورت میں اپنے مریدوں کے حوالے کر کے مکمل کتاب کا اڑھائی ہزار صفحات کا مسودہ (ملاحظہ ہو سیرۃ المہدی میں مرزا بشیر احمد کا بیان) صندوق میں چھپا کر لالہ ملا وامل کی نظروں کے سامنے ففروا ہو گئے تو ان کے مریدوں کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ مرزا صاحب خود تو اپنی زندگی میں اس تحریر کو شائع کرنے کی ہمت نہ کر سکے جس میں انہوں نے پانچ اور پچاس کو برابر قرار دیا تھا۔ نہ ہی ۱۹۰۸ء میں شائع ہونے والی کتاب کو اپنی زندگی میں براہین احمدیہ حصہ پنجم کے نام سے عوام کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کر سکے کہ اس حصہ میں تو وہ باتیں موجود ہی نہ تھیں جن کے متعلق وہ ۱۸۸۵ء میں کہہ چکے تھے کہ وہ عنقریب شائع ہونے والے حصہ میں موجود ہوں گی۔ مرزا صاحب کی موت کے بعد قادیانیوں کے لیے جب علی رؤس الاشہاد ۵ اور ۵۰ کے اعداد کو برابر ثابت کرنا ممکن نہ ہوا تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ براہین دراصل مکمل ہو چکی ہے اور مرزا صاحب کی وہ کتابیں جو ''براہین احمدیہ'' کے چوتھے حصے کے بعد شائع ہوئی ہے دراصل براہین ہی کے باقی ماندہ چھیالیس حصے ہیں۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم نے قادیانیوں کے اس مؤقف پر تنقید کرتے ہوئے ایک مرتبہ ایک مضمون لکھا جسے ہم کسی اور جگہ نقل کر چکے ہیں۔

جو براہین ہمارے سامنے ہے اس کے متعلق مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ لکھتے ہیں

یہ کتاب مضامین کے لحاظ سے دو حصوں پر منقسم ہے۔ ایک اصل کتاب ہے دوسرے

حواشی۔ ان دونوں حصوں میں جو کچھ حشو و زوائد اور طول پر ملول اور تکرار بے شمار ملتا ہے اسے ہم زیر بحث نہیں لاتے۔ اصل کتاب کے شروع میں مرزا صاحب نے ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں چند مقاصد ہیں۔ علماء کی اصطلاح میں مقدمہ کتاب کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو مضمون کے لحاظ سے اصل کتاب سے جدا ہوتا ہے مگر اس میں کچھ مبادی ذکر کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ علم نحو اور علم منطق میں مقدمہ کو یوں بیان کیا جاتا ہے المقدمة فی المبادی التی یجب تقدیمها علی المقاصد (ہدایت النحو وغیرہ) علم نحو میں مبادی کی مثال کلمہ کلام مفرد اور مرکب وغیرہ کی تعریفات ہیں اور علم منطق میں دلالت کی تقسیم تضمنی التزامی وغیرہ مبادی کی مثالیں ہیں۔ علم اقلیدس میں خط نقطہ وغیرہ کی تعریف اور چند علوم متعارضہ بیان کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد مقاصد شروع ہوتے ہیں کیونکہ مبادی مقاصد نہیں ہوتے اور مقاصد مبادی نہیں ہوتے۔ ان دونوں میں امتیاز ہے مگر مرزا صاحب نے مقدمہ میں مقاصد لکھے ہیں (براہین، صفحہ ۸۳ ملاحظہ ہو) جو اہل علم کی اصطلاح کے بالکل خلاف ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ جو کچھ لکھا ہے وہ مقاصد نہیں ہیں گویا آپ نے دو غلطیاں کی ہیں ایک تو مضمون مقدمہ کو مقاصد کہا ہے اور دوسرا جو کچھ اس میں بیان کیا ہے وہ مقاصد نہیں ہیں۔

مقدمہ ختم کرنے کے بعد مرزا صاحب نے آٹھ تمہیدات لکھی ہیں جو پانچ سو گیارہ صفحات میں ختم ہوئی ہیں۔ ان تمہیدات کو مضمون کے لحاظ سے مبادی کہہ کر مقدمہ میں درج کرتے تو بجا ہوتا مگر موصوف نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان کو مقدمہ سے بالکل الگ کر دیا اور ان کی جگہ مقاصد کو دے دی۔ درس قرآن میں اس کی مثال یہ ہے کہ قاعدہ بغدادی میں پارہ ''عم'' کو داخل کر دیا اور پارہ ''عم'' کو قاعدہ بغدادی کے حروف (ا۔ب۔ج۔د وغیرہ) کی جگہ دے دی۔

مرزا صاحب کی تمہیدات میں جو مذکور ہے وہ بالاختصار یوں ہے۔

تمہید اول: قرآن مجید آنے سے پہلے زمانے کے حالات ایسے خراب تھے جو کتاب اللہ کے نزول کے مقتضی تھے۔

تمہید دوم: وہ براہین جو قرآن شریف کی حقیقت اور افضلیت پر بیرونی شہادتیں ہیں چار قسم پر ہیں۔ ایک وہ امور جو محتاج الاصلاح سے ماخوذ ہیں۔ تیسرے وہ امور جو قدرتیہ

سے ماخوذ ہیں۔ چوتھے وہ جو امور غیبیہ سے ماخوذ ہیں۔ (براہین۔صفحہ ۱۳۹)

تمہید سوم: جو چیز محض قدرت کاملہ خدا سے ظہور پذیر ہو خواہ وہ چیز اس کی مخلوقات میں سے کوئی مخلوق ہو خواہ وہ اس کی پاک کتابوں میں سے کوئی کتاب ہو جو لفظاً اور معناً اس کی طرف سے صادر ہو اس کا اس صفت سے متصف ہونا ضروری ہے کہ کوئی مخلوق اس کی مثل بنانے پر قادر نہ ہو۔ (براہین۔صفحہ ۱۴۶)

تمہید چہارم: خداوند تعالیٰ کی تمام مصنوعات سے یہ اصول ثابت ہوتا ہے کہ جو عجائب و غرائب اس نے اپنی مصنوعات میں رکھے ہیں ایک تو عام فہم ہیں دوسرے وہ امور جن میں دقت نظر درکار ہے۔ (براہین۔صفحہ ۳۸۱-۳۸۲)

تمہید پنجم: جس معجزہ کو عقل شناخت کر کے اس کے منجانب اللہ ہونے پر گواہی دے وہ ان معجزات سے ہزار ہا درجہ افضل ہوتا ہے جو صرف بطور کتھا یا قصہ کے مد منقولات میں بیان کیے جاتے ہیں۔

تمہید ششم۔ جس طرح محجوب الحقیقت معجزات عقلی معجزات سے برابری نہیں کر سکتے ایسا ہی پیشگوئیاں اور اخبار ازمنہ گزشتہ نجومیوں اور رمالوں اور کاہنوں اور مؤرخوں کے طریقہ بیان سے مشابہ ہیں۔ ان پیشگوئیوں اور اخبار غیبیہ سے مساوی نہیں ہوسکتیں کہ جو محض اخبار نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ قدرت الوہیت بھی شامل ہے۔ (براہین' صفحہ ۴۶۷)

تمہید ہفتم: قرآن شریف میں جس قدر باریک صداقتیں علم دین کی اور علوم دقیقہ الٰہیات کے اور براہین قاطعہ اصول حق کے مع دیگر اسرار اور معارف کے مندرج ہیں اگرچہ وہ تمام فی حد ذاتہا ایسے ہیں کہ قویٰ بشریہ ان کو بہ ہیئت مجموعی دریافت کرنے سے عاجز ہیں اور کسی عاقل کی عقل ان کے دریافت کرنے کے لیے بطور خود سبقت نہیں کر سکتی کیونکہ پہلے زمانوں میں نظر استقرائی ڈالنے سے ثابت ہو گیا ہے کہ کوئی حکیم یا فلسفی ان علوم و معارف کا دریافت کرنے والا نہیں گزرا (مخالف کے حق میں یہ تمہید خود متنازع ہے، مسلم نہیں ہے۔ ثناء اللہ) لیکن اس جگہ عجیب بر عجیب بات ہے یعنی یہ کہ وہ علوم اور معارف ایک ایسے امی کو عطا کیے گئے جو لکھنے پڑھنے سے ناشنا محض تھا (براہین۔صفحہ ۴۷۰-۴۷۱)

تمہید ہشتم: جو امر خارق عادت کسی ولی سے صادر ہوتا ہے وہ حقیقت میں نبی متبوع کا معجزہ ہوتا ہے جس کی وہ امت ہے اور یہ بدیہی اور ظاہر ہے۔ (براہین۔صفحہ ۴۹۹)

(مولانا ان تمہیدات کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں کہ) ان تمہیدات ثمانیہ کو مقدمہ میں درج کر کے مبادی بنا دیا جاتا تو کچھ صحت ہو جاتی مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ ان تمہیدات سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کتاب براہین احمدیہ نے جو تین سو دلائل بقول خود اس کتاب میں جمع کی ہیں ان سے یہ امور مشمولہ تمہیدات ثابت ہوتے ہیں۔ مگر حیرت کا مقام ہے کہ ان تمہیدات کو اتنا طول دیا ہے کہ اصل مضمون کے لیے جگہ نہیں رہی۔ یعنی اصل کتاب کے صفحہ ۱۳۹ سے ۵۱۲ تک ان تمہیدات کو جگہ دی گئی ہے اور صفحہ ۵۱۲ پر جب اصل مضمون شروع کیا تو محض چند آیات کسی قدر تشریح کے ساتھ درج کر کے کتاب کو صفحہ ۵۶۲ پر ختم کر دیا اور ایسا بے موقع ختم کیا کہ دیکھنے والے کے منہ سے بے ساختہ یہ مصرع نکلتا ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ء

لطف یہ ہے کہ کئی سال انتظار کرانے کے بعد (مرزائیوں نے) ایک اور کتاب شائع کی۔ بظاہر تو اس کا نام ''براہین احمدیہ'' حصہ پنجم رکھا مگر حقیقتاً اس کو اصل کتاب سے نہ صوری تعلق ہے نہ معنوی۔ حالانکہ صفحہ ۹۳ اور ۱۳۶ وغیرہ پر مکرر، سہ کرر لکھ چکے تھے کہ براہین کا مسودہ جس میں تین سو دلائل ہیں، تیار ہو چکا ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ وہ کہاں گیا۔ نہ اپنے وعدے کی وفا کی۔ نہ قیمت پیشگی ادا کرنے والوں کے تقاضا کی پرواہ کی۔

(مولانا امرتسری کہتے ہیں کہ) مرزا صاحب نے اس کتاب کے مقدمہ میں اپنا طریق استدلال بھی بتایا ہے جو قابل دید وشنید ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی دلیل تمام نہیں ہوسکتی جب تک فریق مخالف کا نام نہ لیا جائے۔ آپ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

کامل تحقیقات اور باستیفا بیان کرنا جمیع اصول حقہ اور ادلہ کاملہ کا اسی پر موقوف ہے کہ ان سب ارباب مذاہب کا جو برخلاف اصول حقہ کے رائے اور اختلاف رکھتے ہیں، غلطی پر ہونا دکھلایا جائے۔ پس اس جہت سے ان کا ذکر کرنا اور ان کے شکوک کو رفع کرنا ضروری ہوا اور واجب ہوا۔ اور خود ظاہر ہے کہ کوئی ثبوت بغیر رفع کرانے عذرات فریق ثانی کے کماحقہ اپنی صداقت کو نہیں پہنچتا۔ مثلاً جب ہم اثبات وجود صانع کی بحث لکھیں تو تکمیل اس بحث کی اس بات پر موقوف ہوگی جو دہریہ یعنی منکرین وجود خالق کائنات کے ظنون فاسدہ کو دور کیا جائے۔ (براہین۔ صفحہ ۸۳)

مرزا صاحب کا یہ بیان عقلی اور نقلی دونوں طریق کے خلاف ہے۔ علماء منطق کے نزدیک بہترین دلیل برہان ہے جو یقینی مقدمات سے مرکب ہوتا ہے جس کی مثال یہ قیاس ہے۔ العالم مرکب وکل مرکب حادث ۔نتیجہ ۔ العالم حادث ۔اس دلیل کا نتیجہ بالکل صحیح ہے۔ حالانکہ اس میں کسی منکر کا ذکر نہیں ہے۔ برہان میں ضرورت نہیں ہوتی کہ کسی مخالف یا منکر کا ذکر کیا جائے۔شاید مرزا صاحب کو یاد نہیں رہا کہ آپ کی کتاب کا نام براہین ہے جو برہان کی جمع ہے۔ پھر آپ کا یہ کہنا کہ دلیل میں مخالف کا ذکر ضروری ہوتا ہے علم مناظرہ اور علم میزان کے صریح خلاف ہے۔ ہاں ہم مانتے ہیں کہ جدلیات میں مخالف کا ذکر ضروری ہوتا ہے مگر براہین اس پر موقوف نہیں ہوتیں۔مرزا صاحب کا ایسا کہنا نقلی دلیل (قرآن مجید) کے بھی خلاف ہے۔قرآن شریف نے دہریوں کے رد میں بہت سے دلائل دیئے ہیں جو حقیقتاً براہین قطعیہ ہیں مگر ان میں دہریوں کا نام تک نہیں ہے۔ چنانچہ ہم اس جگہ دو آیتیں درج کرتے ہیں جو یہ ہیں۔

هو الذی جعل الشمس ضیاء وقدره منازل لتعلموا عدد السنین والحساب۔ ما خلق الله ذالک الا بالحق۔ یفصل الآیات لقوم یعلمون ۔ان فی اختلاف اللیل والنهار وما خلق الله فی السموات والارض لآیات لقوم یتقون۔(پارہ ۱۱' رکوع ۶)

''چاند سورج کی پیدائش اور رات دن کے آگے پیچھے آنے میں اور دوسری مخلوقات میں غور کرنے والوں کے لیے بہت سے دلائل ہیں''۔

پس ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کا یہ اصول علم کلام عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔

مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کے متن اور حواشی میں عقل اور الہام پر بڑی بحث کی ہے۔ ہم نے بھی اس بحث کو بڑے غور سے مطالعہ کیا اور جس قدر غور کیا مرزا صاحب کے قلم کو خبط العشوا (کج رفتار) پایا۔عرب میں جو اونٹنی کج رفتار سے چلا کرتی ہے اس کی رفتار کو خبط العشوا کہتے ہیں۔ چنانچہ معلقہ کا شعر ہے:

رائیت المنایا خبط عشواء من تصب
تمته ومن تخط یعمره فیهرم

(میں موت کو کج رفتار اونٹنی کی طرح دیکھتا ہوں جو کبھی کسی پر جا پڑتی ہے اور کبھی کسی پر)

میں نے مرزا صاحب کی تصنیفات میں ان کی قلم کو ایسی ہی اونٹنی جیسا پایا ہے جو

اپنی چال میں بے قابو رہتی ہے۔ مرزا صاحب کا قلم بھی لکھتے ہوئے بے قابو ہو جاتا ہے۔ اس حال میں ان کو اجتماع ضدین یا ارتفاع نقیضین کی بھی خبر نہیں رہتی۔ اس عنوان کے ماتحت ہم اپنے اس دعویٰ کا ثبوت دیتے ہیں۔

مرزا صاحب ایک اصول وضع کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کتاب مدعی الہام کی کسی ایسے امر کی تعلیم کرے جس کے امتناع پر کھلی کھلی دلائل عقلیہ قائم ہوتی ہیں تو وہ امر ہرگز درست نہیں ٹھہر سکتا۔ بلکہ وہ کتاب ہی باطل یا محرف یا مبدل کہلائے گی کہ جس میں کوئی ایسا خلاف عقل امر لکھا گیا۔ پس جبکہ تصفیہ ہر ایک امر کے جائز یا ممتنع ہونے کا عقل ہی کے حکم پر موقوف ہے اور ممکن اور محال کی شناخت کرنے کے لیے عقل ہی معیار ہے تو اس سے لازم آیا کہ حقیقت اصول نجات کی بھی عقل ہی سے ثابت کیجائے (براہین صفحہ ۸۸)

اس اقتباس کا مضمون یہ ہے کہ بقول مرزا صاحب عقل کو الہام پر ترجیح ہے۔ بالفاظ دیگر الہامی تعلیم کو جانچنے کے لیے عقل ہی معیار ہے۔ اب اس کا خلاف بھی ملاحظہ کیجیے۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''اب ہم کہتے ہیں کہ وجود قدیم حضرت باری میں تب ہی دہریہ کو ایک قیاس پرست کے ساتھ نزاع کرنے کی گنجائش ہے کہ مخلوقات پر نظر کرنے سے واقعی شہادت صانع عالم پیدا نہیں ہوتی، یعنی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ فی الحقیقت ایک صانع عالم موجود ہے۔ بلکہ صرف اس قدر ظاہر ہوتا ہے کہ ہونا چاہیے اور اسی وجہ سے امر معرفت صانع عالم کا صرف قیاسی طور سے دہریہ پر مشتبہ ہو جاتا ہے۔ پس جس کے نزدیک معرفت الٰہی صرف مخلوقات کے ملاحظہ تک ہی ختم ہے اس کے پاس اس اقرار کرنے کا کوئی سامان موجود نہیں کہ خدا فی الواقعہ موجود ہے بلکہ اس کے علم کا اندازہ صرف اس قدر ہے کہ ہونا چاہیے اور وہ بھی تب کہ جب دہریہ مذہب کی طرف نہ جھک جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ حکماء متقدمین میں سے محض قیاسی دلائل کے پابند رہے انہوں نے بڑی غلطیاں کیں اور صدہا طرح کا اختلاف ڈال کر بغیر تصفیہ کرنے کے گزر گئے اور خاتمہ ان کا ایسی بے آرامی میں ہوا کہ ہزارہا شکوک اور ظنون میں پڑ کر اکثر ان میں سے دہریے اور طبعی اور ملحد ہو کر مرے۔ اور فلسفہ کے کاغذوں کی کشتی ان کو کنارہ تک نہ پہنچا سکی''۔ (براہین احمدیہ۔ صفحہ ۱۵۰-۱۵۱)

(مولانا امرتسری فرماتے ہیں) کہ اس عبارت کو بغور پڑھیں تو نتیجہ صاف نکلتا ہے کہ

مرزا صاحب نے عقل کو بہت کم درجہ میں رکھ کر اتنا گھٹایا ہے کہ وہ خدا کی ہستی کا ثبوت دینے سے بھی قاصر ہے۔ حالانکہ پہلے اسی عقل کو معیار بتا چکے ہیں اور یہ بات ہر اہل علم پر واضح ہے کہ معیار کا رتبہ ذی معیار (مثبت) سے اعلیٰ ہوتا ہے کیونکہ مثبت کا حسن و قبح معیار ہی سے پرکھا جاتا ہے۔ اہل منطق نے منطقی قوانین کو استدلال کا معیار بتایا ہے کیونکہ منطق کی تعریف یہ ہے۔

آلة قانونية تعصم مراعاتها الذہن عن الخطاء فی الفکر (تہذیب منطق) یعنی علم منطق ایسا علم ہے کہ اس کا لحاظ رکھنے سے انسان کے استدلال اور فکر میں غلطی نہیں ہوتی۔ اس کے خلاف اگر کوئی کہے کہ علم منطق کے قواعد سے استدلال صحیح حاصل نہیں ہوسکتا تو یہ علم منطق کی صریح توہین ہے اور اس کے بعد اب ہم بتاتے ہیں کہ مرزا صاحب کا یہ کلام الہام خداوندی کے بھی خلاف ہے حالانکہ آپ الہام ہی کی تائید میں لکھ رہے ہیں۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

قرآن مجید نے جن امور کا یقین دلایا ہے ان سب کے لیے کلمہ طیبہ بطور عنوان مقرر کیا ہے جس کے دو جز ہیں۔ پہلا جز لا الہ الا اللہ ہے دوسرا جز محمد رسول اللہ ہے۔ پہلے جز کے اثبات کے لیے ارشاد ہے:

وہو الذی مد الارض وجعل فیہا رواسی وانہاراً ومن کل الثمرات جعل فیہا زوجین اثنینن یغشی اللیل النہار۔ ان فی ذالک لآیات لقوم یتفکرون (پ۱۳، ع ۸)

یعنی زمین کے پھیلانے' پہاڑوں کے نصب کرنے' دریاؤں کے جاری کرنے اور مختلف قسم کے پھلوں کے پیدا کرنے میں فکر کرنے والوں کے لیے بہت سے نشانات ہیں۔

دوسرے جز کے اثبات کے لیے ارشاد ہے:

"قل انما اعظکم بواحدة ان تقومو لله مثنی وفرادی ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنة ان ھو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید ۔ (پارہ۲۲' رکوع ۱۲)

"یعنی اے منکرو! تم اکیلے اکیلے یا دو دو مل کر غور کرو کہ تمہارے ساتھی (پیغمبر) کو جنون نہیں ہے بلکہ وہ سخت عذاب سے ڈرانے والا ہے"۔

ان دونوں آیات میں فکر کرنے والوں کو خاص توجہ دلائی گئی ہے کہ اپنے فکر سے مسئلہ الوہیت اور رسالت کو سمجھیں' فکر اگر غیر مفید فعل ہوتا یعنی اس سے یقین کا درجہ حاصل نہ

ہوسکتا تو کلام اللہ میں اس کو علم کا ذریعہ نہ بتایا جاتا۔فکر کے معنی اہل منطق کے نزدیک یہ ہیں ترتیب امور معلومة لاثبات المطلوب ۔ پس معلوم ہوا کہ خود الہامی کتاب نے فکر کو ذریعہ ایمان بتایا ہے یعنی فکر ہی سے کلمہ اسلام کے دونوں جزو ثابت ہو سکتے ہیں۔مرزا صاحب نے جس امر (الہام) کی حمایت میں فکر اور قیاس کی تذلیل کی تھی اسی نے ان دونوں کو قوت دے کر تائید فرما دی۔

(مولانا فرماتے ہیں کہ) مرزا صاحب کا مافی الضمیر یہ ہے کہ فکر و قیاس بغیر تائید الہام کے یقین کے درجہ تک نہیں پہنچا سکتے۔آپ کا یہ دعویٰ بہت کمزور بلکہ منقوض ہے۔آپ نے خیال نہیں فرمایا کہ الہام کے مخاطب دو قسم کے اشخاص ہوتے ہیں ایک خود صاحب الہام یعنی جس پر الہام نازل ہوتا ہے اور دوسرے اس کے سننے والے۔ملہم (صاحب الہام) کے حق میں تو آپ ایسا کہہ سکتے ہیں لیکن سننے والے تو اپنی عقل و فکر ہی سے کام لے کر یقین کا درجہ پائیں گے ان کے فکر کی ترتیب یوں ہوگی کہ یہ ملہم ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ اس لیے اس نے الہام کا نام لیکر خدا پر افترا نہیں کیا۔چنانچہ شاہ نجاشی، حضرت ابوبکر اور عبداللہ بن سلامؓ سے اسی قسم کا فکر منقول ہے۔قرآن مجید کی آیہ کریمہ ثم تتفکروا میں (جو اوپر مذکور ہوئی ہے) اسی غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔لطف یہ ہے کہ خود بھی کتاب ''براہین احمدیہ'' کے صفحہ ۲۱۴ پر دلیل ''انی'' کو برہان قرار دیا ہے۔دلیل ''انی'' اس کو کہتے ہیں کہ اثر کے وجود سے مؤثر کا علم ہو جیسے روشن دان سے دھوپ دیکھ کر سورج کا علم حاصل کیا جائے۔ یہ دلیل یقینیات کی قسم سے ہے۔خود مرزا صاحب نے اپنی کتاب ''چشمہ معرفت'' کے صفحہ ۵۶ پر اس دلیل کا ذکر کیا ہے۔

مولانا کہتے ہیں کہ بقول مرزا صاحب الہامی کتاب وہی ہوتی ہے جو خود ہی اپنا دعویٰ بیان کرے اور خود ہی دلائل دے۔مرزا صاحب نے اس اصول کو اپنی مختلف تصانیف میں بڑی رنگ آمیزی سے بیان کیا ہے یہاں تک کہ ان کے اتباع ،مرزا صاحب کے علم کلام کا یہ طرۂ امتیاز بتاتے ہیں۔ہم کئی مرتبہ بتا چکے ہیں کہ اس اصول کے موجد علامہ ابن رشد اندلسی ہیں۔ان کی کتاب فلسفہ ابن رشد میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔خیر ہمیں اس سے مطلب نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصد مرزا صاحب کے استدلال پر گفتگو کرنا ہے۔علم کلام میں دلیل کے واسطے تقریب تام کا ہونا ضروری ہے اور تقریب تام کے معنی یہ ہیں کہ دلیل

کے تمام مقدمات صحیح ہونے کے علاوہ دلیل اپنے تمام افراد کو جامع ہو اور غیر افراد کو مانع ہو۔ اگر جامع نہ ہو تو ایسی دلیل پر جو اعتراض وارد ہو اس کو نقض اجمالی کہتے ہیں۔ مرزا صاحب کی اس دلیل پر نقض اجمالی صاف وارد ہوتا ہے کیونکہ آپ سابقہ الہامی کتب کو مانتے ہیں حالانکہ ان میں یہ وصف نہیں پایا جاتا۔ یہ بات مرزا صاحب کو بھی مسلم ہے چنانچہ آپ کتب سابقہ کو ناقص کہتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو براہین احمدیہ کا حاشیہ صفحہ ۱۰۹-۱۱۰) اس لیے آپ قرآن مجید ہی کو اس وصف سے موصوف مانتے ہیں۔ اس اصول کو قرآن مجید کی فضیلت یا خصوصیت میں بیان کرتے تو اچھا ہوتا یعنی یوں لکھتے ہیں کہ ، قرآن مجید میں یہ فضیلت یا خصوصیت ہے کہ وہ اپنے دعوے کی دلیل بھی بیان کرتا ہے اور دوسری الہامی کتب اس وصف سے خالی ہیں ،۔ تو ایسا کہنے سے نقض اجمالی وارد نہ ہوتا لیکن ''سلطان القلم'' کو کون سمجھاتا؟

براہین میں مرزا صاحب نے اس بات پر بھی زور دیا ہے یا یوں کہیے کہ بطور دلیل پیش کیا ہے کہ الہامی کتاب کا بے مثل ہونا بھی ضروری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو الہامی کتاب بے مثل نہ ہو یا بے مثل ہونے کی مدعی نہ ہو وہ حقیقتاً الہامی کتاب نہیں ہے یعنی بے مثل ہونا اس کی صداقت کی دلیل ہے۔ یہ دلیل بھی منقوض ہے کیونکہ قرآن مجید کے سوا کوئی الہامی کتاب بے مثل ہونے کی مدعی نہیں ہے پھر وہ الہامی کتاب کیسے ہو سکتے ہے؟ اس نقض اجمالی کا جواب مرزا صاحب نے کیوں نہیں دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نقض ان کے خیال میں نہیں آیا۔

(اور مولانا امرتسریؒ اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں) یہ دعویٰ اگر صاحب الہام کے لیے مخصوص ہے تو اعتراض نہیں۔ اگر آپ (مرزا) کی مراد عام ہے تو صاحب الہام ہو یا غیر ہو تو منقوض ہے کیونکہ تمام امت کو یہ درجہ حاصل نہیں ہے۔ اسی لیے قرآن مجید کی نص صریح میں ارشاد ہے: یظنون انہم ملاقو ربہم (پارہ ۱، رکوع ۵) یعنی خدا سے ملنے کا ظن غالب رکھتے ہیں۔ ظن راجح خیال کا نام ہے جس کا درجہ یقین سے کم ہوتا ہے اس پر بھی قرآن مجید نے نجات متفرع کی ہے۔

اس کے بعد مولانا کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے براہین کے صفحہ ۱۴۳ پر چند تمثیلیں لکھی ہیں جن کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ واقعات اور مسائل دقیقہ، فلسفیہ اور الہامیہ کو نہ جاننے

والا، جاننے والے کی طرح بیان کر دے تو ماننا پڑے گا کہ ایسے شخص کو امور غیبیہ پر اطلاع ملتی ہے۔ اس سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے باوجود ناخواندہ ہونے کے مسائل دقیقہ الہامیہ بتائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ پر خدا کی طرف سے الہام ہوتا تھا۔ اس مقام پر آپ نے ایک معترض کا سوال نقل کیا ہے جس کا الفاظ یہ ہیں:

''شاید کوئی معترض اس تمہید پر یہ اعتراض کرے کہ ان سہل اور آسان منقولات کا بیان کرنا جو مذہبی کتابوں میں مدون اور مرقوم ہیں بذریعہ سماعت بھی ممکن ہے جس میں لکھا پڑھا ہونا کچھ ضروری نہیں کیونکہ ناخواندہ آدمی کسی واقعہ کو کسی خواندہ آدمی سے سن کر بیان کرسکتا ہے۔ یہ کچھ مسائل دقیقہ علمیہ نہیں ہیں جن کا جاننا بغیر تعلم باقاعدہ کے محال ہو''۔

(براہین احمدیہ۔ص ۱۴۳)

مولانا کہتے ہیں کہ یہ اعتراض ایک ایسے شخص کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے جو قرآن مجید کے سوا کسی اور الہامی کتاب کو مانتا ہو اور ایسے شخص کی طرف سے بھی، جو خدا کو تو مانتا ہو مگر کسی کتاب کو الہامی نہ مانتا ہو۔ اسی طرح ایسے شخص کی طرف سے بھی وارد ہوسکتا ہے جو نہ خدا کو مانتا ہو اور نہ کسی الہامی کتاب کو، یعنی دھریہ۔ یہ ہے اعتراض کی وسعت اور مرزا صاحب نے جواب دیتے ہوئے معترض کو ایک خاص قسم میں محدود کر دیا ہے اس لیے جواب ناقص ہے۔ مرزا صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

''ایسے معترض سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تمہاری کتابوں میں کوئی ایسی باریک صداقتیں بھی ہیں یا نہیں جن کو بجز اعلیٰ درجہ کے عالم اور اجل فاضل کے ہر ایک شخص کا کام نہیں کہ دریافت کر سکے بلکہ انہیں لوگوں کے ذہن ان کی طرف سبقت کرنے والے ہیں جنہوں نے زمانہ دراز تک ان کتابوں کے مطالعہ میں خون جگر کھایا ہے اور مکاتب علمیہ میں کامل استادوں سے پڑھنا سیکھا ہے۔ پس اگر اس سوال کا یہ جواب دیں کہ ایسی اعلیٰ درجہ کی دقیق صداقتیں ہماری کتابوں میں موجود نہیں ہیں بلکہ ان میں تمام موٹی اور سرسری اور بے مغز باتیں بھری ہوئی ہیں جن کو عوام الناس بھی ادنیٰ التفات سے معلوم کر سکتے ہیں اور جن پر ایک کم فہم لڑکا بھی سرسری نظر مار کر ان کی تہہ تک پہنچ سکتا ہے اور جن کا جاننا کچھ فضیلت علمیہ میں داخل نہیں بلکہ غایت کار مثل ان کتابوں کے ہیں جن میں قصے کہانیاں لکھی جاتی ہیں یا جو محض اطفال اور عوام کے مطالعہ کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ تو افسوس ایسی گئی

گزری کتابوں پر...... لیکن اگر کسی قوم کی یہ رائے ہو کہ ان کی الہامی کتابوں میں باریک صداقتیں بھی ہیں جن پر احاطہ کرنا بجز ان اعلیٰ درجہ کے اہل علم کے جن کی عمریں انہیں میں تدبر کرتے کرتے فرسودہ ہوگئی ہیں اور جن میں ایسی صداقتیں بھی ہیں جن کی تہہ اور مغز تک وہی لوگ پہنچتے ہیں جو نہایت درجہ کے زیرک اور عمیق الفکر اور راسخ فی العلم ہیں تو اس جواب سے خود ہمارا مطلب ثابت ہے کیونکہ اگر ایک امی اور ناخواندہ آدمی ان حقائق دقیقہ کو ان کتابوں میں سے بیان کرے جن کو باقرار ان کے عوام اہل علم بھی بیان نہیں کر سکتے صرف خواص کا کام ہے تو بلا شبہ بیان اس امی کا ثبوت اس بات کے کہ وہ امی ہے امور غیبیہ میں داخل ہوگا اور یہی تمثیل سوم کا مطلب ہے۔''

(مولانا کہتے ہیں) دیکھ لیجئے کہ مرزا صاحب نے معترض کے وسیع اعتراض کو تنگ کر کے جواب دیا ہے۔ اور ان اشخاص سے مخصوص کر دیا ہے جو کسی کتاب کو الہامی مانتے ہوں۔

(براہین احمدیہ۔صفحہ ۱۴۳ تا ۱۴۵)۔ (ناقابل مصنف مرزا۔ طبع جون ۱۹۴۳ء)

قادیانی حضرات براہین احمدیہ کو اپنے نبی کو معرکہ آرا کتاب بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کتاب نے دشمنوں کے منہ بند کر دیئے تھے کیونکہ اس کتاب میں مرزا صاحب نے اسلام کی سچائی کے دلائل کے انبار لگا دیئے تھے اور اسی لیے بہت سے علماء کرام نے اس کتاب کی تعریف کی تھی۔ اس کتاب کی تعریف کرنے والے علماء میں مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم بھی شامل تھے جو بعد میں مرزا صاحب کے مخالف ہو گئے تھے۔ مرزا صاحب اور مرزائی ہمیشہ انہیں طعنے دیتے رہے کہ اب تم کس منہ سے مخالفت کرتے ہو کیونکہ تم نے تو اس کتاب کی تعریف کی ہوئی ہے۔ مولانا امرتسریؒ کے ساتھ بحث مباحثوں میں بھی مرزائی کہا کرتے تھے کہ تمہارے محمد حسین نے بھی ایک وقت میں اس کتاب کی تعریف کی تھی۔ بنابریں مولانا امرتسریؒ نے قادیانیوں کی اس دلیل کا بھی جواب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

''اگر کسی صاحب کو یہ وہم گزرے کہ تصنیفات مرزا خصوصاً ''براہین احمدیہ'' اگر واقعی معقولیت سے گری ہوئی ہیں تو اس زمانے کے علماء نے ان کی تعریف کیوں کی تھی؟ اس وہم کا دفعیہ یوں ہے کہ مرزا صاحب نے اس کتاب کے فوائد ایسے کچھ دلفریب بتائے تھے جن کو سن کر ہر ایک ہم درد اسلام گرویدہ ہوسکتا تھا جس کی مثال آجکل کی اشتہاری دوائیں ہیں کہ ایک ہی دوا کے ایسے فوائد بتائے جاتے ہیں کہ ضرورتمند کو گمان ہو جاتا

ہے کہ یہ دوا واقعی ہر ایک مرض کے لئے مفید ثابت ہوگی۔ ہم ناظرین کی اطلاع کے لیے وہ فوائد نقل کرتے ہیں۔ ناظرین ان فوائد کو دیکھ کر اپنے اندر جو اثر پائیں گے اس سے اندازہ لگا سکیں گے کہ اس زمانے کے نیک مسلمانوں پر اس تحریر کا کیا کچھ اثر ہوا ہوگا؟ وہ فوائد بالفاظ مرزا صاحب یہ ہیں''۔

. بالآخر بعد تحریر تمام مراتب ضروریہ کے اس بات کا واضح کرنا بھی اس مقدمہ میں قرین مصلحت ہے جو کن کن قسموں کے فوائد پر یہ کتاب مشتمل ہے تا وہ لوگ جو حقانی صداقتوں کے جان لینے پر جان دیتے ہیں اپنے روحانی محبوب کی خوشخبری پائیں اور تا ان پر جو راستی کے بھوکے اور پیاسے ہیں اپنی دلی مراد کا راستہ ظاہر ہو جائے' سو وہ فوائد چھ قسم کے ہیں جو بہ تفصیل ذیل ہیں۔

اول اس کتاب میں یہ فائدہ ہے کہ یہ کتاب مہمات دینیہ کے تحریر کرنے میں ناقص البیان نہیں بلکہ وہ تمام صداقتیں کہ جن پر اصول علم دین کے مشتمل ہیں اور وہ تمام حقائق عالیہ کہ جن کی ہیئت اجتماعی کا نام اسلام ہے وہ سب اس میں مکتوب اور مرقوم ہیں اور یہ ایسا فائدہ ہے کہ جس سے پڑھنے والوں کو ضروریات دین پر احاطہ ہو جائے گا اور کسی مغوی کے پیچ میں نہیں آئیں گے بلکہ دوسروں کو وعظ اور نصیحت اور ہدایت کرنے کے لیے ایک کامل استاد اور ایک عیار رہبر بن جائیں گے۔

دوسرا یہ فائدہ کہ یہ کتاب تین سو محکم اور قوی دلائل حقیقت اسلام اور اصول اسلام پر مشتمل ہے کہ جن کے دیکھنے سے صداقت اس دین متین کی ہر یک طالب حق پر ظاہر ہوگی بجز اس شخص کے کہ بالکل باندھا اور تعصب کی سخت تاریکی میں مبتلا ہو۔

تیسرا یہ فائدہ کہ جتنے ہمارے مخالف ہیں یہودی' عیسائی' مجوسی' آریہ' برہمو' بت پرست' دہریہ' طبعیہ' اباحتی' لامذہب کے شبہات اور وساوس کا اس میں جواب ہے اور جواب بھی ایسا کہ دروغ گو کو اس کے گھر تک پہنچایا گیا ہے اور پھر رفع اعتراض پر کفایت نہیں کی گئی بلکہ یہ ثابت کر کے دکھلایا گیا ہے کہ جس امر کو مخالف ناقص الفہم نے جائے اعتراض سمجھا ہے وہ حقیقت میں ایک ایسا امر ہے کہ جس سے تعلیم قرآنی کی دوسری کتابوں پر فضیلت اور ترجیح ثابت ہوتی ہے نہ کہ جائے اعتراض۔ اور پھر وہ فضیلت بھی ایسے دلائل واضحہ سے ثابت کی گئی ہے کہ جس سے معترض خود معترض الیہ (اصل میں اسی طرح

ہے۔ ناقل) ٹھہر گیا ہے۔

چوتھا یہ فائدہ ہے جو اس میں بمقابلہ اصول اسلام کے مخالفین کے اصول پر بھی کمال تحقیق اور تدقیق سے عقلی طور پر بحث کی گئی ہے اور تمام وہ اصول اور عقائد ان کے جو صداقت سے خارج ہیں بمقابلہ اصول حقہ قرآنی کے ان کی حقیقت باطلہ کو دکھلایا گیا ہے کیونکہ قدر ہر ایک جوہر بیش قیمت کا مقابلہ سے ہی معلوم ہوتا ہے۔

پانچواں اس کتاب میں یہ فائدہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے حقائق اور معارف کلام ربانی کے معلوم ہو جائیں گے اور حکمت اور معرفت اس کتاب مقدس کی کہ جس کے نور روح افروز سے اسلام کی روشنی بھی سب پر منکشف ہو جائے گی کیونکہ تمام وہ دلائل اور براہین جو اس میں لکھی گئی ہیں اور تمام کامل صداقتیں جو اس میں دکھائی گئی ہیں وہ سب آیات بینات قرآن شریف سے ہی لی گئی ہیں اور ہر ایک دلیل عقلی وہی پیش کی گئی ہے جو خدا نے اپنی کلام میں آپ پیش کی ہے اور اسی التزام کے باعث سے تقریباً باراں (اصل میں اسی طرح مرقوم ہے۔ ناقل) سیپارہ قرآن شریف کے اس کتاب میں اندراج پائے ہیں۔ پس حقیقت میں یہ کتاب قرآن شریف کے دقائق اور حقائق اور اس کے اسرار عالیہ اور اس کے علوم حکمیہ اور اس کے اعلیٰ فلسفہ کو ظاہر کرنے کے لیے ایک عالی بیان تفسیر ہے کہ جس کے مطالعہ سے ہر ایک صادق اپنے مولیٰ کریم کی بے مثل و مانند کتاب کا عالی مرتبہ مثل آفتاب عالمتاب کے روشن ہوگا۔

چھٹا فائدہ یہ ہے کہ اس کتاب کے مباحث کو نہایت متانت اور عمدگی سے قوانین استدلال کے مذاق پر مگر بہت آسان طور پر کمال خوبی اور موزونیت اور لطافت سے بیان کیا گیا ہے اور یہ ایک ایسا طریقہ ہے جو ترقی علوم اور پختگی فکر اور نظر کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہوگا کیونکہ دلائل صحیحہ کے توغل اور استعمال سے قوت ذہنی بڑھتی ہے اور ادراک اور امور دقیقہ میں طاقت مدرکہ تیز ہو جاتی ہے اور بباعث ورزش براہین حقہ کے عقل سچائی پر ثبات اور قیام پکڑتی ہے اور ہر ایک امر متنازعہ کی اصلیت اور حقیقت دریافت کرنے کے لیے ایک ایسی کامل استعداد اور بزرگ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جو کہ تکمیل قوائے نظریہ کا موجب اور نفس ناطقہ انسان کے لیے ایک منزل اقصیٰ کا کمال ہے کہ جس پر تمام سعادت اور شرف نفس کا موقوف ہے۔ (براہین۔ صفحہ ۱۳۵ تا ۱۳۸)

مولانا امرتسریؒ کہتے ہیں کہ یہ ہیں وہ فوائد جو ایک مومن مسلمان کو اس کتاب کی طرف مائل کرنے کے لیے کافی سے زیادہ ہیں۔ اسی لیے اس زمانہ کے مسلمانوں نے عموماً اور بعض علماء نے خصوصاً اس کتاب کی تعریف کی اور اس کی اشاعت میں مرزا صاحب کی مدد کی۔ لیکن غور طلب سوال یہ ہے کہ کیا یہ فوائد حاصل ہوئے بھی؟ اس کا صحیح جواب یہی ہے کہ جبکہ موعودہ کتاب ہی وجود میں نہیں آئی تو اس کے فوائد کیسے حاصل ہو سکتے۔ رہی یہ بات کہ کتاب کیسے وجود میں نہیں آئی، حالانکہ براہین احمدیہ کے نام سے یہ کتاب فروخت ہو رہی ہے۔ اس کا جواب بالا جمال یہ ہے کہ ان تین سو براہین حقہ میں سے ایک برہان بھی شائع نہیں ہوئی جس پر یہ کہنا بالکل بجا ہے۔

ہزاروں وعدوں میں گر ایک ہی وفا کرتے
قسم خدا کی نہ ہم ان کو بے وفا کہتے

مولانا کہتے ہیں کہ دوسرا وہم یہ کیا جاتا ہے کہ مخالفوں نے اس (براہین احمدیہ) کا جواب دے کر دس ہزار روپیہ انعام وصول کیوں نہیں کیا۔ جس کا اشتہار مرزا صاحب نے دے رکھا تھا۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جس حالت میں دلائل ظہور پذیر ہی نہیں ہوئے تو جواب کس چیز کا ہوتا؟ آج تک مخالفوں کی طرف سے یہ معقول مطالبہ کیا جاتا رہا کہ وہ دلائل پیش کرو تو ہم غور کریں گے۔

ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ مرزا صاحب مطبوعہ براہین احمدیہ میں لکھا ہے کہ براہین احمدیہ جس میں تین سو دلائل حقیت قرآن اور صداقت نبوت محمدیہؐ دیئے گئے ہیں ہم مکمل طور پر تصنیف کر چکے ہیں (صفحہ ۹۳، ۹۹، ۱۳۶، براہین احمدیہ ملاحظہ ہوں)۔ اب حقیقت واقعہ سنیئے۔ آپ (مرزا صاحب) کتاب ہذا کے صفحہ ۵۱۲ پر لکھتے ہیں۔

ان براہین کے بیان میں جو قرآن شریف کی حقیقت اور افضلیت پر بیرونی شہادتیں ہیں۔

اس کے بعد چند آیات مع ترجمہ لکھ کر صفحہ ۵۶۲ پر کتاب کا خاتمہ ایسے ناپسندیدہ طریق پر کیا ہے جس پر کوئی قابل مصنف تو کیا معمولی مصنف بھی نہیں کر سکتا۔ مثلاً آپ لکھتے ہیں کہ سوئی بغیر دھاگہ کے ناکارہ ہے اور کوئی کام سینے کا اس سے انجام پذیر نہیں ہو سکتا۔ اس طرح عقلی فلسفہ بغیر تائید خدا کی کلام کے متزلزل اور غیر مستحکم اور بے شہادت اور بے بنیاد ہے۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

حسب دستور یہ بھی نہیں لکھا کہ باقی مضمون آئندہ جلدوں میں شائع ہوگا۔ یہاں تک کہ اخیر میں ''باقی دارد'' بھی نہیں لکھا۔ اس کے تئیس سال کے بعد براہین کی پانچویں جلد شائع ہوئی۔ اس کو صرف اپنی مسیحائی کے ذکر سے پر کر دیا۔ چوتھی جلد کی انتہا کا کوئی ربط پانچویں جلد کی ابتدا کے ساتھ نہیں دکھایا۔ اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے ایک بے نظیر کتاب (براہین احمدیہ) شائع کر کے اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے جس پر بے ساختہ ہمارے منہ سے نکلتا ہے:

اللہ رے ایسے حسن پہ یہ بے نیازیاں
بندہ نواز آپ کسی کے خدا نہیں

ہم خلیفہ قادیان اور امیر جماعت لاہور سے کہتے ہیں آپ دونوں صاحب گو چند مسائل میں باہم مختلف ہیں اسی لیے آئے دن ایک دوسرے کو مباحثہ کا چیلنج دیتے رہتے ہیں مگر اس امر پر متفق ہیں کہ مرزا صاحب کی تصنیفات خواص اور عوام کو مفید ہے۔ اسی لیے قادیانی اور لاہوری دونوں جماعتیں مرزا صاحب کی کتب کو مکرر ، سہ کرر چھپوا کر شائع کر رہی ہیں۔ آپ لوگوں کے اسی فعل پر ہماری درخواست متفرع ہے کہ وہ ''براہین احمدیہ'' جس کا مسودہ مرزا صاحب تیار کر چکے تھے اور جس کا ذکر مرزا صاحب نے اس کتاب کے صفحہ ۹۳ وغیرہ پر کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ جس کی عدم اشاعت کا اعتراف اور آئندہ اشاعت کا مژدہ مرزا صاحب نے ''آئینہ کمالات'' کے صفحہ ۳۰۶ پر دیا ہوا ہے۔ سب کام چھوڑ کر سب سے پہلے اس کتاب کے مسودہ کو شائع کر دیں تاکہ اسلام کی خدمت مکمل ہو جائے جس کے لیے مرزا صاحب مبعوث ہوئے تھے اور آپ نے اس کتاب کی تعریف کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اعلان کیا تھا کہ اس کتاب میں دھوم دھام سے حقانیت اسلام کا ثبوت دکھلایا گیا ہے کہ جس سے ہمیشہ کہ مجادلات کا خاتمہ فتح عظیم کے ساتھ ہو جائے گا . ۔(اشتہار عرض ضروری ملحقہ براہین) اگر آپ لوگوں نے یہ اسلامی خدمت انجام نہ دی اور ہمارا یقین ہے کہ نہیں دیں گے۔ تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ مرزا صاحب کا یہ بیان متعلقہ تکمیل مسودہ کتاب حقیقت نہیں ، بلکہ شاعرانہ تخیل تھا۔

(ناقابل مصنف مرزا۔طبع جون ۱۹۴۳ء امرتسر)

مولانا امرتسریؒ نے اپنی کتاب ''تعلیمات مرزا'' میں بھی ''براہین احمدیہ'' کو موضوع سخن بنایا ہے جہاں آپ لکھتے ہیں کہ

براہین میں مرزا صاحب کو مسیح علیہ السلام کے آنے کا اقرار ہے جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے۔ ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ۔ یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں پیش گوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح علیہ السلام کے ذریعہ سے ظہور میں آئے گا اور جب مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔ (براہین جلد۴' صفحہ ۴۹۹-۴۹۸)

براہین کی اس عبارت کے برخلاف مرزا صاحب نے اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' کے صفحہ ۶۱۴ پر لکھا ہے ''پس دنیا میں مسیح ابن مریم ہرگز نہیں آئے گا'' پھر انہوں نے اسی کتاب میں کہا ہے کہ میں خود مسیح موعود بن کر آ گیا ہوں۔ مرزا صاحب کی اس تضاد بیانی پر ہونے والے اعتراض کے جواب میں مرزائی لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح قرآن میں نسخ ہے اسی طرح اقوال مرزا میں بھی نسخ ہوسکتا ہے۔ (تجلیات رحمانیہ از اللہ دتہ) لیکن یہ جواب درست نہیں ہے کیونکہ اہل علم جانتے ہیں کہ نسخ احکام یا مناہی میں ہوتا ہے۔ خبریہ جملوں میں نسخ نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی شخص کہے کہ کل بارش ہوئی تھی۔ پھر کہے، کل بارش نہیں ہوئی تھی۔ یہ دو جملے خبریہ ہیں اور ان کے اختلاف کا جواب، نسخ سے نہیں دیا جا سکتا ، بلکہ ماننا پڑے گا کہ دو کلاموں میں سے ایک جھوٹ ہے۔

(اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ) مرزائی یہ بھی کہتے ہیں کہ براہین احمدیہ میں مرزا نے (مسیح کے بارے میں) رسمی عقیدہ لکھ دیا تھا۔ اس کے بعد کی کتابوں میں جو لکھا ہے تحقیقی لکھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مرزا صاحب زمانہ تالیف براہین میں بھی مجدد ہونے کے مدعی تھے اور اسی تجدید میں انہوں نے براہین لکھی۔ اور جناب مسیح کے متعلق انہوں نے براہین میں جو لکھا وہ آیت مرقومہ سے استدلال کر کے لکھا نہ کہ رسمی اور شنیدی۔ بلکہ تحقیقی اور تنقیدی علی وجہ البصیرت لکھا۔ چنانچہ براہین کے آخیر میں لکھتے ہیں یہ کتاب خود خدا مجھ سے لکھاتا ہے اور یہ بھی مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ میں اس قدر خدا کی

حفاظت میں ہوں کہ

''میں خاص طور پر خدا تعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشا پردازی کے وقت بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں کیونکہ جب میں عربی یا اردو میں کوئی عبارت لکھتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کوئی اندر سے مجھے تعلیم دے رہا ہے''۔ (نزول المسیح، صفحہ ۵۶)

اس سے معلوم ہوا کہ ''براہین احمدیہ'' کی عبارت اسی اندر کی تعلیم کا نتیجہ ہے نہ کہ رسمی عقیدہ۔ اور پھر مرزا صاحب ایک دوسری جگہ کہتے ہیں:

''اس عاجز کو اپنے ذاتی تجربہ سے یہ معلوم ہے کہ روح القدس کی قدسیت ہر وقت اور ہر دم اور ہر لحظہ بلافصل ملہم کے تمام قویٰ میں کام کرتی رہتی ہے اور انوار دائمی اور استعانت دائمی اور عصمت دائمی کا یہی سبب ہوتا ہے کہ روح القدس ہمیشہ اور ہر وقت ان کے ساتھ ہوتا ہے''۔ (دافع الوساوس، صفحہ ۳۹۴)

یعنی مرزا صاحب نے جو کچھ، جہاں کہیں لکھا ہے، وہ اپنے الہام کنندہ کی براہِ راست نگرانی میں اور زیر ہدایت لکھا ہے اور جو الہام کنندہ ان کے قلم سے متضاد باتیں لکھواتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات قطعاً نہیں ہوسکتی کہ اللہ کے کلام میں تضاد نہیں ہوسکتا،۔

(تعلیمات مرزا مصنفہ مولانا امرتسری)

براہین احمدیہ کے متعلق قادیانی بڑے بلند بانگ دعوے کرتے رہے ہیں جب کہ مولانا امرتسریؒ انہیں بتاتے رہے ہیں کہ کتاب کا نام ہی غلط ہے۔ ایسی کتاب جس میں ایک بھی مکمل برہان نہ ہو اسے براہین کیسے کہا جا سکتا ہے؟ چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے لکھا۔

مرزا صاحب کی مایہ ناز تصنیف ''براہین احمدیہ'' ہے جس میں اسلام کی حقانیت پر تین سو دلائل پیش کرنے کا وعدہ کیا گیا اور اسی وعدے پر مسلمانوں سے زر کثیر بطور چندہ لیا گیا۔....کیا کوئی مرزائی ہمارے سامنے یا غائبانہ بتا سکتا ہے کہ ان چار جلدوں میں حقانیت اسلام کے تین سو دلائل میں سے کتنی دلیلیں پیش کی گئی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ سوائے الہاموں کے باقی سب اللہ اللہ خیر سلا۔ (اس کتاب کے چار حصے شائع کرنے کے بعد جب مرزا صاحب) اس بارے میں سالہا سال خاموش رہے تو مخالفوں کو طرف سے اعتراضات کی بھرمار ہوئی کہ براہین احمدیہ کو مکمل کیوں نہیں کرتے؟ تو آپ نے اس کی پانچویں جلد لکھی۔ اس آخری جلد میں بھی ان دلائل موعودہ میں سے ایک دلیل بھی پیش

نہیں کی۔اس امر کے تصفیہ کے لیے ہم مجلس مکالمہ کرنے کو تیار ہیں۔ یہ مجلس امرتسر میں ہو یا لاہور میں۔ جس میں کالجوں کے پروفیسر صاحبان اور ایسے ہی دیگر اہل علم حضرات جمع ہوں۔ ہم براہین احمدیہ کی ساری جلدیں میز پر رکھ دیں گے۔ جماعت احمدیہ کا کوئی نمائندہ مرزا صاحب کے موعودہ تین سو دلائل کا پتہ ہمیں بتائے۔

براہین احمدیہ کی پہلی چار جلدوں اور پانچویں جلد میں بہت نمایاں فرق ہے۔ پہلی چار جلدوں میں آپ (مرزا) نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو امت محمدیہ کے لیے مسیح موعود تسلیم کیا ہے اور ان کی دوبارہ تشریف آوری کو مان کر ان کی خدمات کے سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس زمانے میں اسلام، تمام دنیا کے اطراف واکناف میں پھیل جائے گا۔ مگر پانچویں جلد میں آپ خود ہی مسیح موعود کے عہدے کے انچارج بن بیٹھے۔ پانچویں جلد ساری پڑھ جایئے سوائے اپنی مسیحیت موعودہ کے اس میں کچھ بھی نہیں ملے گا...... کس قدر مقام تاسف ہے اور کتنا محل تعجب ہے کہ ''براہین احمدیہ'' کے حصہ اول (پہلی چار جلدوں) اور حصہ دوم (پانچویں جلد) کو ملا کر پڑھنے سے مرزا صاحب کی مذہبی زندگی کا نشیب و فروز بہت اچھی طرح معلوم ہوسکتا ہے۔ ''براہین احمدیہ'' حصہ اول میں آپ خدا سے الہام پانے کے مدعی بنتے ہیں مگر پھر بھی سادگی نظر آتی ہے لیکن دوسرے حصہ میں پہنچ کر آپ ایسے ہوشیار نظر آتے ہیں گویا یہ مصرع آپ پر خوب صادق آتا ہے:

جھوٹ کو سچ کر دکھا نا کوئی ان سے سیکھ جائے

خدا کی گرفت مختلف شکلوں میں ہوتی ہے اور ہر صاحب فن کیلئے اسی فن کی حیثیت سے ہوا کرتی ہے۔ جنگی آدمی کے لیے جنگی حیثیت سے غلطی کر کے مبتلائے تکلیف ہونا بھی ایک قسم کی خدائی گرفت ہے۔ ابوجہل جیسے آدمی کا میدان جنگ میں گر کر مر جانا بھی اس کے لیے خدائی گرفت تھی۔ رچرڈ شیر دل کا سلطان صلاح الدین سے مقابلہ کر کے ناکام واپس آنا بھی اس کے لیے خدائی گرفت تھی۔ کسی مدعی الہام کا اپنے الہام کی زد میں آجانا بھی اس کے لیے خدائی گرفت ہوتی ہے۔ کسی متکبر مصنف کا اپنی تصنیف میں کوئی فاش غلطی کر جانا بھی اس کے لیے ایک قسم کی کبر شکن گرفت ہوتی ہے۔

''براہین احمدیہ'' میں مرزا صاحب ہم کو مصنف اور ملہم دونوں حیثیتوں کے مدعی نظر آتے ہیں۔ ہم نہایت راستی سے کہتے ہیں کہ ہم ان دونوں حیثیتوں میں مرزا صاحب کو گرفتار

عذاب پاتے ہیں۔ مجموعہ حصہ اول (براہین کی پہلی چار جلدوں) میں حضرت مسیح کی حیات اور دنیا میں آپ کی دوبارہ تشریف آوری کا اظہار کر چکے ہیں جسے اپنی عمر کے آخری حصے میں بدترین قسم کا شرک قرار دیتے ہیں۔ بحیثیت ملہم کے ان پر جو عذاب الٰہی آیا وہ یہ ہے کہ براہین کی پانچویں جلد میں مرزا صاحب نے اپنی الہامی عمر ۷۵ سے ۸۵ سال بتائی ہے یعنی آپ کی وفات ،عمر کے ۷۵ اور ۸۵ سال کے درمیان ہوگی حالانکہ آپ کی عمر خود اپنے بیان اور حکیم نور دین خلیفہ اول قادیان کی تصدیق سے ۱۹۰۸ء میں ۶۹ سال تھی جبکہ آپ نے اس دنیا سے انتقال کیا۔ ہمارا یہ مجمل سا تبصرہ صرف مرزا صاحب کی تصنیف ''براہین احمدیہ'' سے متعلق ہے' ہم اپنی زندگی میں مرزا صاحب اور ان کے اتباع سے مختلف طریقوں سے مقابلہ کر چکے ہیں تاہم مقابلے کی ایک صورت ابھی باقی ہے، اس کے لیے ہم تیار ہیں۔ وہ یہ کہ خاص اہل علم (علمائے عربی وانگریزی) کی ایک مجلس منعقد کی جائے۔ اس مجلس میں ہم مرزا صاحب کی تصنیفات پر تنقید کریں اور فریق ثانی ہماری تنقید کا جواب دے لیکن دونوں فریق اپنے دلائل کو تصانیف مرزا تک محدود رکھیں۔ اس گفتگو کا فیصلہ مجلس کی اکثریت کرے یا چند منتخب حضرات کی رائے سے ہو۔ فیصلہ کی دونوں صورتیں ہمیں منظور ہیں۔ (اہل حدیث ۵' جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۴-۵)

ایک بار مولانا امرتسریؒ نے لکھا:

اہل حدیث مورخہ ۵ جنوری ۱۹۴۰ء میں مرزا صاحب کی کتاب ''براہین احمدیہ'' کے متعلق ایک نوٹ لکھا گیا تھا جس میں ہم نے مرزا صاحب کی اس مایہ ناز تصنیف پر ریویو کیا تھا اور پوچھا تھا کہ مرزا صاحب نے اس کتاب میں صداقت اسلام پر جو تین سو دلائل لکھنے کا وعدہ کیا تھا وہ دلائل یا ان میں سے کوئی ایک دلیل کس صفحہ پر ہے؟ ہم نے یہ بھی لکھا تھا امرتسر یا لاہور میں ایک مجلس منعقد ہو جس میں یہ دلائل دکھائے جائیں۔ ہماری طرف سے صرف یہ سوال ہوگا کہ براہین کے اس صفحہ کا حوالہ بتایا جائے جہاں مرزا صاحب نے دلائل موعودہ کل یا کم سے کم ایک ہی دلیل لکھی ہو۔ کیسا صاف اور فیصلہ کن سوال ہے مگر قادیان سے جواب کی امید!!! ایں خیال است ومحال است وجنوں چنانچہ وہی ہوا کہ جواب میں ہمیں کوسا گیا' جب کوستے کوستے تھک گئے تو ہماری عربی تفسیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھ دیا کہ تم کیونکر بول سکتے ہو خود تمہاری عربی تفسیر کے خلاف فتویٰ لگا ہوا ہے۔ یہ

تو وہی مثال ہوئی جو کسی مولوی صاحب نے ایک بے نماز کو کہا تھا کہ میاں نماز پڑھا کر تو اس نے بڑی متانت سے جواب دیا کہ آپ نے اپنے بیٹے کی شادی کے موقع پر کھانے میں نمک بہت زیادہ ڈالا تھا۔ مولوی صاحب نے کہا میرے سوال سے اس کا کیا تعلق؟ ہوشیار طالب علم نے کہا کہ تعلق ہو یا نہ ہو۔ یونہی بات سے بات نکل آتی ہے۔ اچھا بھائی، ہماری تفسیر بھی غلط سہی۔ تو ہم اور مرزا صاحب دونوں برابر ہوئے۔ پس نہ ہم مسیح موعود ہیں اور نہ مرزا صاحب، قصہ ختم۔ (اہل حدیث ۸ مارچ ۱۹۴۰ء صفحہ ۵-۶)

قادیانیوں کے پاس لے دے کے ایک ہی بات تھی کہ مولوی محمد حسینؒ نے براہین پر موافقانہ ریویو لکھا تھا۔ مولانا امرتسریؒ، مرزائیوں کی اس بات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مرزا صاحب کی مایہ ناز کتاب ''براہین احمدیہ'' ہے اس میں مرزا صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں اسلام کی صداقت پر تین سو دلائل لکھوں گا، ہم نے اس کی بابت اتباع مرزا سے بارہا یہ مختصر سوال پوچھا کہ وہ لوگ کوئی ایک دلیل ہی ہم کو دکھائیں کہ کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں ختم ہوئی؟ خدا جانے یہ سوال کتنا وزنی ہے کہ نہ قادیان سے اس کا جواب آتا ہے نہ لاہور سے۔ اخبار الفضل ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء میں ایک طویل مضمون ہمارے جواب میں نکلا ہے۔ اس میں بھی ہمارے اصل سوال کا جواب دینے کی بجائے محض ادعا پر ادعا کیا گیا ہے مثلاً کہا گیا ہے کہ آج سے نصف صدی پہلے ہزاروں نہیں لاکھوں مسلمان اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر چکے تھے۔ اس زمانہ میں یہ مرد خدا (مرزا صاحب) کھڑے ہوئے اور دین اسلام کی حفاظت میں یہ کتاب لکھی۔ کوئی ثبوت پوچھے، تو کچھ نہیں بتا سکتے۔ ہم سے پوچھو تو ہم بتاتے ہیں کہ خود مرزا صاحب نے ہندوستان میں عیسائیوں کی کل تعداد پانچ لاکھ بتائی ہے مگر آپ نے یہ تفصیل نہیں بتائی کہ ان پانچ لاکھ عیسائیوں میں ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، بھنگیوں اور دوسری پست قوموں میں سے کتنے کتنے افراد آئے تھے۔ مضمون نگار صاحب اگر اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اس کا ثبوت پیش کریں کہ . مرزا صاحب سے پہلے مسلمان لاکھوں کی تعداد میں عیسائی ہو چکے تھے . ۔ ہم تو مرزا صاحب کے اس دعوے کو بھی محض ادعا سمجھتے ہیں۔ آخر لے دے کے ہمارے جواب میں مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کا نام پیش کیا جاتا کہ انہوں نے ''براہین احمدیہ'' کی تعریف کی ہوئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا ممدوح

محدث تھے اور محدثین کا اصول ہے کہ راوی اپنی جس روایت کی تکذیب کر دے وہ روایت حجت نہیں رہتی۔ مولانا موصوف اپنی آخری عمر میں مرزا صاحب کی کل باتوں کی تردید کرتے رہے۔ چنانچہ ایک دفعہ ہم نے ان سے پوچھا تھا کہ آپ نے ''براہین احمدیہ'' پر تحسین آمیز الفاظ میں تبصرہ (ریویو) کیا تھا اس کی وجہ کیا تھی؟ جواباً فرمایا کہ محض امکان تصور پر ، ۔اس کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ قادیانی اہل علم ہمارے سوال کا جواب مولانا بٹالوی کے ریویو ہی میں بتا دیں کہ مرزا صاحب کی تین سو دلائل حقہ میں سے کتنی دلیلیں براہین میں مرقوم ہیں اور وہ کس صفحہ سے شروع ہو کر کس صفحہ پر ختم ہوتی ہیں؟۔

(اہل حدیث امرتسر ۱۲۔ اپریل ۱۹۴۰ء، صفحہ ۴-۵)

مولانا امرتسریؒ براہین کے مضامین پر ایک اور تبصرے میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿هو الذى ارسل رسوله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله﴾ ۔خدا نے اپنا رسول ہدائت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو سارے مذاہب پر غالب کرے۔ اس آئت کی تفسیر میں مرزا صاحب براہین احمدیہ میں لکھتے ہیں

. یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں پیش گوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔ (براہین احمدیہ ،صفحہ ۴۹۹-۴۹۸)

اس جگہ جناب موصوف نے مسیح موعود کیلئے آیت موصوفہ سے یہ بات بتائی کہ وہ باسیاست یعنی ظاہری حکومت کے ساتھ آئیں گے مگر جب آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ خود کیا تو باوجود سیاست اور حکومت حاصل نہ ہونے کے آپ نے اس آیت پر قبضہ رکھا اور اپنے ہی حق میں اس کو چسپاں کیا۔ وہ بیان ایسا لطیف ہے کہ ہم ناظرین سے اس کو بغور پڑھنے کے لیے سفارش کرتے ہیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں:

''چونکہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زمانہ قیامت تک ممتد ہے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اس لیے خدا نے یہ نہ چاہا کہ وحدت اقوامی آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں کمال تک پہنچ جائے کیونکہ یہ صورت آپ کے زمانہ کے خاتمہ پر دلالت کرتی تھی۔ یعنی شبہ گزرتا

کہ آپ کا زمانہ ختم ہو گیا' کیونکہ جو آخری کام آپ کا تھا وہ اسی زمانہ میں انجام تک پہنچ گیا اس لیے خدا نے اس تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم کی طرح کی بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں۔ زمانہ محمدی کے آخری حصہ میں ڈال دی جو قرب قیامت کا زمانہ ہے اور اس تکمیل کے لیے اسی امت میں سے ایک نائب مقرر کیا جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے اور اسی کا نام خاتم الخلفاء ہے۔ پس زمانہ محمدی کے سر پر آنحضرت ﷺ ہیں اور اس کے آخر میں مسیح موعود ہے اور ضرور تھا کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو جب تک وہ پیدا نہ ہو لے کیونکہ وحدت اقوامی کی خدمت اسی نائب النبوت کے عہد سے وابستہ کی گئی ہے اور اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے: ﴿هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دين الحق ليظهره على الدين كله﴾ یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ایک کامل ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو ہر ایک قسم کے دین پر غالب کر دے یعنی ایک عالمگیر غلبہ اس کو عطا کرے اور چونکہ عالمگیر غلبہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ظہور میں نہیں آیا اور ممکن نہیں کہ خدا کی پیش گوئی میں کچھ تخلف ہو اس لیے آیت کی نسبت ان سب متقدمین کا اتفاق ہے جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں کہ یہ عالمگیر غلبہ مسیح موعود کے وقت میں ظہور میں آئے گا''۔ (چشمہ معرفت۔ صفحہ ۸۳-۸۲)

اس عبارت کی تشریح یہ ہے کہ بقول مرزا صاحب زمانہ محمدی کی ابتدا رسالت محمدیہ علی صاحبها الصلوة والتحية سے ہوئی پھر وہی زمانہ ممتد ہو کر مسیح موعود کے زمانہ تک ایک ہی رہا۔ اس زمانے کے ایک سرے پر آنحضرت ﷺ ہیں تو دوسرے سرے پر مسیح موعود (مرزا صاحب) ہیں۔ زمانہ محمدی سے اشاعت اسلام شروع ہو کر زمانہ مسیح موعود میں تکمیل کو پہنچ جائے گی۔ یعنی دنیا کی کل قومیں مسلمان ہو کر ایک واحد اسلامی قوم (مسلمان) بن جائے گی۔ چونکہ یہ سب کام مسیح موعود کی معرفت ہو گا اس لیے آیت ﴿هو الذی ارسل﴾ مسیح موعود کے حق میں چسپاں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا مسیح موعود (مرزا صاحب) کے زمانے میں یہ نتیجہ پیدا ہو گیا؟ بترتیب غور کرنے کے لیے ہم مسیح موعود کے گھر سے چلتے ہیں۔

☆ کیا قادیان کے کل ہندو مسلمان ہو گئے؟

☆ کیا قادیان کے ضلع گورداسپور کے کل غیر مسلم اسلام میں آ گئے؟

☆ کیا پنجاب کے کل منکرین اسلام قائل اسلام بن گئے؟

☆ کیا ہندوستان میں اسلامی وحدت پیدا ہوگئی؟

☆ کیا انگلستان، فرانس، جرمنی وغیرہ ممالک یورپ اسلام قبول کر گئے؟

☆ کیا افریقہ اور امریکہ کے سب لوگ مسلمان ہو گئے؟

اگر سب سوالوں کا جواب ہاں میں ہے تو ہمارا یقین ہونا چاہیے کہ حضرت مرزا صاحب مسیح موعود ہیں اور اگر ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو احمدی دوستو غور کر کے بتاؤ مرزا صاحب کون ہیں؟ ہمیں افسوس ہے کہ مرزا صاحب اپنے اس فرض کی ادائیگی میں بہت قاصر رہے اور بغیر ادا کیے فرض (اشاعت اسلام) کے لیے جلدی چلد دیئے۔

(شہادات مرزا، اکتوبر ۱۹۲۳ء طبع اول)

مرزا صاحب نے براہین میں اپنے آپ کو نوح علیہ السلام کا نام بھی دیا ہے اور مولانا امرتسریؒ نے ان کے اس دعویٰ پر بھی بڑا لطیف تبصرہ فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

''مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ ''براہین احمدیہ'' میں خدا تعالیٰ نے میرا نام نوح بھی رکھا ہے اور میری نسبت فرمایا ہے ﴿ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انہم مغرقون﴾ یعنی میری آنکھوں کے سامنے کشتی بنا اور ظالموں کی شکایت کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کر کہ میں ان کو غرق کروں گا''۔ (براہین احمدیہ، حصہ پنجم، صفحہ ۸۶)

اور ایک دوسری کتاب میں مرزا صاحب نے لکھا ہے:

''مجھے بارہا خدا تعالیٰ مخاطب کر کے فرما چکا ہے کہ جب تو دعا کرے میں تیری دعا سنوں گا، سو میں نوح نبی کی طرح ہاتھ پھیلاتا ہوں اور کہتا ہوں، رب انی مغلوب (قرآن مجید میں اس جگہ ''رب'' لفظ نہیں ہے۔ مرزا صاحب کی ایجاد ہے)۔

(ضمیمہ تریاق القلوب نمبر ۵، صفحہ ۴)

مولانا امرتسریؒ لکھتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کی طرف کچھ تو مرزا صاحب نے منقولہ اقتباس میں اشارہ کیا ہے اور کچھ الفاظ ہم نقل کرتے ہیں۔ حضرت ممدوح کی دعا اور اس کا انجام قرآن مجید مذکور ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿قال نوح رب انہم عصونی واتبعوا من لم یزدہ مالہ و ولدہ الاخسارا و مکروا مکرا کبارا ◻ وقالوا لا تذرن الہتکم ولا تذرن ودا ولا سواعا ولا یغوث

ویعوق ونسرا□ وقد ضلوا کثیرا ولا تزد الظالمین الا ضلالا□ مما خطیئتہم اغرقوا فادخلوا نارا فلم یجدوا لہم من دون اللہ انصارا□ وقال نوح رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا﴾ (سورہ نوح)

نوح نے ہماری جناب میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میرا کہا نہ مانا۔ اور ان (نابکار لوگوں) کے کہنے پر چلے جن کو ان کے مال اور ان کی اولا دنے (فائدہ کی جگہ الٹا) اور نقصان ہی پہنچایا اور انہوں نے (میرے ساتھ) بڑے بڑے فریب کیے اور ایک دوسرے کو بہکایا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ''ود'' کو چھوڑنا اور نہ ''سواع'' کو اور نہ ''یغوث'' کو اور نہ ''نسر'' کو اور یہ (لوگ ایسی باتیں سمجھا کر) بہتیروں کو گمراہ کر چکے ہیں اور ایسا کر کہ ان ظالموں کی گمراہی اور (روز بروز) بڑھتی ہی چلی جائے (کہ مستوجب عذاب ہوں چنانچہ) اپنی ہی شرارتوں کی وجہ سے غرق کر دیئے گئے۔ پھر دوزخ میں ڈال دیئے گئے اور خدا کے سوا کوئی مددگار بھی ان کو ہم سے نہ پہنچے اور نوح نے (یہ بھی بد) دعا کی کہ اے میرے پروردگار! (ان) کافروں میں سے (کسی کو بھی زندہ) نہ چھوڑ (کہ) روئے زمین پر بستا نظر آئے۔

ان آیات قرآنیہ میں مما خطیئتہم سے انصارا تک دعا کا نتیجہ ہے۔ یعنی حضرت نوح نے قوم کی نافرمانی سے رنجیدہ خاطر ہو کر ان کے حق میں بددعا کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ غرق کیے گئے اور ان کی وہی حالت ہوئی جو مرزا صاحب نے قرآن کی آیت میں بتائی ہے کہ حضرت نوح کو فرمایا میں ان کو غرق کروں گا۔ مولانا کہتے ہیں کہ نوح کی اس دعا کو مرزا صاحب کی اس دعا کے ساتھ ملا کر پڑھیں جو انہوں نے اشتہار ''آخری فیصلہ'' میں کی تھی تو دونوں دعاؤں کا مضمون ایک ہی پائیں گے کہ اہل کفر و اہل باطل کو ہلاک کر۔ نتیجہ بھی دونوں کا واحد ہوا کہ اہل باطل اہل حق کے سامنے ہلاک ہو گیا۔ وللہ عاقبۃ الامور۔ لہ الحمد خدا کی بڑی شان ہے جو زندہ رکھتا ہے اور مارتا ہے۔

(فیصلہ مرزا۔ مصنفہ مولانا امرتسری۔ طبع ۱۹۳۱ء)

اہل حدیث ۳ جنوری ۱۹۴۱ء میں ایک اشتہار شائع ہوا جس میں مرزا جی کا یہ اعتراف نقل کیا گیا۔ اگر قرآن نے میرا نام ابن مریم نہیں رکھا تو میں جھوٹا ہوں (تحفہ ندوہ' صفحہ ۵)۔

مولانا امرتسریؒ نے اس حوالے کو نقل کر کے پوچھا تھا کہ احمدی دوستو از راہ مہربانی اس

سورت اور رکوع کا حوالہ دے کر وہ آیت نقل کر دیجئے جہاں مرزا صاحب کا نام ابن مریم آیا ہو۔ اس مطالبے کے جواب میں قادیانیوں نے لکھا۔

اس بارہ میں حضرت مسیح موعود (مرزا) کا جو دعویٰ ہے وہ حضور مرزا کے اپنے الفاظ میں نقل کر دینا ہی مولوی (ثناء اللہ) صاحب کی اس دھوکہ وہی کے اظہار کے لیے کافی ہو گا۔ حضور فرماتے ہیں: کتاب ''براہین احمدیہ'' میں اول خدا نے میرا نام مریم رکھا اور پھر فرمایا کہ میں نے اس مریم میں صدق کی روح پھونکنے کے بعد اس کا نام عیسیٰ رکھ دیا۔ گویا مریمی حالت سے عیسیٰ پیدا ہو گیا اور اس طرح میں خدا کے کلام میں ابن مریم کہلایا اور اس بارے میں قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے اور وہ میرے لیے بطور پیش گوئی کے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اس امت کے بعض افراد کو مریم سے تشبیہ دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ وہ مریم عیسیٰ سے حاملہ ہو گئی۔ اور اب ظاہر ہے کہ اس امت میں بجز میرے کسی نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ میرا نام خدا نے مریم رکھا اور پھر اس مریم میں عیسیٰ کی روح پھونک دی ہے اور خدا کا کلام باطل نہیں۔ ضرور ہے کہ اس امت میں کوئی اس کا مصداق ہو۔ اور خوب غور کر کے دیکھ لو اور دنیا میں تلاش کر لو کہ قرآن کی اس آیت کا بجز میرے کوئی دنیا میں مصداق نہیں۔ پس یہ پیش گوئی سورت تحریم میں خاص میرے لیے ہے اور وہ آیت یہ ہے:

﴿مریم ابنت عمران التی احصنت فرجها فنفخنا فیه من روحنا﴾

اور دوسری مثال اس امت کے افراد کی مریم، عمران کی بیٹی ہے جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔ تب ہم نے اس کے پیٹ میں اپنی قدرت سے روح پھونکی۔ یعنی عیسیٰ کی روح۔ اب ظاہر ہے کہ بموجب اس آیت کے امت کی مریم کی پہلی مریم کے ساتھ تب مشابہت ہوتی ہے کہ اس میں بھی عیسیٰ کی روح پھونک دی جائے جیسا کہ خدا کے خود روح پھونکنے کا ذکر بھی اس آیت میں فرمایا دیا ہے اور ضروری ہے کہ خدا کا کلام پورا ہو۔ پس اس تمام امت میں وہ میں ہی ہوں میرا ہی نام خدا نے ''براہین احمدیہ'' میں پہلے مریم رکھا اور بعد اس کے میری ہی نسبت یہ کہا کہ ہم نے اس مریم میں اپنی طرف سے روح پھونک دی اور پھر روح پھونکنے کے بعد مجھے ہی عیسیٰ قرار دیا۔ پس اس آیت کا میں ہی مصداق ہوں۔ میرے سوا تیرہ سو برس میں کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ پہلے خدا نے میرا

نام مریم رکھا اور مریم میں اپنی طرف سے روح پھونک دی جس سے میں عیسیٰ ہو گیا۔
(براہین' حاشیہ ۳۴۷-۳۴۸)۔ (الفضل قادیان ۱۵ جنوری ۱۹۴۱ء' صفحہ ۳)

(مولانا امرتسریؒ فرماتے ہیں کہ) اس عبارت کا جواب دینے سے پہلے ہم آیت موصوفہ کے سارے الفاظ نقل کر دیتے ہیں جو یہ ہیں:

﴿ضرب الله مثلا للذين امنوا امرات فرعون□ اذ قالت رب ابن لی عندك بيتا فی الجنة ونجنی من فرعون وعمله ونجنی من القوم الظالمين□ ومريم ابنت عمران التی احسنت فرجها فنفخنا فيه من روحنا و صدقت بكلمات ربها وكتبه وكانت من القانتين□ (پارہ ۲۸' رکوع ۱۰)

اس آیت کے پچھلے حصے کو مرزا صاحب نے اپنے حق میں لیا ہے اور ماشاء اللہ کیا ہی اچھی تفسیر کی ہے کہ پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام مریم تھا پھر مجھ میں صدق کی روح پھونکی گئی جس سے میں عیسیٰ بن گیا اسی وجہ سے میں ابن مریم کہلایا۔ چونکہ مجھ سے پہلے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا اس لیے میرا دعویٰ سچا ہے۔

احمدی دوستو! خدا کو حاضر ناظر جان کر بتاؤ کہ کیا ''براہین احمدیہ'' تمہارا قرآن ہے؟ کیا تم رمضان شریف میں اسی کو پڑھا کرتے ہو' اور سنو اور کان لگا کر سنو کہ تم لوگ متکلمین کی جماعت کہلاتے ہو اور مناظرے کیا کرتے ہو۔ بتاؤ مرزا صاحب کا یہ فقرہ کہ ''اگر قرآن نے میرا نام ابن مریم نہیں رکھا تو میں جھوٹا'' کن لوگوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے؟ کیا اس میں شک ہے کہ اس میں خطاب ان لوگوں کو ہے جو مرزا صاحب کے الہاموں کو نہیں مانتے ..... ایسے لوگوں کے سامنے قرآن کا نام لینا اور جواب دیتے ہوئے براہین احمدیہ کا حوالہ پیش کرنا کہاں کی ایمانداری ہے؟

اب سنیے! ساری آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے فرعون کی عورت اور مریم بنت عمران کو مسلمانوں کے لیے نیک نمونہ بنایا تا کہ ایماندار لوگ ان تکلیفوں کے واقعات کو یاد کر کے صبر کریں۔

بس اصل مضمون اس آیت کا اتنا ہی ہے۔ ہم قادیانی ممبروں سے ایک تفسیری سوال پوچھتے ہیں کہ مریم کا عطف امرأت فرعون پر ہے اور یہ دونوں اسم فعل ضرب کے مفعول بہ ہیں۔ اور مثلاً مفعول ثانی ہے اور چونکہ قاعدہ یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ ایک ہی

حکم میں ہوتے ہیں اس لیے مریم اور فرعون کی بیوی ایک ہی حکم میں ہیں۔ پھر فرعون کی بیوی کو چھوڑ کر مرزا صاحب کو خاص مریم کے ساتھ کیا خصوصیت ہے؟ حالانکہ معطوف علیہ ہونے کی وجہ سے فرعون کی بیوی مقدم ہے۔ مندرجہ ذیل مثال کو غور سے پڑھیں۔

اعطیت زیدا وعمرا درھما۔ کہ میں نے زید اور عمرو دونوں کو ایک درہم دیا جس طرح زید اور عمرو درہم لینے میں دونوں شریک ہیں اسی طرح مومنوں کے لیے مثال بننے میں فرعون کی بیوی اور مریم دونوں برابر ہیں۔ قرآن مجید میں اس کی مثالیں بہت ملتی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک آیت یہ ہے۔

ضرب الله مثلاً رجلین (پ۱۴ ع ۱۶)۔ اس آیت میں خدا نے دو آدمیوں کی مثال دی ہے اسی لیے اس تمثیل میں ان دونوں کو یکساں دخل حاصل ہے۔

ہماری تحقیق یہ ہے کہ مرزا صاحب شیخ بہاء اللہ ایرانی کا تتبع کرتے تھے۔ الفضل کے اس جواب سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی کیونکہ جس طرح بہائیوں نے قرآن کے علاوہ شیخ بہاء اللہ کی ''کتاب اقدس'' کو الہامی کتاب مان لیا ہے اسی طرح جماعت قادیانیہ بھی مرزا صاحب کی براہین کو قرآن کہنے لگ گئی ہے۔ اسی لیے تو قرآن کا حوالہ بتاتے ہوئے ''براہین احمدیہ'' کو پیش کرتے ہیں جو مخالفین کی نظر میں تقویم پارینہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ (اہل حدیث امرتسر' ۱۳ جنوری ۱۹۴۱ء' صفحہ ۴-۵)

مولانا عبد اللہ معمارؒ نے مغالطات مرزا کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں انہوں نے مرزا صاحب کے براہین میں موجود الہامات پر نقد وتبصرہ کیا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ قادیانی الہامات پیندے کے بغیر لوٹے کی طرح ہوتے تھے جنہیں وہ حسب ضرورت جس طرح چاہتے گھما لیتے تھے۔ مولانا کی تحریر بہت دلچسپ ہے پڑھیے اور لطف اٹھائیے' لکھتے ہیں:

''۱۸۸۰ء-۱۸۸۲ء میں مرزا صاحب اپنی کتاب ''براہین احمدیہ'' کے اندر الہامی دکان کا اعلان کرتے ہوئے ایک الہام بایں الفاظ پیش کرتے ہیں کہ:

''یا آدم اسکن انت و زوجک الجنۃ۔ یا مریم اسکن انت و زوجک الجنۃ۔ یا احمد اسکن انت وزوجک الجنۃ۔ نفخت فیک من لدنی روح الصدق'' (براہین۔ صفحہ ۴۹۶۔ بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳)

اے آدم! اے مریم! اے احمد! تو اور جو شخص تیرا تابع اور رفیق ہے جنت یعنی نجات حقیقی

کے وسائل میں داخل ہو جاؤ۔ میں نے اپنی طرف سے سچائی کی روح تجھ میں پھونک دی ہے۔ (مرزا صاحب کہتے ہیں) اس آیت میں روحانی آدم کا وجہ تسمیہ بیان کیا گیا ہے یعنی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش بلا توسط اسباب ہے ایسا ہی روحانی آدم میں بھی بلا توسط اسباب ظاہر یہ نفخ روح ہوتا ہے اور یہ نفخ روح حقیقی طور پر انبیاء علیہم السلام سے خاص ہے اور پھر بطور تبعیت اور وراثت کے بعض افراد خاصہ امت محمدیہ کو یہ نعمت عطا کی جاتی ہے اوران کلمات میں بھی جس قدر پیش گوئیاں ہیں وہ ظاہر ہیں۔

اس جگہ مرزا جی نے اپنی ذات والا صفات کو آدم' مریم واحمد قرار دیا ہے اوراپنے مریدین باصفا کواپنی زوجہ بنا کران میں آئندہ بعض افراد کا صاحب الہام ہونا ظاہر کیا ہے اور لفظ جنت کے معنی نجات حقیقی کے وسائل بتائے ہیں۔ پھر یہ ہوا کہ مرزا صاحب نے ایک پیش گوئی کی تھی کہ مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کی دختر کلاں مسمات محمدی بیگم کا نکاح خدا تعالیٰ نے آسمان پر میرے ساتھ کر دیا ہے۔ لہٰذا یا تو کنوارے پن کی حالت میں یا بیوہ ہو کر میرے پاس آئے گی اور جس دوسرے شخص سے اس کی شادی کی جائے گی وہ اڑھائی سال اور والد اس لڑکی کا تین سال کے اندر وفات پا جائے گا۔

(آسمانی فیصلہ' صفحہ آخر۔ آئینہ کمالات صفحہ ۲۸۶۔ تتمہ حقیقت الوحی۔ صفحہ ۱۳۲)

مرزا صاحب کی اس دھمکی آمیز کارروائی کا اثر یہ ہوا کہ مرزا احمد بیگ نے مورخہ ۷ اپریل ۱۸۹۲ء کو اس لڑکی کا نکاح مرزا سلطان محمد ساکن پٹی ضلع لاہور سے کر دیا۔ چنانچہ وہ بڑے ٹھاٹھ باٹھ' شان وشوکت اور باجوں گاجوں کے ساتھ اس آسمانی منکوحہ کو بیاہ کر لے گیا اور بے چارے مرزا صاحب جو مالک کن فیکون (نصرۃ الحق۔ طبع اول۔ صفحہ ۹۵-۱۰۷) مختار حیات وممات (خطبہ الہامیہ۔ صفحہ ۲۳) ہونے کا دم مارا کرتے تھے منہ دیکھتے رہ گئے۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ سلطان محمد جو ایک صادق نبی اللہ بلکہ ''ظلی خدا'' کا رقیب بنا فوراً نہ سہی الہامی پیش گوئی کی معیاد اڑھائی سال میں فنا کے گھاٹ اتر جاتا مگر ایسا نہ ہوا بلکہ برعکس اس کے مرزا سلطان محمد دن دگنی رات چوگنی ترقی کرتا گیا اور بستر عیش پر مزے کی نیند سوتا رہا' نہ کسی ٹیچی فرشتہ کا ڈر، نہ خیراتی اور شیر علی ملکین قادیانی کا خوف وخطر۔ اس پیش گوئی کے متعلق مرزا جی نے بعد گزرنے میعاد ، اڑھائی سالہ یہ عذر کیا کہ ان لوگوں نے توبہ کر لی ہے جیسا کہ بعض نے میری بیعت بھی کی ہے اس لیے ان لوگوں کی توبہ کے باعث سلطان محمد کی موت ٹل گئی اور آئندہ کے

متعلق مرزا جی نے یہ پیش گوئی فرمائی کہ اب سلطان محمد میری زندگی میں ضرور مرے گا اور وہ عورت یقیناً میرے نکاح میں آئے گی۔ یہ امر تقدیر مبرم خدا کا قطعی اوران اٹل فیصلہ ہے۔

(انجام آتھم کا حاشیہ' صفحہ ۳۱' اشتہار مرزا' مورخہ ۶۔ اکتوبر ۱۸۹۴ء)

اسی دوران مرزا صاحب کو ''براہین احمدیہ'' کا ایک سترہ سال پہلے کا بھولا بسرا الہام یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ یاد آ گیا۔ پھر کیا تھا آپ نے لکھا کہ براہین احمدیہ میں بھی اس وقت سے سترہ برس پہلے اس پیش گوئی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جو اس وقت میرے پر کھولا گیا ہے اور وہ یہ الہام ہے یا آدم اسکن انت و زوجک الجنۃ یا مریم اسکن انت وزوجک الجنۃ۔ یا احمد اسکن انت وزوجک الجنۃ اس جگہ ، تین جگہ زوج کا لفظ آیا ہے اور تین نام اس عاجز کے رکھے گئے ہیں' پہلا نام آدم ہے' یہ وہ ابتدائی نام ہے جبکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اس عاجز کو روحانی وجود بخشا۔ اس وقت پہلی زوجہ (والدہ مرزا سلطان احمد۔ فضل احمد) کا ذکر فرمایا' پھر دوسری زوجہ (والدہ محمود، بشیر احمد) کیوقت نام مریم رکھا۔ کیونکہ اس وقت مبارک اولاد دی گئی جس کو مسیح سے مشابہت ملے۔ اور نیز اس وقت مریم کی طرح کئی ابتلاء پیش آئے جیسا کہ مریم کو حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وقت یہودیوں کی بد نیتی کا ابتلاء پیش آیا۔ اور تیسری زوجہ جس کی انتظار ہے اس کے ساتھ احمد کا لفظ شامل کیا گیا اور یہ لفظ احمد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس وقت (یعنی جب وہ تیسری عورت میرے نکاح میں آئے گی) حمد اور تعریف ہوگی۔ یہ ایک چھپی ہوئی پیش گوئی ہے جس کا سر (بھید) اس وقت خدا تعالیٰ نے مجھ پر کھول دیا ہے۔ غرض یہ تین مرتبہ زوج کا لفظ تین مختلف نام کے ساتھ جو بیان کیا گیا ہے وہ اسی پیش گوئی کی طرف اشارہ ہے۔ (ضمیمہ انجام آتھم' صفحہ ۵۴)

(مولانا معمارؒ کہتے ہیں) مرزا صاحب نے تحریر بالا میں الہام یا آدم اسکن کے ماتحت اپنی پہلی بیوی کو جنتی ظاہر کیا ہے حالانکہ مرزا جی نے بباعث اس وجہ کے کہ اس عورت نے محمدی بیگم کے نکاح والے معاملے میں مرزا جی کی سخت مخالفت کی اور دشمنوں کا ساتھ دیا۔ طلاق دے چھوڑی تھی (اشتہار ۲۱ مئی ۱۸۹۱ء تبلیغ رسالت جلد ۲' صفحہ ۹ تا ۱۱)

کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ مرزا جی کی مخالفت میں وہ عورت ہی حق پر تھی۔ کیونکہ اسے الہام الٰہی نے جنتی بتایا ہے اور مرزا صاحب اس کے برعکس خود ہی دام میں آ گئے

ہیں۔ نیز اس عبارت زیر نظر میں مرزا محمود احمد کی والدہ پر چند بے جا الزاموں کی طرف اشارہ ہے۔ کیا ہمارے مرزائی دوست ان الزامات کے متعلق کچھ بتائیں گے کہ ان کی نوعیت کیا تھی؟ نیز مرزا جی نے جو تیسری بیوی کے نکاح کا انتظار ظاہر کر کے بعد نکاح ہذا اپنی حمد وتعریف کی پیش گوئی کی اور مخالفوں کو بندر' سور وغیرہ قرار دیا۔ اور اب جب مرزا صاحب کو مرے ہوئے ایک عرصہ ہو گیا ہے اور وہ عورت سلطان محمد ہی کے پاس رہی' کیا اس واقعہ سے وہ تمام سخت الفاظ مرزا صاحب پر تو نہیں الٹ پڑتے۔

نیز مرزا جی ''براہین احمدیہ'' کے وقت بقول خود عند اللہ، رسول اللہ تھے (ایک غلطی کا ازالہ۔ صفحہ ا) اور مرزا صاحب کا یہ بھی قول ہے کہ قرآن شریف میں بکثرت ایسی آیات موجود ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی اپنی ہستی کچھ نہیں ہوتی بلکہ وہ اس طرح بکلی خدا تعالیٰ کے تصرف میں ہوتے ہیں جس طرح ایک کل انسان کے تصرف میں ہوتی ہے۔ انبیاء نہیں بولتے جب تک خدا ان کو نہ بلائے اور کوئی کام نہیں کرتے جب تک خدا اسے نہ کرائے۔ جو کچھ وہ کہتے یا کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے احکام کے نیچے کہتے یا کرتے ہیں اور ان سے وہ طاقت سلب کی جاتی ہے جس سے خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی انسان کرتا ہے۔ وہ خدا کے ہاتھ میں ایسے ہوتے ہیں جیسے مردہ' اور اس کی ہستی ان پر ایسی غالب ہوتی ہے کہ ان کی ہستی پر فنا آ جاتی ہے' ان کے اقوال و افعال اس کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں بلکہ وہ تمام اس کی طرف سے ہوتے ہیں، اور ، اس قسم کی دوسری آیات سے جو بکثرت قرآن کریم میں موجود ہیں یہ قطعی ثبوت ملتا ہے کہ انبیاء کے اقوال و افعال کو خدا تعالیٰ اپنے اقوال و افعال ٹھہراتا ہے اور وہ اسی طرح پھرتے ہیں جس طرح وہ ان کو پھیرتا ہے۔ وہ اس کے ہاتھ میں ایسے بے اختیار ہوتے ہیں جیسے ایک مردہ اور بکلی اسی کے تصرف میں ہوتے ہیں۔ ان کے اپنے جذبات اور خواہشات کچھ نہیں ہوتے اور نہ ان کے حرکات اور کلام اور ارادے ان کے اپنے ہوتے ہیں۔ حرکت یا سکون' رنج یا راحت' خوشی یا غم' محبت یا عداوت' عفو یا انتقام' سخاوت یا بخل' شجاعت یا بزدلی' رحم یا غضب ان کی طرف منسوب ہی نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کی اپنی مرضی یا اپنے ارادے کچھ نہیں ہوتے' وہ خدا تعالیٰ کے تصرف تام میں ہوتے ہیں اور ان کے تمام قویٰ اسی کی خدمت میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔

(ریویو۔ جلد۲' نمبر۲ ،فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۷۲)

(مولانا معمار کہتے ہیں) اب سوال یہ ہے کہ ''براہین احمدیہ'' میں تو اس الہام کا مطلب بحکم و بہ تصرف خدا کچھ اور لکھا ہے اور یہاں بحکم و بہ الہام خدا اس کے خلاف کیوں لکھا؟ کیا یہ کارروائی خدا کی شان عالم الغیب والشہادۃ سے بعید اور اس کی ذات علیم کل پر جہالت کا الزام قائم نہیں کرتی؟ ضرور کرتی ہے۔ اور خدا کی ذات ستودہ صفات تو اس قسم کے دھوکہ و فریب' دو رنگی و تخالف سے یقیناً منزہ و مبرا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کا ملہم بحکم آیت ماتحت هل انبئكم على من تنزل الشياطين (الآیہ) خدائے قدوس نہ تھا۔ اور مرزا صاحب بمعہ اپنے ملہم کے صاف گو' راست رو نہ تھے۔

بات یہیں ختم نہیں ہوتی کیونکہ ضمیمہ انجام آتھم کی مذکورہ بالا تحریر سے تقریباً چار ماہ بعد مرزا صاحب نے رسالہ ''سراج منیر'' (مطبوعہ مئی ۱۸۹۷ء) کے صفحہ ۶۶ پر لکھا ہے:

''اٹھائیسویں پیش گوئی ''براہین احمدیہ'' کے صفحہ ۴۹۶ پر درج ہے اور وہ یہ ہے:

''يا آدم اسكن انت وزوجك الجنة۔ يا مريم اسكن انت و زوجك الجنة۔ يا احمد اسكن انت وزوجك الجنة''

''اے آدم! تو اور تیرا زوج بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ اے مریم تو اور تیرا زوج بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ اے احمد تو اور تیرا زوج بہشت میں داخل ہو جاؤ''۔

یہ ایک عظیم پیش گوئی ہے اور تین ناموں سے تین واقعات آئندہ کی طرف اشارہ ہے جو عنقریب لوگ معلوم کریں گے' یعنی ضمیمہ ''انجام آتھم'' جنوری ۱۸۹۷ء والی تحریر میں اس الہام کو دو پہلی بیویوں اور ایک آئندہ ہونے والی آسمانی منکوحہ کے متعلق لکھا تھا۔ کما مر بیانہ۔ مگر یہاں تین واقعات آئندہ کے بارے میں ظاہر کیا ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اس کے بعد تریاق القلوب کے صفحات ۶۷ تا ۷۷ طبع دوم ۱۸۹۹ء میں مرزا جی رقم طراز ہیں کہ ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے اپنے وعدہ کے موافق اس شادی (جو محمود کی والدہ سے ہوئی) کے بعد ہر ایک بار شادی سے مجھے سبکدوش رکھا'' اور جیسا کہ اس نے بہت عرصہ پہلے ''براہین احمدیہ'' میں یہ وعدہ کیا تھا کہ يا آدم اسكن انت و زوجك الجنة۔ ایسا ہی وہ بجا لایا' یعنی ''براہین احمدیہ'' میں اس الہام ''يا احمد اسكن'' کے ماتحت احمد بمعنی غلام احمد اور زوجہ بمعنی مریدان خود

بتصرف خدا لکھا تھا۔ پھر ضمیمہ ''انجام آتھم'' میں یہ کہتے ہوئے کہ اس الہام کا بھید اس وقت خدا نے مجھ پر کھول دیا ہے ۔ احمد اسکن سے مراد تیسری بیوی یعنی آسمانی منکوحہ بنائی۔ پھر بارادہ الٰہی ''سراج منیر'' میں تین آئندہ واقعات پر اس کو چسپاں کیا اور اس جگہ الہام ''احمد اسکن'' سے مراد اپنی دوسری بیوی جو مرزا صاحب کے نکاح میں آ چکی تھی پر لگا دیا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کسی کو مسیح موعود بننے کے لیے اسی قدرت راست روی، راست شعاری کی ضرورت ہے یا اس سے زیادہ کی؟

اسی کتاب ''تریاق القلوب'' میں مرزا صاحب نے لکھا ہے:

''ایک دفعہ جس کو قریباً اکیس برس کا عرصہ ہوا مجھ کو یہ الہام ہوا اشکر نعمتی رئیت خدیجتی انک الیوم لذو حظ عظیم (میری نعمت کا شکر کر، تو نے میری خدیجہ کو پایا، آج تو ایک حظ عظیم کا مالک ہے) (براہین احمدیہ، صفحہ ۵۵۸) اور اسی زمانہ کے قریب ہی یہ الہام ہوا تھا بکر و ثیب ۔یعنی ایک کنواری اور ایک بیوہ تمہارے نکاح میں آئے گی''۔

یہ مؤخر الذکر الہام مولوی محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر ''اشاعت السنۃ'' کو بھی سنا دیا گیا تھا اور اس کو خوب معلوم تھا کہ ان صفات کی ایک باکرہ بیوی کا وعدہ دیا گیا ہے جو خدیجہ کی اولاد میں سے یعنی سید ہو گی۔ اسی کی تائید میں وہ الہام ہے جو براہین احمدیہ کے صفحہ ۴۹۲ حاشیہ دوم اور صفحہ ۴۹۶ میں درج ہے اور وہ یہ ہے:

''اردت ان استخلف فخلقت آدم اور یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ۔ یا مریم اسکن انت وزوجک الجنۃ۔ یا احمد اسکن انت وزوجک الجنۃ''

اس کے معنی یہ ہیں کہ ''اے آدم! تو معہ اپنی زوجہ کے بہشت میں داخل ہو۔ اسی لحاظ سے میرا نام آدم رکھا گیا کیونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ مجھ سے ایک نیا خاندان شروع ہو گا۔ سو اس نے مجھے اس الہام میں ایک نئی بیوی کا وعدہ دیا اور اس الہام میں اشارہ کیا کہ وہ تیرے لیے مبارک ہو گی اور مریم کی طرح اس سے تجھے پاک اولاد دی جائے گی''۔

(تریاق القلوب، صفحہ ۷۰، طبع اول، صفحہ ۱۶۲-۱۶۳ طبع دوم)

مولانا معمارؒ کہتے ہیں اس جگہ ان تینوں الہاموں کو ایک ہی بیوی کے بارے میں بتایا ہے اور مرزا صاحب نے اس کا عذر یوں بیان کیا ہے: ''براہین احمدیہ'' کے صفحہ ۴۹۶ میں یہ

الہام درج ہے یعنی یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ چونکہ یہ پیش گوئیاں حالات موجودہ کے لحاظ سے بالکل دور از قیاس تھیں اور ان کے ساتھ کوئی تفہیم نہ تھی اس لیے ان کی تشریح اور تفصیل واقعی طور پر نہ کر سکا۔ ناچار ''براہین احمدیہ'' میں ایک حیرت زدہ عالم میں مختصر طور پر معنی بیان کر دیئے گئے۔ (تریاق القلوب۔ صفحہ ۱۶۳ کا حاشیہ)

''براہین احمدیہ'' وہ کتاب ہے جو بقول مرزا صاحب، مؤلف نے ملہم و مامور ہو کر بغرض اصلاح وتجدید دین تالیف کی' (ملاحظہ ہو اشتہار براہین احمدیہ ملحق آخر رسالہ سرمہ چشم آریہ) ہاں یہ کتاب بزعم مرزا نہ صرف دربار محمدی ﷺ میں پیش ہو کر قبولیت حاصل کر چکی ہے بلکہ قطب ستارہ کی طرح غیر متزلزل اور مستحکم' مضامین سے بھرپور تھی۔ (ملاحظہ ہو براہین احمدیہ' صفحہ ۲۴۸۔۲۴۹) جو اس حالت میں تحریر کی گئی تھی کہ روح القدس کی قدسیت ہر وقت ہر دم ہر لحظہ بلا فصل مرزا جی کے قویٰ میں کام کرتی تھی (آئینہ کمالات اسلام۔ حاشیہ' صفحہ ۹۳) سونے پر سہاگہ یہ کہ مرزا صاحب بقول خود اس وقت عند اللہ، رسول اللہ تھے جن کا ہر قول وفعل' ہر حرکت وسکون بحکم وبرضا الٰہی تھا۔ پس ''براہین احمدیہ'' والے ترجمہ کو ''بلا تفہیم الٰہی'' لکھنا کذب در کذب ہے اور دراصل یہ مضمون پیش گوئی تھا جو بطور دلیل صداقت مخالفین کے سامنے پیش کیا گیا تھا لہٰذا یہ کسی حالت میں بھی بدفہمی پر مبنی نہیں ہوسکتا' کیونکہ جن پیش گوئیوں کو مخالف کے سامنے دعویٰ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے وہ ایک خاص طور کی روشنی اور ہدایت اپنے اندر رکھتی ہیں اور ملہم حضرت احدیت میں خاص طور پر توجہ کر کے ان کا زیادہ انکشاف کرا لیتے ہیں۔ (قول مرزا در ازالہ اوہام۔ طبع اول صفحہ ۴۰۴۔ طبع دوم صفحہ ۱۶۶)۔ پس مرزا جی کا یہاں ''براہین'' والے ترجمہ ومفہوم کو بلا تفہیم ظاہر کرنا مرزا صاحب کی حقیقت اصلیہ کو صاف عیاں کر رہا ہے۔

اگر بفرض محال مان لیا جائے کہ ''براہین احمدیہ'' کے وقت کوئی تفہیم نہ تھی اور صرف ایک حیرت زدہ عالم میں معنی کر دیئے گئے تھے۔ مگر ضمیمہ انجام آتھم میں تو اس الہام کو تین مختلف بیویوں پر لگاتے ہوئے صاف لکھا گیا تھا کہ یہ ایک چھپی ہوئی پیش گوئی تھی جس کا سر (بھید) اس وقت خدا نے مجھ پر کھول دیا ہے۔ پھر یہاں اس کے خلاف کیوں؟ کیا پہلے خدا نے کھولا تھا اور اب یہ شیطان کی عقدہ کشائی ہے؟ اچھا جناب! براہین احمدیہ کے وقت تفہیم نہ تھی' نہ سہی ''سراج منیر'' اور اس کے بعد اسی 'تریاق القلوب' کے صفحہ ۷۷ پر

لکھتے وقت بھی تفہیم نہ تھی؟ اور اگر ’’براہین‘‘ والا مطلب بلکہ ضمیمہ ’’انجام آتھم‘‘، ’’سراج منیر‘‘، ’’تریاق القلوب‘‘ (صفحہ ۷۷) والے بیانات سب کے سب بلا تفہیم تھے اور اب صحیح انکشاف ہوا ہے تو مرزا صاحب کی مندرجہ ذیل تحریر کا کیا جواب ہے؟

’’منجملہ زبردست نشانوں کے جو خدا تعالیٰ نے غیب گوئی اور معارف عالیہ کے رنگ میں میری تائید میں ظاہر فرمائے ’’براہین احمدیہ‘‘ میں وہ پیش گوئی ہے جو اس کے صفحہ ۴۹۶ میں درج ہے یعنی یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یہ الہام جو میری نسبت ہوا جس کے معنی یہ ہیں کہ اے آدم تو اپنے جوڑے کے ساتھ جنت میں رہ۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدم صفی اللہ کے وجود کا سلسلہ دوریہ اس عاجز کے وجود پر آ کر ختم ہو گیا۔ یہ بات اہل حقیقت اور معرفت کے نزدیک مسلم ہے کہ مراتب وجود دوریہ میں بعض، بعض کی خو اور طبیعت پر آتے رہتے ہیں۔ (تریاق القلوب۔ صفحہ ۳۷۴) سو ضرور تھا کہ مرتبہ آدمیت کی حرکت دوری زمانہ کے انتہا پر ختم ہوتی۔ سو یہ زمانہ جو آخر الزمان ہے اس میں خدا تعالیٰ نے ایک شخص کو حضرت آدم علیہ السلام کے قدم پر پیدا کیا جو یہی راقم (مرزا) ہے اور اس کا نام بھی آدم رکھا۔ اور پہلے آدم کی طرح خدا نے اس آدم کو بھی زمین کے حقیقی انسانوں سے خالی ہونے کے وقت پیدا کیا اور ظاہری پیدائش کی رو سے اسی طرح نر اور مادہ پیدا کیا جس طرح کے پہلا آدم پیدا کیا تھا۔ یعنی اس نے مجھے بھی جو آخری آدم ہوں جوڑا کیا۔ جیسا کہ الہام یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ میں اس بات کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔ اور بعض گزشتہ اکابر نے خدا تعالیٰ سے الہام پا کر یہ پیش گوئی بھی کی تھی کہ وہ انتہائی آدم جو مہدی کامل اور خاتم ولایت عامہ ہے۔ اپنی جسمانی خلقت کے رو سے جوڑا پیدا ہوگا اور خاتم الاولاد ہوگا کیونکہ آدم نوع انسان میں پہلا مولود تھا سو ضرور ہوا کہ وہ شخص (مرزا) جس پر بکمال وتمام دورہ حقیقت آدمیہ ختم ہو وہ خاتم الاولاد ہو۔ یعنی اس کی موت کے بعد کوئی کامل انسان کسی عورت کے پیٹ سے نہ نکلے۔ اب یاد رہے کہ اس بندہ حضرت احدیت کی پیدائش جسمانی اس پیش گوئی کے مطابق ہوئی یعنی میں توام پیدا ہوا تھا اور میرے ساتھ ایک لڑکی تھی جس کا نام جنت تھا اور یہ الہام کہ یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ جو آج سے بیس برس پہلے ’’براہین احمدیہ‘‘ کے صفحہ ۴۹۶ میں درج ہے اس میں جنت کا لفظ ہے۔ اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ وہ لڑکی جو میرے ساتھ پیدا ہوئی

اس کا نام جنت تھا۔ (تریاق القلوب۔صفحہ۴۷-۴۸ طبع دوم)

(مولانا معمارؒ پوچھتے ہیں کہ) ''براہین احمدیہ'' میں درج شدہ ترجمہ ومفہوم تو بھلا ' بلا تفہیم الٰہی اور عالم حیرت ، کا تھا۔ یہ ترجمہ و مطلب کس عالم کا ہے؟ شاید عالم بے خودی کا ہوگا...... ذرا غور فرمائیں۔ ابتدا میں مرزا جی نے آدم۔ احمد۔ مریم بنتے ہوئے زوجہ کے لقب سے اپنے رفیقان صحبت اور جنت بمعنی وسائل نجات لکھا' پھر آدم سے پہلی بیوی' مریم سے دوسری' احمد سے منکوحہ آسمانی بتائی' پھر تین آئندہ واقعات پر اس کو لگایا۔ اس کے بعد کتاب ''تریاق القلوب'' کے صفحہ ۷۷ پر احمد سے دوسری بیوی اور جنت سے مراد حقیقی بہشت تحریر کیا... مابعد تریاق القلوب صفحہ ۱۶۲-۱۶۳ پر تینوں الہامات کو ایک بیوی کے متعلق کہا اور اس جگہ تو غضب ہی کر دیا کہ زوجہ کے معنی جوڑا اور جنت کے معنی اپنی حقیقی ہمشیرہ بتائی' یعنی مطلب یہ کہ اس الہام میں میری پیدائش کی طرف اشارہ ہے نہ کہ آئندہ کسی ایک یا بہت سی بیویوں یا واقعات کا ذکر...... کیا قادیانی علم کلام میں اور مرزا صاحب کے الہامی ذہن رسا میں بیوی اور بہن کے مفہوم میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ ضرور ہے' پھر مرزا کی اس تحریر کا کیا مطلب ہے؟ اُف کس غضب کی چال ہے کہ شیخ ابن عربی کی پیش گوئی کا اپنے کو مصداق ٹھہرانے کے لیے بیوی کے الہام کو بہن پر چسپاں کر دیا...... لطف پر لطف یہ کہ رسالہ ''تقریر اور خط'' متعلقہ وحدت الوجود وغیرہ میں تو انہی شیخ ابن عربی کو وحدت الوجودی قرار دے کر لعنتی' نادان' آزاد طبع' ملحد زندیق' نفس امارہ کی خواہش کا پجاری وغیرہ بتایا ہے مگر یہاں اپنی اغراض نفسانی کے لیے انہیں ملہم خدا' اکابر امت' اہل حقیقت و صاحب کشف و معرفت لکھا ہے۔ اور ملاحظہ ہو کہ اس جگہ ''تریاق القلوب'' میں تو شیخ ابن عربی کی پیش گوئی کو منجانب اللہ کشف و الہام ظاہر کیا مگر اس کے قریباً چار سال بعد اکتوبر ۱۹۰۳ء کو رسالہ ''تذکرۃ الشہادتین'' صفحہ ۳۳-۳۴ پر لکھا کہ مجھے علم ہی نہیں کہ یہ پیش گوئی شیخ نے کہاں سے لی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

''سولھویں خصوصیت حضرت مسیح میں یہ تھی کہ بن باپ پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام سے وہ مشابہ تھے۔ ایسا ہی میں بھی توام پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت آدمؑ سے مشابہ ہوں اور اس قول کے مطابق جو حضرت محی الدین ابن العربی لکھتے ہیں کہ خاتم الخلفاء چینی الاصل ہوگا یعنی مغلوں میں سے اور وہ جوڑا یعنی توام پیدا ہوگا' پہلے لڑکی نکلے

گی بعد اس کے وہ پیدا ہوگا۔ ایک ہی وقت میں اسی طرح میری پیدائش ہوئی کہ جمعہ کی صبح کو بطور توام میں پیدا ہوا۔ اول لڑکی ، بعدہ میں پیدا ہوا۔ نہ معلوم یہ پیش گوئی کہاں سے ابن عربی صاحب نے لے لی تھی جو پوری ہوگئی۔ ان کی کتابوں میں اب تک یہ پیش گوئی موجود ہے''۔ (تذکرۃ الشہادتین۔ صفحہ ۳۳-۳۴)

شیخ ابن عربی کی پیش گوئی کو جس طرح بگاڑ کر مرزا جی نے اپنے پر لگایا اور جو جھوٹ و افتراء گھڑے ہیں اس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ اس جگہ ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ''تریاق القلوب'' میں تو شیخ ابن عربی کی پیش گوئی کو ان کا الہام لکھا مگر یہاں قطعی لاعلمی کا اظہار کیا ہے اور ''تریاق القلوب'' کے چند ماہ بعد ۲۷ ستمبر ۱۹۰۰ء کو اربعین نمبر ۲ صفحہ ۶ پر اسی الہام ''یا آدم اسکن'' کو لکھ کر صفحہ ۱۶ پر اس کا ترجمہ یہ لکھا ہے:

''اے آدم! اے احمد! اے مریم! تو اور تیرے دوست اور تیری بیوی بہشت میں داخل ہو'

اسی طرح اربعین نمبر ۳ صفحہ ۳۰ پر مسطور ہے:

''اے احمد! اپنے زوج کے ساتھ بہشت میں داخل ہو جا' اے آدم! اپنے زوج کے ساتھ بہشت میں داخل ہو''۔

یعنی ہر ایک جو تجھ سے تعلق رکھنے والا ہے گو وہ تیری بیوی ہے یا دوست ہے نجات پائے گا اور اس کو بہشتی زندگی ملے گی اور بہشت میں داخل ہوگا۔

لیجئے یہاں نہ تین بیویوں کا ذکر نہ تین آئندہ واقعات کا تذکرہ' نہ ایک بیوی کی طرف اشارہ نہ توام پیدائش کی خصوصیت' نہ ہمشیرہ جنت کا مذاکرہ' صرف دنیا و آخرت میں بہشتی زندگی ملنے کا وعدہ ہے اور بس۔

اربعین سے دو سال بعد مرزا صاحب اپنی کتاب ''تحفہ گولڑویہ'' مطبوعہ ستمبر ۱۹۰۲ء میں سورۃ الناس سے قادیانی معارف چھانٹے ہوئے ''خناس'' بمعنی شیطان لکھ کر اس سے اپنی مسیحیت پر نکتہ آفرینی کرتے ہیں کہ اب واضح ہو ''خناس'' شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ عبرانی میں اس کا نام نحاش ہے' اسی نحاش کا دوسرا نام دجال ہے۔ یہی تھا جو آج سے چھ ہزار برس پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے ٹھوکر کھانے کا موجب ہوا تھا اور اس وقت یہ اپنے اس فریب میں کامیاب ہو گیا تھا اور آدمؑ مغلوب گیا تھا' لیکن خدا نے چاہا کہ اسی طرح آدم (یعنی مرزا صاحب) کو پھر پیدا کر کے یعنی (حضرت آدمؑ کے

بعد) آخر ہزار ششم میں جیسا کہ پہلے وہ (آدم) چھٹے دن پیدا ہوا تھا۔ نحاش کے مقابل پر اس کو کھڑ کرے اور اس بار نحاش مغلوب ہو اور آدم غالب۔ سو خدا نے آدمؑ کی مانند اس عاجز کو پیدا کیا اور اس عاجز کا نام آدم رکھا جیسا کہ ''براہین احمدیہ'' میں یہ الہام ہے: ''یا آدم اسکن انت و زوجک الجنۃ'' اس سے معلوم ہوا کہ مسیح موعود آدم کے رنگ پر ظاہر ہوگا۔ تا وہ زن مزاج لوگوں کو حیات ابدی کی طمع دے جیسا کہ حوا کو اس سانپ نے دی تھی جس کا نام توریت میں نحاش اور قرآن میں خناس ہے۔

(ملخص، صفحہ ۱۷۴-۱۷۵ حاشیہ طبع سوم)

مولانا معمارؒ کہتے ہیں اس عبارت میں ''حضرت مسیح موعود صادق رسول اللہ'' نے الہام آدم اسکن کی وجہ تسمیہ اپنا فاتح شیطان ہونا بیان کیا ہے اور ''زوجک الجنۃ'' سے مراد زن مزاج لوگوں کو جنت کی طمع دے کر راہ راست پر لانے والا تحریر کیا۔

اور ہاں ہماری بات ابھی ختم نہیں ہوئی کیونکہ ''تحفہ گولڑہ'' سے تین سال بعد مرزا صاحب نے ''نصرۃ الحق'' لکھی۔ چونکہ احادیث نبویہ میں آنے والے مسیح موعود کا نام ابن مریم مرقوم وموجود ہے۔ ادھر مرزا صاحب کی والدہ مکرمہ کا نام چراغ بی بی تھا اس اعتراض کو اٹھانے کے لیے مرزا صاحب نے کتاب ''نصرۃ الحق'' مرقومہ ۱۹۰۵ء میں ایک عجیب بیان دیا جو قابل دید وشنید ہے۔ چنانچہ لکھا ''براہین احمدیہ حصص سابقہ میں ایک لطیف استعارہ کے رنگ میں مجھے ابن مریم ٹھہرایا گیا۔ اول میرا نام خدا تعالیٰ نے مریم رکھا اور فرمایا یا مریم اسکن انت و زوجک الجنۃ یعنی اے مریم تو اور تیرے دوست جنت میں داخل ہو۔ پھر آگے چل کر کئی صفحوں کے بعد فرمایا یا مریم نفخت فیک من لدنی روح الصدق یعنی اے مریم! میں نے تجھ میں صدق کی روح پھونک دی۔ یہ روح پھونکنا گویا روحانی حمل تھا۔ جب مریم صدیقہؑ میں روح پھونکی گئی تو اس کے یہ معنی تھے کہ اس کو حمل ہو گیا جس سے عیسیٰؑ پیدا ہوا۔ پس اس جگہ بھی اسی طرح فرمایا کہ تجھ میں روح پھونکی گئی' گویا یہ ایک روحانی حمل تھا۔ پھر آگے چل کر آخر کتاب میں مجھے عیسیٰ کر کے پکارا گیا' کیونکہ نفخ ربانی مریمی حالت عیسیٰ بننے کے لیے مستعد ہوئی جس کو استعارہ کے رنگ میں حمل قرار دیا گیا۔ پھر آخر اسی مریمی حالت سے عیسیٰ پیدا ہو گیا'

(صفحہ ۹۴) اس بیان کی تائید بلکہ مزید وضاحت ''کشتی نوح صفحہ ۴۵-۴۶ میں بھی موجود

ہے کہ وہاں زمانہ حمل بھی قریباً دس ماہ تحریر کیا گیا ہے وغیرہ۔ بہر حال اس تحریر میں ''براہین احمدیہ'' کے الہام ''احمد اسکن'' کا مفہوم و مطلب جس پیرائے میں لکھا ہے ہم اس پر مزید حاشیہ آرائی کر کے احمدیوں کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتے۔ وہ خود غور کریں کہ خدا کے صادق انبیاء اسی طرح مضحکہ خیز باتیں کیا کرتے ہیں یا ان کا معیار تکلم اپنے اندر مدبرانہ اور بزرگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ ہمارا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ مرزا صاحب کے دلائل کی حالت مغالطات سے گزر کر انتہائی مضحکات کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔

ایک دفعہ مرزا صاحب بمعہ اہل و عیال قادیان کے ایک باغ میں فروکش تھے تب اخبار بدر میں لکھا گیا: ''حضرت مسیح موعود کا الہام تھا یا آدم اسکن انت و زوجک الجنۃ چنانچہ اس کے مطابق آجکل حضور بمعہ بیوی بچوں کے باغ میں تشریف فرما ہیں'' (مفہوم اخبار بدر' ۶ جولائی ۱۹۰۵ء) یہ مضمون اگرچہ بظاہر مریدان مرزا کا ہے مگر در حقیقت مرزا جی ہی کا ہے کیونکہ مرزا صاحب کا عام اصول تھا کہ جو ہماری راہ چلتا ہے وہ ہم سے جدا نہیں۔ اور جو ہمارے مقاصد پورے کرتا ہے وہ درحقیقت ہمارے ہی وجود میں داخل ہے' (ازالہ اوہام' صفحہ ۴۱۶ طبع اول۔ صفحہ ۱۷۱ طبع دوم) یہاں غور کرنے کے لائق بات یہ ہے کہ ''براہین احمدیہ'' میں لفظ جنت کی تشریح ''وسائل نجات'' اور ''تریاق القلوب'' میں بہن جنت بتائی اور یہاں قادیان کا باغ لکھا ہے۔

(مولانا معمارؒ کہتے ہیں کہ) کس قدر چرب زبانی لفاظی ولسانی سے ایک معمولی، راولانہ بے سرو پیر' ......تک بندی کو مصفیٰ عظیم الشان فوق العادت پیش گوئی قرار دیا ہے اور جو معقول پسند اس مکروہ چالبازی کو شائستہ اعتنا نہ سمجھے اسے اپنی مسیحانہ خوش کلامی سے سخت بے حیا قرار دیا ہے۔ پھر کیا یہ عظیم الشان پیش گوئی پوری ہوئی؟ کیوں سلطان محمد، مرزا غلام احمد کی موت کے بعد بھی مثل زہریلے سانپ کے قادیانیوں کے سینوں پر لوٹتا رہا؟

مرزا صاحب نے لکھا ہے ''براہین احمدیہ'' میں بہت سے اسرار ہیں جو اب کھلتے جاتے ہیں اور اوپر والی اس تشریح کو انہوں نے منجاب اللہ بتایا ہے۔ اور یوں بھی ان کا عام اصول ہے کہ ہر نبی کا ہر قول وفعل بحکم خدا ہوتا ہے۔ خاص کر جو پیش گوئی مخالفوں کے روبرو پیش کی جاتی ہے ملہم لوگ حضرت احدیت میں توجہ کر کے اس کا انکشاف کرا لیتے ہیں۔ پس کیا وجہ ہے کہ اس الہامی انکشاف کے بعد مرزا جی نے اسی الہام کو آسمانی خسر

اور اس کے داماد سے ہٹا کر کابل میں دو سنگسار ہونے والے مریدوں پر لگا دیا۔ شاید اس لیے کہ مرزا جی پر بڑھاپا غالب آ رہا تھا اور سلطان محمد مرنے میں نہ آتا تھا۔ سنو۔ مرزا جی راقم ہیں: ''ذکر اس پیش گوئی کا جو براہین کے صفحہ ۵۱۱ میں درج ہے شاتان تذبحان وکل من علیھا فان تیری جماعت میں سے دو بکریاں ذبح کی جائیں گی۔ یہ پیش گوئی مولوی عبد اللطیف اور ان کے شاگرد عبد الرحمٰن کے بارے میں ہے جو ''براہین احمدیہ'' میں لکھے جانے کے پورے تیئس برس بعد پوری ہوئی۔ (تذکرہ الشہادتین ۱۹۰۳ء صفحہ ۷۰) مرزائیو! یہ پیش گوئی تو بتشریح الہامی احمد بیگ اور اس کے داماد کے متعلق تھی جو نہائت ہی مصفی عظیم الشان اور فوق العادت تھی جس سے انکار کرنے والا بقول مرزا صاحب سخت بے حیا تھا۔ پس مرزا صاحب کا اس جگہ عملاً اس پیش گوئی سے انکار کر کے اسے دوسری جگہ لگانا سخت بے حیائی نہیں تو کیا ہے؟ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ ''براہین کی پیش گوئی ''شاتان تذبحان'' مجھے مدت تک اس کے معنی معلوم نہ ہوئے بلکہ اور اور جگہ کو محض اجتہاد سے اس کا مصداق ٹھہرایا لیکن جب مولوی عبد اللطیف اور شیخ عبد الرحمٰن امیر کابل کے ناحق ظلم سے قتل کیے گئے تب روز روشن کی طرح کھل گیا کہ اس پیش گوئی کے مصداق یہی دونوں تھے۔ (حقیقت الوحی، صفحہ ۲۶۲)

ناظرین! ضمیمہ ''انجام آتھم'' کی عبارت ملاحظہ کریں وہاں اس اور اس کے ساتھ کی دوسری گول مول پیش گوئیوں کے متعلق صاف مرقوم ہے کہ ان کا سر (بھید) اس وقت خدا نے مجھ پر کھول دیا ہے۔ براہین میں ایسے بہت سے اصرار ہیں جو اب کھلتے جاتے ہیں (صفحہ ۵۴-۵۵)۔ نیز ہم تحریرات مرزا نقل کر آئے ہیں کہ ان کا ہر قول فعل بقول خود بحکم خدا تھا۔ لہٰذا اس جگہ مرزا کا یہ عذر ''مجھے مدت تک اس کے معنی معلوم نہ ہوئے'' اجتہاد سے اور اور جگہ اس کا مصداق ٹھہراتا رہا' صریح کذب' اور صاف مغالطہ ہے۔

اور مرزا صاحب کا ایک الہام یوں ہے: قتل خیبة وزید ہیبة ایک شخص جو مخالفانہ کچھ امید رکھتا تھا وہ ناامیدی سے ہلاک ہو گیا اور اس کا مرنا ہیبت ناک ہوگا' (الہام ۹ جنوری ۱۹۰۳ء' صفحہ ۷۷۔ البشریٰ)۔ اس تحریر میں کوئی تعین نہیں کہ وہ شخص کون ہے؟ اس وقت سے پہلے مر چکا ہے یا آئندہ مرے گا' الہامی لفظ زمانہ ماضی کی حکایت کر رہے ہیں۔ یعنی ایک شخص زمانہ سابقہ میں ناکام ہلاک ہو گیا مگر بقایا ترجمہ زمانہ آئندہ کی خبر

دے رہا ہے ''اس کا مرنا ہیبت ناک ہوگا''۔ مرزا صاحب کا مطلب اس دورخی سے یہ تھا کہ اگر ان دنوں کوئی مخالف مرگیا تو اس پر لگا دیں گے ورنہ کسی گزشتہ مخالف کے سر منڈھ دیں گے۔ بہر حال اس سے اتنا صاف عیاں ہے کہ مصداق اس الہام کا کوئی مخالف مرزا ہے۔

خدا کی قدرت ہے کہ اس کے چند دن بعد ہی ایک سقہ جو مرزا جی کے ہاں پانی بھرا کرتا تھا فوت ہوگیا، پھر کیا تھا آپ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً سے پہلے اسے اس کا مصداق ٹھہرا دیا۔ چنانچہ اخبار بدر مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء میں لکھا کہ ، ایک سقہ جو کہ حضرت اقدس کے ہاں پانی بھرا کرتا تھا وہ ایک ناگہانی موت سے مرگیا اور اسی دن اس کی شادی تھی اس کی موت پر آپ نے فرمایا کہ مجھے خیال آیا کہ قتل خيبة وزيد هيبة جو وحی ہوئی تھی وہ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ (مولانا معمارؒ کہتے ہیں کہ) اصل الہام اور اس کے ترجمہ سے صاف عیاں ہے کہ یہ کسی بد ارادہ مخالف کے متعلق تھا لہٰذا اسے گھر کے ماشکی پر لگانا سوائے دفع الوقتی کے کچھ معنی نہیں رکھتا۔ تاہم آگے ملاحظہ ہو کہ اس واقعہ کے قریباً سات ماہ بعد جبکہ مرزا جی کے دو مرید کابل میں قتل ہو چکے تھے مرزا جی نے ان کی موت کو اپنا معجزہ بنانے کے لیے منجملہ کئی ایک جھوٹے الہاموں کے یہ بھی پیش کر دیا کہ، اس سے پہلے ایک صریح وحی الٰہی صاحب زادہ مولوی عبد اللطیف کی نسبت ہوئی جبکہ وہ زندہ تھے بلکہ قادیان میں موجود تھے وہ یہ ہے قتل خيبة وزيد هيبة (تذکرۃ الشہادتین حاشیہ صفحہ ۷۳)۔ پھر اس مضمون کو ''حقیقت الوحی'' صفحہ ۲۶۳ پر بھی بطور نشان صداقت درج کیا ہے۔ حالانکہ یہ پیش گوئی گھڑتے وقت تو کوئی تعیین نہ کی بلکہ مخالفوں کے بارے میں اسے ظاہر کیا۔ اس کے بعد ایک بے ضرر غریب سقہ فوت ہوا تو یہ سوچ کر کہ کہیں ہمارا الہام یونہی بے مصداق برباد نہ ہو جائے اسی پر لگا دیا مگر چند ہی ماہ بعد سابقہ بیانوں پر بکمال صفائی جھاڑ و پھیر کر اپنی غیب دانی کے ثبوت میں کابلی مقتولوں کو مصداق بنا دیا۔

یکم جون ۱۹۰۴ء کو مرزا صاحب نے کئی ایک گول مول فقرات بنام الہام سنائے۔ ان میں ایک یہ بھی تھا عفت الديار محلها و مقامها۔ یہ الہام اخبار الحکم ۳۱۔مئی ۱۹۰۴ء کے صفحہ ۹ کالم ۴ پر درج ہے۔ اس کے آگے خطوط وحدانی کے اندر مرقوم ہے (متعلقہ طاعون) اس کے سوا اور کوئی لفظ اس کی تشریح میں نہیں۔ نہ تو اس کا ترجمہ ہی کیا

ہے اور نہ ہی یہ بتایا کہ یہ کسی آئندہ پڑنے والی طاعون کی بیماری کے بارے میں ہے یا کسی گزشتہ طاعون کی حکایت ہے جس نے قادیان میں زوردار صفائی پھیری تھی۔ بہرحال ایک ربڑ کا گیند ہے جسے ٹھوکر مار کر ہر طرف لڑھکایا جا سکتا ہے۔

عفت الدیار محلها و مقامها لبید عامری کے اس قصیدے کا پہلا مصرعہ ہے جو سبعہ معلقات میں شامل ہے۔ اس کا ترجمہ بالفاظ مرزا یہ ہے' میرے پیاروں کے گھر منہدم ہو گئے۔ ان عمارتوں کا نام ونشان نہ رہا۔ جو عارضی سکونت کی عمارتیں تھیں اور نہ وہ عمارتیں رہیں جو مستقل سکونت کی عمارتیں تھیں ، ۔ اس مصرعے کو مرزا صاحب نے اپنا الہام بنا کر شائع کر دیا۔ بہر حال اس الہام میں طاعون کا کوئی ذکر نہیں' (ضمیمہ نصرۃ الحق۔ صفحہ ۸۸)۔ مگر مرزا جی نے پنجاب میں طاعون کی رفتار دیکھ کر اسے متعلقہ طاعون ظاہر کیا۔ مطلب یہ کہ اگر آئندہ زمانہ میں مثل سابق پنجاب میں کبھی دوبارہ طاعون کا زور ہوا تو کہہ دیں گے کہ دیکھو ہم نے پہلے سے ہی اس کی خبر دے رکھی تھی۔ اب کوئی سخت بے حیا ہی ہوگا جو اس صریح واضح اور عظیم الشان فوق العادت پیش گوئی سے منکر ہو اور اگر طاعون نہ پھیلا تو چونکہ اس مصرع میں زمانہ ماضی کا ذکر ہے کہہ دوں گا کہ ان آنکھوں کے اندھوں بد ذات علماء کو نظر نہیں آتا کہ الہام میں صاف ماضی کا ذکر ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء میں جب پنجاب میں طاعون کا تھوڑا سا زور ہوا تو آپ نے جھٹ کہہ دیا کہ، دوستو! خدا تعالیٰ آپ کے حال پر رحم کرے' آپ صاحبوں کو معلوم ہوگا کہ میں نے آج سے قریباً نو ماہ پہلے الحکم اور البدر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اطلاع پا کر یہ وحی الٰہی شائع کرائی تھی کہ عفت الدیار محلها ومقامها۔ یعنی ملک عذاب الٰہی سے مٹ جانے کو ہے۔ نہ مستقل سکونت کی جگہ رہے گی اور نہ عارضی سکونت کی۔ یعنی طاعون کی وبا ہر جگہ عام طور پر پڑے گی۔ دیکھو اخبار الحکم ۳۰ مئی ۱۹۰۴ء (صحیح بتاریخ ۳۱ جولائی ۱۹۰۴ء ہے۔ ناقل) نمبر ۱۸ جلد ۸ کالم ۳ (کالم ۴ میں ہے) اور اخبار البدر نمبر ۲۰۔ ۲۱ مورخہ ۲۴ مئی یکم جون ۱۹۰۴ء۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ وقت بہت قریب آ گیا ہے۔ میں نے اس وقت جو آدھی رات کے بعد چار بج چکے ہیں بطور کشف دیکھا ہے کہ دردناک موتوں سے عجیب طرح پر شور قیامت برپا ہے۔ میرے منہ پر یہ الہام الٰہی تھا کہ موتا موتی لگ رہی ہے۔ خدا نے مجھے خبر دی ہے طاعون کے اس سخت حملہ کی جو

عنقریب ہونے والا ہے۔ یہ اس لیے کہ لوگ متنبہ ہو جائیں۔

(اشتہار الوصیت مندرجہ تبلیغ رسالت' جلد ۱۰' صفحہ ۲۷ تا ۵۷)

اس تحریر میں خود مرزا جی نے اس فقرہ ''عفت الدیار'' سے مراد بوحی الٰہی طاعون لکھی ہے۔ اس کی مزید تشریح دوسرے مقام پر یوں کی گئی ہے کہ کسوف اور خسوف کے ساتھ ہی قرآن شریف میں ''این المفر'' آیا ہے جس سے یہی مراد ہے کہ طاعون اس کثرت سے ہو گی کہ کوئی جگہ پناہ نہ رہے گی۔ میرے الہام ''عفت الدیار محلھا ومقامھا'' کے یہی معنی ہیں۔ ناظرین اس لفظ ''یہی'' کو یاد رکھیں (اخبار الحکم ۲۴ نومبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۲) یہاں کس زور شور سے اس الہام سے لفظ ''یہی'' کے ساتھ طاعون پر تمسک کیا ہے۔ مگر آپ یہ سن کر انگشت بدنداں رہ جائیں گے کہ مرزا جی نے اسی الہام سے (جس کا مطلب یہاں طاعون بتایا ہے وہ بھی لفظ یہی کے ساتھ جو حصر کے لیے آتا ہے) دوسرے وقت میں اسی لفظ ''یہی'' سے زلزلہ عظمیہ کے بعد اس کا مطلب زلزلہ بتایا ہے لکھتے ہیں:

دیکھو وہ نشان کیسا پورا ہوا اور جیسا کہ میں نے ابھی لکھا ہے کہ پیش گوئی مذکورہ الحکم اور البدر میں اس زلزلہ سے قریباً پانچ ماہ پہلے شائع کر دی گئی تھی۔ اور پیش گوئی یہ ہے ''عفت الدیار محلھا ومقامھا'' اے عزیزو! اس کے ''یہی'' معنی ہیں کہ محلوں اور مقاموں کا نام ونشان نہ رہے گا۔ طاعون تو صرف صاحب خانہ کو لیتی ہے مگر جس حادثہ کی اس وحی الٰہی میں خبر دی گئی اس کے تو یہ معنی ہیں کہ نہ خانہ رہے گا نہ صاحب خانہ۔ سو خدا تعالیٰ کا فرمان پورا ہو گیا۔ آپ صاحبوں کو معلوم ہے کہ اس کی نسبت اشتہار ''الوصیت'' میں خبر دی گئی تھی۔ (اشتہار الانذار' مورخہ ۸۔ اپریل ۱۹۰۵ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۸۰) ...... اشتہار ''الوصیت'' کی عبارت ایک دفعہ پھر پڑھ لیں وہاں صاف الفاظ میں اس فقرہ کا مطلب طاعون لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ پہلے تو بڑے زور شور سے اس الہام کو ''یہی'' کے لفظ سے مخصوص بہ طاعون لکھا مگر زلزلہ عظیمہ کے بعد اسی لفظ ''یہی'' سے زلزلہ کے متعلق محصور کر لیا۔ جب لوگوں نے اس دورنگی پر اعتراض کیا تو اس کے جواب میں مرزا جی نے لکھا کہ ''ایڈیٹر الحکم نے (جو اس الہام کو ۳۱ مئی ۱۹۰۴ء کے پرچے میں خطوط وحدانی کے اندر متعلقہ طاعون لکھا ہے) ایسا لکھنے میں غلطی۔ اور ایسی

غلطی خود انبیاء علیہم السلام سے پیشگوئیوں کے سمجھنے میں بعض دفعہ ہوتی رہی ہے۔ (ضمیمہ نصرۃ الحق' صفحہ ۱۹) مرزا صاحب کس قدر دھوکہ دہی سے کام لیتے ہیں کہ آپ ہی تو اپنے اشتہار ''الوصیت'' میں اس کو متعلقہ طاعون لکھا پھر اخبار الحکم ۲۴ مئی ۔ ۱۹۰۴ء میں لفظ یہی کے ساتھ طاعون ہی سے حصر کیا۔ مگر یہاں معترض کے جواب میں ایڈیٹر الحکم والی تحریر کو پیش کر کے اس غلطی کو اس بے چارے ناکردہ گناہ کے سر تھوپ دیا۔ اول تو یہی جھوٹ ہے کہ اخبار الحکم ۳۱ مئی ۱۹۰۴ء کے الفاظ ایڈیٹر الحکم کے ذاتی تھے۔ یقیناً وہ موافق تشریح مرزا تھے۔ دوم بفرض محال تسلیم بھی کیا جائے تو خود مرزا جی نے جو اپنی خود نوشت تحریروں میں اسے طاعون سے محصور کیا ہے اس کا کیا جواب؟

مولانا معمارؒ مزید لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب نے ''براہین احمدیہ'' میں اپنے الہاموں کی نمبر شماری کرتے ہوئے صفحہ ۵۵۷ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۴ پر ایک الہام یہ لکھا ہے۔

الفتنة ھھنا فاصبر كما صبر اولو العزم اس جگہ ایک فتنہ ہے سو اولو العزم انبیاء کی طرح صبر کر۔ فلما تجلى ربه للجبل جعله دكا جب خدا مشکلات کے پہاڑ پر تجلی کرے گا تو انہیں پاش پاش کر دے گا۔ قوة الرحمان بعبيد الله الصمد یہ خدا کی قدرت ہے جو اپنے بندے کے لیے وہ ظاہر کرے گا' مرزا جی کے اس خود ساختہ بے تعین و تخصیص بے سروپا فقرہ سے ظاہر ہے کہ ''براہین احمدیہ'' کے وقت جن مشکلات میں مرزا جی گھرے ہوئے تھے ان سے رہائی ہو گی۔ چنانچہ الفاظ اس جگہ فتنہ ہے ، سے موجود فتن کا اظہار ہو رہا ہے۔ ان سطور میں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ آئندہ کسی دور دراز زمان میں جب مرزا جی زیر تیغ ہوں گے ، محفوظ رہیں گے۔ پھر سترہ سال بعد ۱۸۹۷ء میں جبکہ مرزا جی کا ایک اشد مخالف پنڈت لیکھرام کسی ظالم سفاک کے ہاتھوں قتل کیا گیا تو آریوں نے اس قتل میں مرزا جی کا ہاتھ کام کرتا ہوا بتایا۔ چنانچہ اس پر بڑا شور اٹھا۔ بعض آریوں نے مرزا جی کو قتل کی دھمکیاں بھی دیں' اور مرزا جی کی خانہ تلاشی بھی ہوئی۔ چونکہ کوئی ثبوت اس قسم کا مہیا نہ ہو سکا جس سے مرزا جی مجرم ثابت ہوتے اس لیے معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اس واقعہ سے مرزا جی نے اپنی خدا نمائی ثابت کرنے کے لیے سابقہ گول مول الہاموں پر ایک گہری نظر ڈالی۔ آخر آپ کو چند ایک فقرات جو ہر طرف لگائے جا سکیں مل ہی گئے۔ منجملہ ان کے ایک یہ الہام پیش کیا گیا جس کا اوپر

تذکرہ ہو چکا ہے۔ آپ نے اس الہام سے بایں طرز استدلال کیا کہ اس فتنہ کی خبر مجھے سترہ سال پہلے خدا نے دے رکھی تھی جو حرف بحرف پورا صحیح ثابت ہوا۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں:

پھر آگے دوسرے الہامات ہیں جو اس کے بعد ہیں جن میں صریح اشارہ فرمایا گیا ہے کہ یہ وقت کب اور کس وقت ہوگا اور اس قسم کے ارادے اور قتل کے منصوبے کس زمانے میں ہوں گے اور اس سے پہلے کیا علامتیں ظاہر ہوگی اور وہ الہام یہ ہے۔ جو براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۵۷ میں ہے۔ میں اپنی چمکار دکھلاؤں گا۔ اپنی قدرت نمائی سے تجھ کو اٹھاؤں گا۔ دنیا میں ایک نذیر آیا، پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ الفتنة ھھنا فاصبر کما صبر اولو العزم- فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا ان الہامات میں صاف فرما دیا۔ وہ قتل کے منصوبے اس وقت ہوں گے جبکہ ایک چمکدار نشان ظاہر ہوگا۔ اسی وجہ سے ان منصوبوں کا نام اخیر کے الہام میں فتنہ رکھا اور فرمایا کہ اس جگہ فتنہ ہوگا۔ پس اولوالعزم نبیوں کی طرح صبر چاہیے اور یہ بھی فرمایا کہ آخر وہ فتنہ نابود ہو جائے گا۔ یہ تین فتنے ہیں جن کا براہین میں ذکر ہوا اور یہ تینوں ظہور میں بھی آ گئے‘ (استفتاء صفحہ ۲۳-۲۴) مرزا صاحب کی اس قطعی اور یقینی غیب دانی کا پول اور ان کے پرلے درجہ کا غیر صادق ہونے کا یہی ثبوت کافی ہے کہ اس تحریر کے آٹھ سال بعد خود مرزا جی نے اسی الہام کو زلزلہ عظیم کے متعلق بتایا ہے اور اس الہام کے متعلق سابقہ تشریحات کو عالم اخفا کی تاریک قبر میں دفن کرتے ہوئے وہی پرانا عذر کیا ہے کہ سابقہ زمانہ میں اس بات کی طرف میرا ذہن منتقل نہ ہو سکا جس کا نتیجہ صاف ہے کہ مرزا جی کا کوئی بھی بیان صاف گو راست باز انسانوں سا نہیں ہے۔ نیز دیکھئے مرزا صاحب لکھتے ہیں:

’’یاد رہے کہ ان دونوں زلزلوں کا ذکر میری کتاب ’’براہین احمدیہ‘‘ میں بھی موجود ہے جو آج سے پچیس برس پہلے اکثر ممالک میں شائع کی گئی تھی۔ اگرچہ اس وقت خارق عادت بات کی طرف ذہن منتقل نہ ہو سکا۔ پیش گوئی ’’براہین احمدیہ‘‘ میں زلزلے کے بارے میں یہ ہے۔ میں اپنی چمک دکھلاؤں گا اپنی قدرت نمائی سے تجھ کو اٹھاؤں گا۔ دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور

حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کرے گا۔

الفتنة ھھنا فاصبر کماصبر اولو العزم۔ فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا۔ قوة الرحمان لعبید الله الصمد

عربی کا ترجمہ یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ ان دنوں میں تیرے پر ایک فتنہ برپا کیا جائے گا۔ پس خدا تجھے بری کرنے کے لیے ایک نشان دکھائے گا اور وہ یہ کہ پہاڑ پر اس کی تجلی ہوگی اور وہ پہاڑ کو پارہ پارہ کر دے گا۔ یہ خدا کی قوت سے ہوگا تا وہ اپنے بندہ کے لیے نشان دکھائے۔

(دیکھو براہین احمدیہ' صفحہ ۵۵۷' ریویو آف ریلیجنز صفحہ ۲۴۳ جلد ۴ نمبر ۶ ماہ جون ۱۹۰۵ء)

مولانا معمار قادیانیوں سے پوچھتے ہیں کہ ایمان و دیانت کو ملحوظ رکھ کر سوچو اور بتاؤ کہ تمہارے نزدیک مسیح موعود بننے والے انسان کو اسی قدر دیانت و امانت' راست گوئی و راست روی یا بالفظ دیگر اسی قدر لفاظی و لسانی' مغالطہ و مبالغہ' دو رخی' سہ رخی کی ضرورت ہے یا اس سے بھی زیادہ کی؟ (مغالطات مرزا)

''براہین احمدیہ'' کے بارے میں ایک جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''یہ کتاب کمال تہذیب سے تصنیف کی گئی ہے اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس میں کسی بزرگ یا پیشوا کسی فرقے کی کسر شان لازم آئے اور ہم ایسے الفاظ کو صراحتاً یا کنایتاً اختیار کرنا خبث عظیم سمجھتے ہیں۔ مختلف فرقوں کے بزرگ ہادیوں کو بدی اور بے ادبی سے یاد کرنا پرلے درجے کی خباثت اور شرارت سمجھتے ہیں''۔ (براہین احمدیہ' صفحہ ۱۰۱-۱۰۲)

پھر اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

''پنڈت دیانند پر بڑا افسوس ہے کہ ''وید'' کو کھرا اور باقی خدا کی کتابوں کو (انہوں نے) کھوٹا قرار دیا ہے۔ ان واہیات باتوں اور بیہودہ چالاکیوں کا (باعث) یہ ہے کہ علاوہ کم فہمی اور بے علمی اور تعصب کے ان کی فطرت سودائیوں اور وہمیوں کی طرح وضع استقامت پر قائم ہونے سے لاچار ہے۔ اگر شرم اور حیا اٹھ گیا تھا تو کاش لوگوں کے لعن طعن کا اندیشہ باقی رہتا۔ پنڈت صاحب کا کچھ مادہ ہی ایسا ہے'' (صفحہ ۱۱۲-۱۱۳ براہین)

اور ایک دوسری جگہ مرزا صاحب نے فرمایا:

''یسوع جو عیسائیوں کا مردہ خدا ہے اس درماندہ انسان، اس نادان اسرائیلی نے معمولی

باتوں کا نام پیشگوئی رکھا۔شریرٔ مکار یسوع کی بندشوں پر قربان جائیں آپ کی عقل بہت موٹی تھی، آپ کو گالیاں دینے اور بد زبانی کی اکثر عادت تھی' اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے۔ آپ کو کسی قدرت جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔۔آپ علمی اور عملی قویٰ میں کچے تھے۔ آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر تھا۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا خون وجود پذیر ہوا''۔ (ملخص ضمیمہ انجام آتھم' حاشیہ صفحہ ۵ تا ۷)

مولانا عبداللہ معمارؒ مرزا صاحب کی ان تحریروں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان توہین آمیز تحریرات کو ملاحظہ کر کے بروئے قول ''براہین احمدیہ'' قادیانی حضرات فیصلہ دیں کہ مرزا صاحب خبث عظیم کے کس قدر مرتکب ہوئے ہیں؟ اور جو مرزا صاحب نے کہا ہوا ہے کہ ''میرے سخت الفاظ جوابی طور پر ہیں'' (تبلیغ رسالت' جلد ۶' صفحہ ۱۶۵۔ اشتہار واجب الاظہار صفحہ ۱۰) تو یہ بھی مرزا صاحب ہی کا فرمودہ ہے کہ ''ایک بزرگ کو کسی کتے نے کاٹا (اس کی) چھوٹی لڑکی بولی آپ نے کیوں نہ کاٹ کھایا؟ جواب دیا بیٹی انسان سے کت پن نہیں ہوتا'' اسی طرح جب کوئی شریر گالی دے تو مومن کو لازم ہے کہ اعراض کرے، نہیں تو وہی کت پن کی مثال لازم آئے گی۔

(تقریر مرزا در جلسہ قادیان ۱۸۹۷ء۔ رپورٹ صفحہ ۹۹)

جب عند المرزا گالی کا جواب گالی سے دینا کت پن ہے، تو مرزا صاحب پر کت پن کی مثال صادق آتی ہے کہ نہیں؟۔ (اہل حدیث امرتسر' یکم جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۴)

ایک دفعہ ایک (دو ورقہ) اشتہار قادیان سے نکلا جس میں ''براہین احمدیہ'' کے حوالے سے مرزا صاحب کی سات پیشگوئیاں سچی بتائی گئیں جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ میری طرف لوگوں کا رجوع ہوگا۔

۲۔ مجھے مالی امداد پہنچے گی۔

۳۔ اتنے لوگ آئیں گے کہ سڑکیں ٹوٹ جائیں گی۔

۴۔ خدا میری حفاظت کرے گا۔

۵۔ میری شہرت ہوگی۔

۶۔ بسبب اژدھام لوگوں کے تو (مرزا) ان سے بدخلقی کرے گا۔

۷۔ میرے پاس آنے والے لوگوں میں سے کچھ لوگ اصحاب صفہ کہلائیں گے۔

مولانا ثناء اللہؒ اس اشتہار پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

یہ پیش گوئیاں تو ایسی معمولی باتیں ہیں کہ ہر دکاندار ہر ایک مولوی واعظ مصنف کہا کرتا ہے کہ دنیا عنقریب میری قدر کرے گی' میری زندگی میں نہیں کرے گی تو بعد وفات ضرور کرے گی' ہاں بڑی قابل قدر اور اہمیت رکھنے والی پیش گوئی وہ ہے جو اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ ہم مسلمانان دنیا بلکہ جملہ آدم اس کے وقوع کے منتظر ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ وہی ایک پیشگوئی ہے جس کو پیشگوئی کہہ سکتے ہیں باقی تو اس شعر کی طرح ہیں:

دندان تو جملہ در دہان است
چشمان تو زیر ابروان تو

ہاں وہ پیش گوئی ایسی ہے کہ ہم اس کو خود مرزا صاحب ہی کے الفاظ میں بیان کریں۔ پس ناظرین بغور پڑھیں۔ مرزا صاحب متوفی لکھتے ہیں کہ هو الذى ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ۔ یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیش گوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ ظہور میں آئے گا اور حضرت مسیح دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔ (حاشیہ براہین احمدیہ' صفحہ ۴۹۸) (مولانا ثناء اللہ کہتے ہیں) بات دوٹوک ہے مرزا صاحب اگر مسیح موعود تھے تو یہ قرآنی اور مرزا صاحب کی بتیانی پیشگوئی کیوں سچی نہیں۔

(اہل حدیث' جلد ۳۲' ۱۵ شعبان ۱۳۵۳ھ صفحہ ۶)

مرزا صاحب نے ''براہین احمدیہ'' میں مسیح کی حیات کا اقرار کر کے بتایا تھا کہ عیسیٰ بن مریم دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ بعد میں آپ اس سے مکر گئے اور لکھا:

میں نے ''براہین احمدیہ'' میں غلطی سے توفی' کے معنی ایک جگہ پورا دینے کے کیے ہیں جس کو بعض مولوی صاحبان بطور اعتراض پیش کیا کرتے ہیں مگر یہ امر جائے اعتراض نہیں' میں مانتا ہوں کہ وہ میری غلطی ہے۔

(ایام الصلح صفحہ ۴۱' براہین احمدیہ حصہ ۵ صفحہ ۳۷ حاشیہ منقول از تذکرہ صفحہ ۹۷ حاشیہ)

اور یہ کہ

میں نے براہین احمدیہ میں یہ بھی اعتقاد ظاہر کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام واپس آئیں گے مگر یہ میری غلطی تھی۔ (روحانی خزائن جلد ۱۴ ''ایام الصلح''، صفحہ ۲۷۲)

اور یہ کہ

''براہین احمدیہ میں' میں نے یہ لکھا تھا کہ مسیح ابن مریمؑ آسمان سے نازل ہوگا مگر بعد میں یہ لکھا کہ آنے والا مسیح میں ہی ہوں۔ اس تناقض کا بھی یہی سبب تھا کہ اگرچہ خدا تعالیٰ نے ''براہین احمدیہ'' میں میرا نام عیسیٰ رکھا اور یہ بھی مجھے فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر خدا اور رسولؐ نے دی تھی مگر چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اس اعتقاد پر جما ہوا تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اس لیے میں نے خدا کی وحی کو ظاہر پر حمل نہ کرنا چاہا بلکہ اس وحی کی تاویل کی اور اپنا اعتقاد وہی رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اسی کو ''براہین احمدیہ'' میں شائع کیا۔ لیکن بعد اس کے اس بارہ میں بارش کی طرح وحی الٰہی نازل ہوئی کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا تھا تو ہی ہے' ساتھ اس کے صدہا نشان میرے پر جبر کر کے مجھے اس طرف لے آئے کہ آخری زمانہ میں مسیح آنے والا میں ہی ہوں ورنہ میرا اعتقاد تو وہی تھا جو میں نے ''براہین احمدیہ'' میں لکھ دیا تھا۔

(روحانی خزائن جلد ۲۲ (حقیقت الوحی) صفحہ ۱۵۳)

الفضل قادیان۔ ۱۳ اگست ۱۹۴۰ء کے صفحہ ۳ پر میر محمد اسحاق کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں انہوں نے حیات مسیح کے مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں حیات مسیح کا عقیدہ رائج نہ تھا لیکن صحابہ کے بعد جلد ہی یہ ظلمت دنیا بھر پر چھا گئی' جب یہ مسئلہ عیسائیوں کے ہاتھ میں اسلام کے خلاف بطور ہتھیار استعمال ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے مجدد اعظم کے ذریعے دنیا پر اس کی بطالت کی تردید شروع کی''۔

مولانا امرتسریؒ یہ اقتباس اپنے اخبار میں شائع کر کے اس پر یوں تبصرہ کرتے ہیں

''اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ مجددیت خاص حیات مسیح کے ابطال کے لیے تھا۔ اب ہم میر (محمد اسحاق) صاحب اور ان کے ہم خیالوں کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ ''براہین احمدیہ'' کو دیکھیں کہ یہ کتاب مرزا صاحب نے بزمانہ مجددیت لکھی تھی۔ اس کے صفحہ ۴۹۹ پر حیات مسیح کا عقیدہ صاف الفاظ میں ملتا ہے۔ اگر یہ عقیدہ ایسا ہی غلط اور باطل تھا کہ اس کی اصلاح کے لیے مجدد اعظم (مرزا صاحب) کو مبعوث

کرنے کی ضرورت پڑی تو خود مجدد اعظم کیوں اسی غلط عقیدہ کے قائل ہو کر ظلمت و ضلالت میں مبتلا ہو گئے"۔ (اہل حدیث امرتسر' ۱۶ اگست ۱۹۴۰ء صفحہ ۳)

غلام احمد پرویز صاحب نے بھی مرزا صاحب کی "براہین احمدیہ" پر نقد و تبصرہ کیا ہے اور اس میں دیئے گئے الہامات اور بعد میں ان سے نئے نئے دعوے کے استخراج اور مرزا صاحب کی مکاریوں کا ذکر کیا ہے۔ پرویز صاحب کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے فرمایا کہ براہین کے بعد پھر میں تقریباً بارہ برس تک جو ایک زمانہ دراز ہے بالکل اس سے بے خبر رہا اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شدومد سے "براہین" میں مسیح موعود قرار دیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کے رسمی عقیدہ پر جما رہا۔ جب بارہ برس گزر گئے تب تواتر سے اس بارے میں الہامات شروع ہوئے کہ تو ہی مسیح موعود ہے۔ (اعجاز احمدی، ضمیمہ نزول المسیح صفحہ ۷۔ تحریک احمدیت صفحہ ۴۴،۴۳) یعنی براہین احمدیہ کی اشاعت کے بعد بارہ سال تک انہوں نے اور دعوے نہیں کئے اور ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا (تحریک احمدیت ص ۴۳۔۴۴)۔ پھر پرویز صاحب، مرزا صاحب کے طریقہ کار کی وضاحت انہی کی زبان سے یوں کرواتے ہیں:

"اور یہ الہامات اگر میری طرف سے اس موقع پر ظاہر ہوتے جب کہ علماء مخالف ہو گئے تھے تو وہ ہزارہا اعتراضات کرتے لیکن وہ ایسے موقع پر شائع کیے گئے جبکہ یہ علماء میرے موافق تھے۔ یہی سبب ہے کہ باوجود اس قدر جوشوں کے ان الہامات پر انہوں نے اعتراض نہیں کیا کیونکہ وہ ایک دفعہ انہیں قبول کر چکے تھے اور سوچنے سے ظاہر ہو گا کہ میرے دعویٰ مسیح موعود ہونے کی بنیاد انہی الہامات پر پڑی ہے اور انہی میں خدا نے میرا نام عیسیٰ رکھا اور جو مسیح موعود کے حق میں آیتیں تھیں وہ میرے حق میں بیان کر دیں۔ اگر علماء کو خبر ہوتی کہ ان الہامات سے تو اس شخص کا مسیح ہونا ثابت ہوتا ہے تو وہ کبھی ان کو قبول نہ کرتے۔ یہ خدا کی قدرت ہے کہ انہوں نے قبول کر لیا اور اس پیچ میں پھنس گئے"۔ (اربعین نمبر ۲' صفحہ ۳۱)۔ پرویز صاحب کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کی تدریجی نبوت کا سارا راز اس اقتباس کے آخری الفاظ میں پوشیدہ ہے۔ یعنی انہوں نے کشف و الہام اور ولایت کے ایسے دعوے کیے جو مسلمانوں کے نزدیک قابل اعتراض نہ تھے' پھر اپنے الہامات میں ایسا ابہام رکھا کہ نظر بظاہر ان میں کوئی بات قابل مواخذہ دکھائی نہ دے' یوں انہوں نے لوگوں کو اپنے پیچ میں پھنسایا۔ (تحریک احمدیت۔ صفحہ ۴۵)

مرزا صاحب براہین کہتے ہیں کہ حصہ پنجم کے چھپنے میں تاخیر ہونے میں ، حکمت یہ تھی کہ تا اس وقت تک پنجم حصہ دنیا میں شائع نہ ہو جب تک کہ وہ تمام امور ظاہر ہو جائیں جن کی نسبت ''براہین احمدیہ'' کے پہلے حصوں میں پیش گوئیاں ہیں کیونکہ ''براہین احمدیہ'' کے پہلے حصے عظیم الشان پیش گوئیوں سے بھرے ہوئے ہیں اور پنجم حصہ کا عظیم الشان مقصد یہی تھا کہ وہ موعودہ پیش گوئیاں ظہور میں آ جائیں اور یہ خدا کا ایک خاص نشان ہے کہ اس نے محض اپنے فضل سے اس وقت تک مجھے زندہ رکھا یہاں تک کہ وہ نشان ظہور میں آ گئے تب وہ وقت آ گیا کہ پنجم حصہ لکھا جائے۔

(روحانی خزائن جلد ۲۱' (دیباچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم) صفحہ ۸)

یعنی جب وہ ۱۸۸۰ء اور ۱۸۸۵ء میں کہہ رہے تھے کہ میں نے کتاب تالیف کی ہے اور کتاب مکمل ہو چکی ہے وغیرہ۔ وہ سب غلط باتیں تھیں اور جب وہ منشی رستم علی کو کہہ رہے تھے کہ پانچواں حصہ عنقریب شائع ہوگا وہ بھی غلط بات تھی۔ حصہ پنجم اس وقت موجود ہی نہ تھا اس کے علاوہ مرزا صاحب کا کہنا کہ پانچواں حصہ اس وقت شائع ہوا جب وہ تمام پیش گوئیاں جو پہلے چار حصوں میں درج ہیں وہ پوری ہو چکی ہیں اس کا حال ہم اپنی اس کتاب میں جا بجا اور خاص اس باب میں بھی بیان کر چکے ہیں۔

مولانا شفا مبارکپوری اعظمی ، براہین احمدیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ پہلے پچاس حصہ لکھنے کا ارادہ تھا مگر پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پچاس حصہ لکھنے کا ارادہ مرزا صاحب کی اپنی مرضی و اختیار سے تھا اور اپنی مرضی و اختیار سے پچاس کے بجائے پانچ پر اکتفا کیا اور جو چاہا لکھا۔غرض مرزا صاحب نے یہ سب کام بارادہ و با اختیار خود بلا الہام و بغیر غیبی القاء کے کیا مگر اس کے برخلاف آپ کی ایک اور تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ ''براہین'' کی تصنیف اور انتہا خدا کی تعالیٰ کے قبضہ اختیار میں تھی۔ مرزا صاحب کو بہ مرضی خود لکھنے اور ختم کرنے کا اختیار نہ تھا چنانچہ مرزا صاحب ''براہین'' ہی میں لکھتے ہیں۔

مجھے معلوم نہیں کہ یہ کتاب کہاں اور کب ختم ہو گی۔ اس کے ظاہر و باطن کا متولی خدا ہے جو باتیں سمجھا دے گا لکھوں گا جہاں ختم کر دے گا بند ہو جائے گی۔

ان دو عبارتوں کو ملحوظ رکھ کر دو باتوں پر غور کریں۔

۱۔ یہ کہ مرزا صاحب نے براہین کو اپنی مرضی اور اختیار سے ختم کیا یا اذن خدا سے؟
ہماری تحقیق بنا پر تصریح مرزا یہ ہے کہ انہوں نے اپنی مرضی و اختیار سے پچاس کے بجائے پانچ ہی پر ختم کر دیا۔

۲۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں: ''اس کا ظاہر و باطن متولی خدا ہے جو باتیں مجھے سمجھا دے لکھوں گا' جب کہ حقیقت یہ ہے کہ براہین میں فن تصنیف اصول مناظرہ وعلم معقول و منقول کی رو سے بہت سے نقائص وعیوب ہیں۔ (ملاحظہ ہو رسالہ نا قابل مصنف مرزا) اور ان عیوب کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ براہین الہام کا نتیجہ نہیں۔

مولانا شفا کی بات کے متعلق مولانا امرتسری نے فرمایا کہ

براہین احمدیہ کو مصنف کے دعوے کی روشنی میں دیکھا جائے تو ساری بحث ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب نے براہین کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس کتاب کے مکمل شائع ہونے کے بعد تمام مذہبی جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ مذہبی جھگڑے آئے دن بڑھتے اور ترقی کرتے جا رہے ہیں۔ منطقی طریق پر قیاس استثنائی بنایا جائے تو مطلع بالکل صاف ہے۔ حماسہ میں ایک شعر قیاس استثنائی کی شکل میں یوں ہے۔

لو کنت من مازن لم تستبح ابلی
بنو لقیطة من زحل ابن شیبان

اونٹوں کا عدم سرقہ قبیلہ مازن سے ہونے کو مستلزم بتایا ہے لیکن سرقہ چونکہ ہو گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ شاعر مازن قبیلہ سے نہیں ہے ورنہ اونٹ نہ چرائے جاتے۔ ٹھیک اسی طرح ''براہین احمدیہ'' کے متعلق قیاس استثنائی یوں بنے گا:

لو تم و شاع لن تقع الجدال
لاکن الجدال موجود فلم یتم الکتاب

جامعہ احمدیہ قادیان کے استاد و اور پروفیسرو! علم میزان میں کچھ دخل رکھتے ہو تو ہمارے قیاس کا جواب دو مگر یہ سمجھ لینا کہ سامنے کون ہے؟

(اہل حدیث امرتسر۔ ۹، اگست ۱۹۴۶ء صفحہ ۶)

شخصیات

حافظ محمد لکھویؒ

حافظ صاحب کا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جس نے پنجاب میں علوم اسلامیہ کی بے مثال خدمات انجام دی ہیں۔ آپ کے دادا حافظ احمد ایک متقی بزرگ اور اپنے علاقے اور عہد کے جید عالم تھے۔ آپ کے والد حافظ بارک اللہ بھی اپنے عہد کے نامور عالم تھے۔ وہ ۱۲۰۱ھ (۱۷۸۶ء) میں پیدا ہوئے تھے۔ اور انہوں نے اپنے والد گرامی سے قرآن حفظ کیا اور عربی اور فارسی کی کتابیں پڑھ کر علوم متداولہ اور فنون مروجہ میں مہارت حاصل کی۔ بعد ازاں انہوں نے دہلی جا کر شاہ غلام علی سے اکتساب فیض کیا اور واپس پنجاب آ کر علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت کی۔ ''انواع بارک اللہ'' کے نام سے انہوں نے پنجابی اشعار میں ایک کتاب تصنیف کی جو شرعی مسائل پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے۔ انہوں نے اور ان کے بیٹے حافظ محمد نے اپنے گاؤں میں ایک مدرسہ بھی جاری کیا تھا جس میں مختلف ادوار کے بہت سے علماء نے تحصیل علم کی۔ حافظ بارک اللہ نے ۱۲۸۷ ہجری (۱۸۷۱ء) میں ۸۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حافظ بارک اللہ کے دو بیٹے تھے حافظ محمد اور حافظ صالح۔ حافظ محمد کی ولادت ۱۸۱۵ء میں ہوئی۔ دونوں بھائیوں نے اپنے گرامی قدر باپ سے علم حاصل کیا اور حافظ محمد صاحب نے سند حدیث شاہ عبد الغنی مہاجر مدنی اور مولانا احمد علی سہارنپوری سے حاصل کی، نیز میر محبوب علی دہلوی سے بھی استفادہ کیا۔ ان کے اپنے مدرسہ کا نام مدرسہ محمدیہ تھا جس میں وہ خود اور ان کے بھتیجے مولانا عبد القادر محدث پڑھاتے تھے (مولانا عبد القادر کے صاحبزادے مولانا عطاء اللہ لکھوی تھے جو استاد پنجاب کے لقب سے معروف ہیں وہ حافظ محمد لکھوی صاحب کے داماد تھے اور انہوں نے ۴۴ سال یہاں پڑھایا۔ مولانا عبد القادر نے ۱۹۲۴ء اور مولانا عطاء اللہ نے دسمبر ۱۹۵۲ء میں وفات پائی)۔ پنجابی شاعری میں حافظ محمد لکھوی کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ نے پورے قرآن کی منظوم تفسیر ۷ جلدوں میں تفسیر محمدی کے نام سے کی۔ اس تفسیر میں پہلے آپ آیت کا پنجابی میں ترجمہ کرتے ہیں پھر فارسی میں۔ اس کے بعد مضمون کو پنجابی میں نظم کرتے ہیں۔ تفسیر

سات جلدوں میں ۱۸۶۹ء سے شروع ہو کر ۱۸۷۹ء میں مکمل ہو کر ۱۹۰۳ء میں طبع ہوئی اور پنجابی کی پہلی مکمل تفسیر کہلائی۔ بطور مقدمہ اصول تفسیر پر آپ کے جامع مقالہ کو پنجابی میں اصول تفسیر کی پہلی کاوش قرار دیا گیا ہے۔

تفسیر محمدی کے علاوہ حافظ محمد نے احوال قیامت میں ''احوال الآخرت'' لکھی اور مسائل فقہ میں ''زینت الاسلام'' تصنیف کی جو دو جلدوں پر محیط ہے۔ عربی میں حدیث کی مشہور کتاب سنن ابی داؤد کے حواشی تحریر کیے۔ مشکوٰۃ کا حاشیہ سپرد قلم فرمایا' دینی مدارس میں ایک کتاب ''ابواب الصرف'' پڑھائی جاتی ہے اور طلباء کو اس کے ابواب زبانی یاد کرائے جاتے ہیں یہ کتاب بھی حافظ محمد لکھوی کی تصنیف ہے۔ فارسی نظم میں آپ نے ''قوانین الصرف'' لکھی جس میں عربی علم صرف کے قواعد بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ''محامد الاسلام' سیف اللہ' عقائد محمدی' رد نیچریت اور ''فوج نامہ'' آپ کی تصانیف ہیں۔ آپ کی تمام کتابیں پنجاب میں عام طور سے پڑھی جاتی تھیں۔

حافظ محمد لکھوی کے شاگردوں میں مولوی رحیم بخش لاہوری' مولوی عبد القادر لکھوی' مولوی عبد الاول غزنوی' مولوی عبد التوب ملتانی' مولوی غلام نبی سوہدروی وغیرہ شامل ہیں۔

حافظ محمد لکھویؒ مرحوم تحریک ختم نبوت کے اولین اور بزرگ کارکنوں میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ ۱۸۹۱ء میں مرزا غلام احمد پر جو متفقہ فتویٰ تکفیر صادر کیا گیا تھا اس پر آپ نے بھی دستخط فرمائے ہیں۔

رحیم بخش لاہوریؒ

مولوی رحیم بخش صاحب قوم کے ککے زئی تھے۔ آپ کے والد صاحب کا نام عبد اللہ اور آپ موضع ملوال ضلع فیروز پور کے رہنے والے تھے۔ کم سنی میں ہی تحصیل علم کے لیے گھر چھوڑ دیا تھا اور آپ نے مولانا لطف اللہ علی گڑھی، میاں نذیر حسین دہلوی، مولوی عبد الحق خیر آبادی اور حافظ محمد صاحب لکھوی سے تعلیم پائی۔ بعد فراغت آپ نے چینیانوالی مسجد لاہور میں بیٹھ کر اسلام اور علوم اسلامیہ کی خدمت کی۔ کتب ''سلسلہ اسلام'' زیادہ اسی وقت تصنیف ہوا۔ آپ جھگڑے کی باتوں سے بہت پرہیز کرتے تھے، زیادہ تر خاموش رہتے تھے حتیٰ کہ عام آدمی کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ آپ عالم ہیں۔ صبح و شام قرآن و حدیث کا درس دیتے اور ہمیشہ طالب علم آپ سے پڑھا کرتے تھے۔ آپ بہت سادہ مزاج تھے مگر جب کسی معاملے میں گفتگو کرتے تو بات کی تہہ تک پہنچتے۔ کسی شاگرد سے اگر کچھ کام لیتے تو اس کا عوضانہ ضرور دیتے۔ آپ نے چالیس سال کی عمر میں ۱۳۱۲ ہجری میں وفات پائی۔ مرحوم کے دو بیٹے عبد الرحمٰن اور عبد الرحیم تھے۔ ''سلسلہ اسلام'' آپ کی تصنیف ہے۔ (اہل حدیث ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء)

آپ تحریک ختم نبوت کے اولین اور فعال کارکنوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ۱۸۹۱ء میں جو فتویٰ تکفیر مرزا غلام احمد کے بارے میں صادر ہوا تھا اس پر آپ نے دستخط فرماتے ہوئے لکھا:

''رسالہ فتح الاسلام و توضیح المرام و ازالہ اوھام مؤلفہ مرزا غلام احمد قادیانی میں جو یہ اعتقاد و مسائل درج ہیں کہ ''میں مسیح موعود ہوں، ملائک بذات خود اپنے وجود سے زمین پر نہیں آتے، انبیاء پر نہیں اترتے صرف ان کی تاثیر نازل ہوتی ہے''۔

آنحضرت ﷺ کو معراج جسم مبارک کے ساتھ نہیں ہوا۔

عیسیٰ علیہ السلام مردہ کو ''باذن اللہ'' زندہ نہیں کرتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ حقیقی نہیں بنا تھا۔

ابراہیم علیہ السلام نے چار جانوروں کو (جن کا قرآن شریف میں بیان ہے) زندہ نہیں کیا بلکہ یہ از قبیل عمل مسمریزم تھے۔

علی ھذا القیاس اور ایسے ایسے اعتقاد و مسائل نصوص کتاب اللہ و احادیث صحیحہ رسول اللہ ﷺ کے اور سبیل سلف صالحین مومنین کے مخالف ہیں۔ لہذا یہ عقائد و مسائل باطل ہیں اور ایسے عقائد والا اس آیت شریفہ کا مصداق ہے۔ ’’ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبیین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جہنم وساء ت مصیرا‘‘ ۔جن لوگوں کو ان عقائد کی طرف میلان ہو گیا ہے ان کو لازم ہے کہ ان عقائد کو پیش کر کے علماء و فضلاء سے نہ صرف دو چار سے بلکہ صدہا سے اخروی نجات کی غرض سے اور طالب حق بن کر ان سے شبہات کا حل کرائیں یا ان کتب کے جواب غور سے دیکھیں اور پرانی اور قدیمی تحقیقات کو بلا دلائل یقینیہ و اتفاقیہ نہ چھوڑیں وما علینا الا البلغ۔ الراقم خاکسار رحیم بخش ۔ (علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ۔صفحہ ۱۰۹-۱۱۰)

۱۷ دسمبر ۱۸۹۲ء کو مرزا صاحب نے لکھا:

’’سال گزشتہ میں بمشورہ احباب یہ بات قرار پائی تھی کہ ہماری جماعت کے لوگ کم سے کم ایک مرتبہ سال میں بہ نیت استفادہ و ضروریات دین و مشورہ اعلاء کلمہ اسلام و شرع متین اس عاجز سے ملاقات کریں اور اس مشورہ کے وقت یہ بھی قرین مصلحت سمجھ کر مقرر کیا گیا تھا کہ ۲۷ دسمبر کو اس غرض سے قادیان آنا انسب اور اولی ہے۔ اب ۷ دسمبر ۱۸۹۲ء کو اسی بنا پر اس عاجز نے ایک خط بطور اشتہار کے تمام مخلصوں کی خدمت میں بھیجا۔ اب سنا گیا ہے کہ اس کارروائی کو بدعت بلکہ معصیت ثابت کرنے کے لیے ایک بزرگ نے ہمت کر کے ایک مولوی صاحب کی خدمت میں جو رحیم بخش نام رکھتے ہیں اور لاہور چینیانوالی مسجد کے امام ہیں ایک استفتا پیش کیا‘ میاں رحیم بخش صاحب نے ایک طویل عبارت ایک غیر متعلق حدیث ’’شد رحال‘‘ کے حوالہ سے لکھی ہے جس کے مختصر الفاظ یہ ہیں کہ ایسے جلسے پر جانا بدعت بلکہ معصیت ہے‘‘۔

(مجموعہ اشتہارات‘ جلد ا‘ صفحہ ۳۵۳-۳۵۴)

اور یہ تو آپ اس کتاب کے حصہ اول میں پڑھ چکے ہیں کہ اگلے سال جب مرزا صاحب نے جلسہ سالانہ قادیان کی منسوخی کا اعلان کیا تو لکھا تھا کہ ان کا مذکورہ جلسہ ایک بدعت اور معصیت تھا‘ یعنی انہوں نے مولوی رحیم بخش صاحب کے فتویٰ پر صادر کر کے اپنے عاصی اور بدعتی ہونے کا اقرار کر لیا تھا۔

عبدالرحمٰن مئوی بنارسیؒ

آپ کا آبائی وطن ضلع اعظم گڑھ ہے اور آپ قصبہ مئو کے محلّہ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے سن پیدائش کا سراغ نہیں لگ سکا۔ ابتدائی تعلیم محلّہ کے مدرسہ اور گھر پر ہوئی۔ اس کے بعد مولوی عبداللہ مئوی اور مولانا ولی محمد گھوسی کی رفاقت میں مولانا تراب علی لکھنوی سے علوم کی تحصیل کی بعد ازاں دہلی گئے اور سید نذیر حسین محدثؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور حدیث کی کتابیں پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ تحصیل علوم کے بعد شہر بنارس میں مسجد گیان باقی میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے اور ایک طویل عرصہ تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ مسجد بی بی رضیہ چوک میں بھی منصب امامت و خطابت پر فائز رہے۔ آپ نے تعلیمی و تدریسی خدمات کے ساتھ کپڑے کی تجارت بھی شروع کر دی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی تجارت میں بڑی برکت عطا فرمائی۔

مولانا صاحب ثروت ہونے کے ساتھ بڑے متواضع اور فیاض انسان تھے۔ پاس پڑوس کے لوگوں اور غریبوں یتیموں کے ساتھ شفقت اور محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ برکات رمضان اور مسئلہ طلاق ثلاثہ پر رسالے لکھے۔ مئو کی کسی مسجد میں آپ نے ایک جہری نماز میں آمین بالجہر کہی تو مسجد والوں نے آپ کو مسجد سے نکال دیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ مجھے ایک مسجد بنوانے کی توفیق عطا فرما۔ بارگاہِ الٰہی میں دعا قبول ہوئی اور مولانا نے اورنگ آباد' مئو کی مسجد بنوائی۔ آپ کی ایک اور ملی یادگار فاطمان کی مشرقی عیدگاہ ہے جو باغ سگرا میں واقع ہے۔ آپ کا انتقال ۱۴ محرم ۱۳۱۵ ہجری بدھ کے روز بنارس میں ہوا اور تدفین شاہی باغ میں ہوئی۔ آپ کی لخت ارجمند زبیدہ خاتون نے مدرسہ عالیہ عربیہ کے شعبہ نسواں میں ۳۵ سال دینی خدمات انجام دیں۔ انہی محترمہ کے فیض سے مدرسہ کا شعبہ نسواں قائم ہوا تھا۔ مولانا کے نواسوں میں مولانا عبدالمعید بنارسی (ف ۱۹۸۰ء) اور مولانا عبدالحمید مکی بنارسی (ف ۱۹۸۶ء) عالم فاضل گزرے ہیں۔ (محدث بنارس۔ مئی ۱۹۹۸ء)

آپ نے ۱۸۹۱ء والے فتویٰ تکفیر مرزا پر دستخط کیے ہیں اور اس طرح آپ کا شمار تحریک ختم نبوت کے اولین کارکنوں میں ہوتا ہے۔

عبدالغفار مہدانوی

آپ ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ء) میں ایک صاحب ثروت اور علم دوست خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کا وطن مہدانواں ہے جو کہ مضافات منیر میں ایک مشہور ومعروف علاقہ ہے لیکن آپ نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ چھپرہ میں بسر کیا۔ آپ ابتداء میں حنفی المسلک تھے اور تکمیل تعلیم کے کافی عرصہ بعد تک ان کی یہ حالت رہی کہ اہل حدیث پر کھلے عام تبرا کرتے تھے۔ آپ کے چچازاد بھائی مولانا فضل حسین مصنف الحیاۃ بعد المماۃ نے دہلی میں سید نذیر حسین سے استفادہ کیا تھا اور جب وہ دہلی سے وطن واپس آئے تو آپ کے لئے شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ اسماعیل کی تصانیف حجۃ اللہ البالغہ، عقد الجید، اور تنویر العینین وغیرہ لیتے آئے۔ ان تصانیف کے بغور مطالعہ کے بعد آپ پر مسلک اہل حدیث کی حقانیت منکشف ہوگئی۔ اس کے بعد مولانا فضل حسین کی تشویق اور تحریک پر آپ دہلی سید نذیر حسین محدث کے درس میں شریک ہوئے اور یہ یہ میاں صاحب دہلوی کا فیض تھا کہ آپ علم حدیث میں ایک ممتاز درجے پر فائز ہوئے۔ اردو اور فارسی میں عمدہ اشعار بھی موزوں کرتے۔ اہل حدیث ضلع سارن (چھپرہ) کے متفق علیہ مقتدا تھے۔ مولانا حافظ محمد ابراہیم آروی کی مشہور تصنیف طریق النجاۃ فی ترجمہ الصحاح من المشکوۃ پر آپ نے منظوم تقریظ لکھی اور آپ مولانا آروی کے دست راست اور مدرسہ احمدیہ آرہ کے پر جوش اور مخلص کارکن تھے۔ آپ کا شمار مدرسہ احمدیہ آرہ کے اولین مدرسین میں ہوتا ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے مولانا ابراہیم آروی نے مذاکرہ علمیہ آرہ کی بنیاد ڈالی۔ اس میں آپ بھی مولانا ابراہیم کے دوش بدوش شامل تھے۔ آپ کو تحریک مجاہدین سے بھی خاص لگاؤ تھا اور اس کے خاص معاونین میں سے تھے۔ آپ نے مولانا ابراہیم آروی کی فرمائش پر امام بخاری کی مشہور کتاب ''الادب المفرد'' کا اردو ترجمہ بھی نہایت عمدہ پیرایہ میں کیا اور اس کا نام ''سلیقہ'' رکھا۔ اکثر اہل علم کو اس مقام پر سہو ہوا کہ انہوں نے ''سلیقہ'' کو مولانا آروی کے زمرہ تصانیف میں شمار کیا ہے جو کہ درست نہیں۔

سلیقہ پر ایک نظر ڈالنے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نے ترجمہ میں متقدمین کا اسلوب بالکل ترک کر دیا تھا۔ ان کی عبارت سلیس اور با محاورہ ہے۔ قدیم تراجم کی طرح بیان کی پیچیدگی اور انشا کی ژولیدگی نہیں پائی جاتی۔ اس میں تیرہ سو اٹھائیس حدیثیں ہیں پوری کتاب تین حصوں میں ختم ہوئی۔ یہ کتاب مکتبہ خلیلی آرہ سے ۱۳۰۹ ہجری میں طبع ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ مولانا ابراہیم آروی کی تصنیف ''طریق النجاۃ'' میں آپ کے مختصر حواشی ملتے ہیں۔ آپ کی وفات چھپرہ میں ۱۳۱۵ ہجری میں ۴۵ سال کی عمر میں ہوئی۔

مرزا غلام احمد کے کفر پر جو فتویٰ حضرت سید نذیر حسینؒ نے ۱۸۹۱ء میں جاری فرمایا اس پر آپ کے تائیدی دستخط موجود ہیں اور آپ نے لکھا ہے:

گر مسلماں ہمیں است کہ مرزا دارد
وائے گر درپس امروز بود فردائے

اس فتویٰ پر دستخط کر کے آپ نے اپنا نام تحریک ختم نبوت کے اولین کارکنوں میں لکھوالیا ہے۔

(الاعتصام لاہور۔ ۷ دسمبر ۱۹۹۹ء۔ ماہنامہ جامعہ دہلی۔ اکتوبر ۱۹۳۴ء۔ علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ)

محمد ابراہیم آرویؒ

مولانا آروی انیسویں صدی کے نصف آخر کی ایک ایسی شخصیت ہیں جن کے اصلاحی وتجدیدی اثرات برصغیر سے متجاوز ہوکر جزیرہ عرب تک اور ایک صدی سے گزر کر دوسری صدی تک پہنچے۔ مولانا کے قائم کردہ مدرسہ احمدیہ کے کارناموں کا اندازہ کرنا ہو تو اس دور کے رسائل اخبارات کا مطالعہ مفید ہوگا۔ اس کے علاوہ مدرسہ کی سالانہ رپورٹیں اور انگریز حکومت کا ریکارڈ بھی اس سلسلے میں کارآمد ہے۔

مدرسہ احمدیہ آرہ نے برصغیر میں پہلی مرتبہ بیرونی طلباء کے لیے مسجد اور مدرسہ سے الگ دار الاقامہ کا تصور پیش کیا اور پھر اس کی عملی تعبیر پیش کر کے دار الاقامہ کی عمارت بنائی جس میں ملک و بیرون ملک کے طلباء قیام کرتے تھے اور انہیں رہنے سہنے' کھانے پینے' نہانے دھونے اور دوا علاج وغیرہ کی ساری آسانیاں دار الاقامہ میں حاصل ہوتیں۔

اس کے علاوہ مولانا آروی نے مجلس مذاکرہ علمیہ قائم فرمائی جس کے پلیٹ فارم سے آپ نے ملت کو قدیم وجدید علوم ومعارف کا پہلا جامع نصاب دیا۔ مولانا آروی نے خود بھی اپنے تجربات کی روشنی میں نصاب کی بنیادی اور اہم کتابیں تیار کیں جن میں سلالۃ النحو۔ سلالۃ الصرف۔ ابواب الصرف والنحو۔ ارشاد الطلاب۔ ارشاد الطلب فی علم الادب۔ تلقین شریف۔ تہذیب التصریف۔ تسہیل التعلیم اور فارسی کی پہلی کتاب وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے مدرسہ کے صدر مدرس مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کی ''فصول احمدی۔ النحو۔ منطق اور تسہیل الفرائض جیسی جامع اور مختصر نصابی کتب بھی اسی مدرسہ احمدیہ کے عطیات ہیں۔ عوام کی اصلاح کے لیے مولانا آروی کی چند کتب ''بادشاہ حقیقی ومجازی۔ غنچہ مراد۔ سلیمان وبلقیس۔ تفسیر خلیلی۔ طریق النجاۃ فی ترجمۃ الصحاح من المشکوٰۃ۔ صلوۃ النبی اردو۔ قول میسور تقریر سالانہ شہر میسور۔ صلاح وتقویٰ وغیرہ ہیں۔ آپ کے مدرسہ احمدیہ کو آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے مولد ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آرہ میں مولانا آروی اور ان کے رفقا نے جو پریس قائم کیا تھا وہ انہوں نے اپنے مصارف سے قائم کیا تھا لیکن اس سے علوم

کتاب وسنت کے علاوہ کوئی چیز نہیں چھاپی گئی اور اس کی آمدنی کا ایک پیسہ بھی پریس قائم کرنے والوں نے اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا سب کچھ اسی مدرسہ کے لیے وقف رہا۔

علامہ آروی کی زندگی کا ایک اور نمایاں پہلو انگریز حکومت کے خلاف ان کی عظیم الشان مجاہدانہ کارروائیاں ہیں وہ ایک طرف تو اندرون ہند جہاد آزادی کے علم بردار خاندان صادق پور اور مشہور انقلابی رہنما مولانا محمد جعفر تھانیسری سے گہرے تعلقات رکھتے تھے دوسری طرف انہوں نے سرحد پر تحریک مجاہدین کے مراکز سے روابط قائم کر رکھے تھے۔ تحریک مجاہدین کے اس سلسلہ کے لیے افراد اسلحہ اور مالیات کی فراہمی کا نظام پورے ملک میں قائم کیا گیا تھا۔ کلکتہ، راج محل، بہار، نیپال، یوپی، بھوپال اور مدھیہ پردیش سے ہوتا ہوا یہ نظام حضرت میاں صاحب محدث دہلویؒ کی مسجد تک اور وہاں سے پنجاب اور سرحد سے ہوتے ہوئے مجاہدین کے مراکز تک نہایت راز داری کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں پورے اخلاص ایثار اور قربانی کے ساتھ انجام دے رہا تھا۔ انگریز کی خفیہ آنکھیں اور برادران یوسف کی ہر قسم کی سازشیں بھی اس نظام کو درہم برہم نہ کر سکیں۔ اس عظیم اور دقیق نظام کے اہم ذمہ داران سید نذیر حسین، نواب صدیق حسن، مولانا ابراہیم آروی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا عبداللہ غازی پوری اور حافظ عبدالمنان وزیر آبادی وغیرہ تھے اور ان بزرگوں کی درسگاہیں اس نظام کے مراکز تھے۔ مولانا آروی نے ہندوستان کو برطانوی استعمار اور عیسائیوں کی اسلام دشمن سازشوں سے نجات دلانے کے لیے ترکی، افغانستان اور نجد کے آل سعود سے بھی گہرے تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ حاجیوں کے ذریعہ یہ پیغامات ... متعلقہ شخصیات کو بھیجے جاتے تھے... جب مولانا ابراہیم پر ان کی آخری زندگی میں انگریزوں کی گرفت مضبوط ہونے لگی تو آپ نے خاموشی سے مولانا رحیم آبادی کو تحریک کا کام سونپا اور مولانا غازی پوری کو تدریس کا اور خود مکہ شریف چلے گئے، وہاں پہنچے تو پتہ چلا کہ مکہ میں قادیانیت کا ''شجرۃ الزقوم'' موجود ہے۔ چنانچہ اساطین حجاز کی موجودگی میں آپ نے معلم جمل اللیل کے مکان پر قادیانیوں سے مناظرہ کر کے انہیں شکست فاش دی اور حرمین کو ان کے وجود سے پاک کیا۔ اس کے علاوہ حرمین میں آپ نے تفسیر وحدیث کا درس شروع کیا۔ شیخ محمد نصیف نے یہیں آپ سے مشکوٰۃ پڑھی اور تحریک احیاء کتاب وسنت کے سلسلہ میں داخل ہوئے۔ یہیں آپ کی ملاقات شیخ ابو بکر محمد خوقیر سے ہوئی جو اپنی سلفیت اور وہابیت کی وجہ سے زیر زمین ایک تنگ اور اذیت ناک

جیل میں ڈال دیئے گئے تھے۔ (التوعیہ دہلی اگست ۱۹۸۹ء صفحہ ۱۹۔۲۳)

تحریک مجاہدین میں آپ کی سرگرمیوں کا ذکر ڈاکٹر قیام الدین نے بھی کیا ہے:

وہ لکھتے ہیں کہ کلکتہ پولیس کی رپورٹوں سے ۸۱-۱۸۸۰ء میں مولانا ابراہیم کی جدوجہد کا حال معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۸۰ء میں ڈھاکہ کے ایک شخص بدیع الزمان نے ممتاز وہابیوں کا ایک جلسہ کرنے کی کوشش کی تھی جس میں نذیر حسین دہلوی بھی شامل کیے گئے تھے چونکہ وہ پولیس کی نگرانی میں تھے اس لیے نذیر حسین نے دہلی میں جلسہ کرنے سے اختلاف کیا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے کوئی دور دراز کا اندرونی قصبہ منتخب کرنے کی رائے دی۔ ابراہیم آروی نے مشورہ دیا کہ یہ جلسہ مظفر پور کے قریب ایک گاؤں تاج پور میں منعقد کیا جائے۔ جلسے میں کوئی تیس ہزار وہابی جمع ہوئے۔ جلسے کا اصل مقصد یہ تھا کہ بغاوت پھیلانے کے لیے حکمت عملی تیار کی جائے۔ اس کے بعد ابراہیم آروی نے کلکتہ، دہلی، لکھنؤ، غازی پوری، بنارس وغیرہ کے دورے کیے اور ان جگہوں میں تقریریں کیں۔ اس کے بعد ایک پولیس رپورٹ میں کمشنر پٹنہ کو اطلاع دی گئی کہ ممتاز وہابیوں کا ایک اور جلسہ سراج گنج میں ہوا جہاں نذیر حسین بھی اپنی بھانجی کی شادی میں شرکت کے بہانے گئے ہوئے تھے۔ اس تقریب نے وہابیوں کے اجتماع کے لیے ایک آسان حیلہ مہیا کر دیا۔ سربرآوردہ حاضرین میں نذیر حسین، مولوی محمد حسین لاہور اور مولوی ابراہیم آروی تھے۔ جلسہ کے بانی و مہتمم مولوی ابراہیم آروی تھے اور مقصد یہ تھا کہ لوگوں کا تعاون حاصل کیا جائے اور اس ملک کے دار الحرب ہونے کا اعلان کر دیا جائے۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ سرحد پر وہابی ریاست کا ہندوستان سے رابطہ اور اعانت نسبتاً کمزور پڑ گئی ہے اس لیے ہندوستان سے مزید رضا کاروں اور امداد کی ترسیل کی کوشش کرنا چاہئیں۔ اس خفیہ اجلاس کی خبر حکام کو ملی اور مجسٹریٹ مولویوں کو اچانک جا لینے کے لیے جھپٹے لیکن اس جگہ نہ کوئی قابل مواخذہ چیز دستیاب ہوئی، نہ کوئی گرفتار کیا جا سکا۔ جولائی ۱۸۸۱ء میں سپرنٹنڈنٹ پولیس پٹنہ نے کمشنر کو رپورٹ کی کہ مولوی ابراہیم آروی نے اپنے کلکتہ کے ایک دورے میں تبلیغ کی ہے کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ سرکاری ملازمت سے مستعفی ہو جائے اور یہ کہ کسی غیر سرکاری شغل میں آدھے معاوضے پر کام کرنا دوگنے معاوضے پر سرکار کے لیے کام کرنے

سے بہتر ہے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے ابراہیم کی تقریر کے بعض خاص خطرناک پہلوؤں پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا کہ ابراہیم نے احتجاج شورش' مقدمہ بازی' فراہمی چندہ' سرکاری ملازمین کو استعفا کی ترغیب و اغوا اور اس طور پر کہ فوجی سپاہیوں پر اثر انداز ہوں ، کے تمام طریقے استعمال کیے۔ اس نے مزید اظہار رائے کیا کہ ابراہیم آروی یقیناً ایسا آدمی معلوم ہوتا ہے جس پر نگرانی رکھنا چاہیے۔ اس نے یہ رپورٹ بھی کی کہ ابراہیم ایک پیسہ فی روپیہ آمدنی کے حساب سے لوگوں سے ایک قسم کا فنڈ (چندہ) جمع کر رہا ہے۔ بیگم بھوپال اس فنڈ میں چندہ دہندگان میں نمایاں حصہ لیتی تھیں جو بظاہر تو جمع کیا جاتا تھا ایک دیوانی مقدمہ میں اعانت کے لیے جس میں ضلع آرہ کے وہابی الجھے ہوئے تھے مگر دراصل یہ ستھانہ کے مذہبی دیوانوں (سرحد پر مجاہدین) کے لیے مقصود تھا۔ دوسرے سال بھی ابراہیم آروی کے خلاف تحقیقات جاری تھی۔ پولیس انسپکٹروں نے سپرنٹنڈنٹ پولیس شاہ آباد کو ان کے بارے میں ایک مفصل رپورٹ بھیجی جس میں خبر دی کہ محمد عمر کی طرح ابراہیم آروی کے تعلقات بھی اعلیٰ درجہ کے ہیں اور طاقتور اور ذی اثر رشتہ داروں سے مربوط ہیں۔ شادیوں کے ذریعے ان کا رابطہ خاندان صادق پور سے بھی ہے۔ وہ عبدالعزیز ساکن رحیم آباد ضلع دربھنگہ' عظمت حسین مختار کلکتہ' عبد الرحیم کے (بھائی) عبدالرؤف' لطیف حسین اور ان کے بھائی عبد الغفور (عبد الغفار) ساکن مہداواں کی شمولیت سے روپے کی تحصیل میں مشغول ہیں۔ اس سال جو روپے جمع ہوئے ان کی میزان دس ہزار سے زائد ہے۔ اس کی تقسیم ابراہیم نے کی مگر معلوم نہ ہوا کہ انہوں نے اس کو جمع کہاں کیا؟ ان تحصیل کردہ رقوم میں سے بہت قلیل حصہ مدرسہ اور دوسرے ظاہر کردہ مدات پر صرف ہوا۔ باقی کثیر رقم غیر محسوب اور نا مندرج رہی کیونکہ غالباً سرحد کو بھیج دی گئی۔ (ہندوستان میں وہابی تحریک۔ صفحہ ۳۳۴۔ ۳۳۷)

مدرسہ احمدیہ آرہ اپنے دور میں صوبہ بہار میں اہل حدیث کی یونی ورسٹی تھی۔ جس کی بنیاد مولانا ابراہیم نے ۱۸۸۰ء میں رکھی۔ مولانا نہایت نیک با اخلاص اور جوشیلے آدمی تھے جس وقت جو امر حق ان کے ذہن میں ثابت ہو گیا ایک منٹ کے لیے بھی اس پر عمل کرنے میں دیر نہ کرتے اور نہ اس کی پرواہ کرتے کہ لوگ مضحکہ اڑائیں گے۔ ان کی نماز اور ان کا وعظ بہت پر اثر تھا۔ مدرسہ احمدیہ کے شیوخ میں مولانا سعید بنارسی بھی تھے لیکن ان کا مولانا آروی

سے کوئی اختلاف ہوا تو وہ بنارس چلے گئے اور وہاں اپنا مدرسہ قائم کیا بعد میں جب ۱۹۰۶ء میں یہاں مولانا محمد اسحاق فخر غازی پوری، مولانا عبدالعزیز ردانوی، مولانا عبدالغفار مہدانوی، مولانا عبدالنور دربھنگوی، مولانا نذیرالدین احمد بنارسی مولانا عبدالقادر مئو کے علاوہ قاضی محمد مچھلی شہری اور حافظ عبداللہ غازی پوری نے بھی درس دیا۔ اسی مدرسے کا سالانہ جلسہ جب ۱۹۰۶ء میں منعقد ہوا تو مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا میر سیالکوٹیؒ نے ملک گیر کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پیش کی اور اکابرین کی موجودگی میں اہل حدیث کانفرنس کی تشکیل عمل میں آئی۔ جس کے پہلے صدر مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری اور ناظم اعلیٰ مولانا ثناء اللہ امرتسری ہوئے۔ کانفرنس کے مقاصد میں دوسرے امور کے ساتھ تبلیغ و تدریس کا مشن بھی شامل تھا۔ چنانچہ اس کے تحت بہت سی کانفرنسیں برصغیر کے طول و عرض میں ہوئیں۔ ہزاروں کتابیں مفت تقسیم کی گئیں۔ کئی مدارس اور مکتب اس کی سرپرستی میں کتاب وسنت کی تعلیم دیتے رہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قیام میں بھی مولانا آروی کا حصہ گراں قدر ہے۔ ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۲ء) میں مدرسہ فیض عالم کانپور میں جو علماء جمع ہوئے تھے ان میں مولانا محمود حسن' مولانا خلیل احمد سہارنپوری' مولانا لطف اللہ علی گڑھی' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا احمد حسن کانپوری' مولانا محمد علی مونگیروی' وغیرہ شامل تھے۔ اس اجلاس میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ اگلے سال مدرسہ کے سالانہ جلسہ پر تمام علماء کو دعوت دی جائے اور مجلس کا نام ندوۃ العلماء قرار پایا۔ مولانا محمد علی مونگیری اس مجلس کے ناظم ہوئے۔ اگلے سال ۲۲ تا ۲۴ اپریل فیض عام کان پور میں جلسہ ہوا۔ مولانا شبلی نعمانی شاہ سلیمان پھلواروی شاہ محمد حسین الہٰ آبادی' مولوی محمد ابراہیم آروی' مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی احمد رضا خان' بریلوی وغیرہ اس اجلاس میں شریک ہوئے۔ مولانا شبلی نے ندوۃ کا دستور العمل پیش کی ااور مولانا بٹالوی کی تحریک سے یہ دستور علماء کی ایک مجلس کے سپرد ہوا۔ دوسرے دن مولانا بٹالوی کی تائید اور مولانا شبلی کی تحریک پر سید محمد شاہ محدث صدر جلسہ ہوئے۔ مولانا عبدالحق حقانی اور مولانا آروی نے تقاریر فرمائیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی بھی شریک جلسہ تھے۔ ندوہ کا دوسرا جلسہ لکھنؤ میں اپریل ۱۸۹۵ء ہوا اور اس میں بھی مولانا آروی شریک ہوئے۔ (حیاۃ شبلی۔ صفحہ ۳۰۴۔۳۱۲)

مولانا ابراہیم کی وفات ۱۳۱۹ ہجری میں ہوئی اور تاریخ وفات سے نکلتی ہے۔

مولانا آروی کا شمار تحریک ختم نبوت کے اولین کارکنوں میں ہوتا ہے۔ ۱۸۹۱ء میں

حضرت میاں صاحب نے مرزا غلام احمد کی تکفیر کا جو فتویٰ دیا مولانا آروی نے اس پر تائیدی دستخط کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ''میں اس کے ساتھ پورا متفق ہوں''۔ اس فتویٰ کے بعد آپ بہار کے علاقہ میں تحریک ختم نبوت کا کام کرتے رہے اور تحریک کے نمایاں لوگوں میں آپ کا شمار ہوتا رہا۔ ۱۹۰۰ء میں مرزا صاحب نے تفسیر نویسی کے لیے جو چیلنج دیا اس کے مدعوین میں مولانا آروی بھی شامل تھے۔ جب آپ حجاز چلے گئے تو وہاں بھی آپ نے اس کام کو جاری رکھا۔ حجاز میں مرزائیت اپنی جڑیں پھیلانے کی کوشش کر رہی تھی اور مرزا صاحب کو دیار مقدس میں اپنے مشن کی کامیابی کا اس قدر یقین ہو گیا تھا کہ وہ نہ صرف حجاز جانے کا ارادہ کیے بیٹھے تھے بلکہ وہ اپنی زندگی کے آخری ایام بھی حجاز ہی میں گزرنا چاہتے تھے جیسا کہ انہوں نے پیش گوئی کر رکھی تھی کہ وہ مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں۔

مرزا صاحب کی اس پیش گوئی کے غبارے سے ہوا نکالنے کا کام مولانا محمد ابراہیم آروی مرحوم نے کیا۔ انہوں نے حجاز میں مرزائیت کی جڑ کاٹ دی اور مرزائیت کے لیے وہاں حالات اس قدر ناسازگار بنا دیئے کہ جب مرزا صاحب کو کوئی شخص حج پر جانے کے لیے کہتا تو وہ تبرا بازی شروع کر دیتے اور فرماتے کہ ان بے حیاؤں کو معلوم نہیں کہ قرآن کہتا ہے کہ اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور میرے لیے حجاز جانا ہلاکت میں پڑنے کے مترادف ہے اس لیے میں حج کا خیال اپنے دل سے نکال کر قرآن ہی تعلیمات پر عمل کر رہا ہوں۔ اور یوں مرزا صاحب حجاز تشریف نہ لے جا سکے اور وہ نہ مکہ میں مرے نہ مدینہ میں۔

اس طرح ان کی الہامی پیش گوئی جھوٹی ہو گئی جو ان کے مفتری علی اللہ ہونے کا ثبوت ہے۔ اور یہ ثبوت اس مناظرے کے ذریعے ظہور میں آیا ہے جو مولانا آروی نے جمل اللیل نامی معلم کے گھر میں حجاز کے علماء و فضلاء اور رؤساء کی موجودگی میں مرزائیوں سے کیا تھا۔

عبدالمجید دہلوی

مولوی عبدالمجید جناب میاں صاحب سید نذیر حسین کے مشہور تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں اور چونکہ آپ دہلی میں رہتے تھے اس لئے آپ کو اپنے شیخ کی خدمت کا ان کے دیگر شاگردوں کی نسبت زیادہ موقع ملا۔ دہلی میں آپ مطبع انصاری کے مالک تھے اور اس مطبع نے آپ کے زیراہتمام علوم اسلامیہ کی اشاعت میں اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔ آپ نے میاں صاحب کے ایک اور شاگرد مولانا تلطف حسین بہاری اور پھاٹک حبش خان کے ایک رئیس جناب فضل الٰہی کے ساتھ مل کر دہلی میں ایک دینی مدرسہ بھی بنایا تھا جس کا نام ریاض العلوم تھا۔ ۱۳۰۲ھ میں قائم ہونے والے اس مدرسہ کے مالیات کی کفالت فضل الٰہی صاحب کرتے تھے اور مولانا تلطف حسین بہاری اس کے ناظم اعلیٰ تھے۔ طلباء کو معقول وظائف دیئے جاتے تھے۔ بعد میں جب اس مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ ہوئی تو مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری اور مولانا عبدالمنان غازی پوری نے یہاں پڑھایا۔ کچھ عرصہ بعد اس مدرسہ میں دہلی کے دو اور مدرسے بھی ضم کر دیئے گئے یعنی مدرسہ رشیدیہ اجمیری گیٹ اور مدرسہ جامع اعظم بلی ماراں۔ اور اس کا نام ریاض العلوم کی بجائے جامع اعظم رکھا گیا۔ اس کے ناظم عبیدالرحمٰن عمرپوری مالک دواخانہ دارالشفا تھے۔ اس مدرسے کے نصاب میں معقول و منقول کے ساتھ انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی۔ (اہل حدیث کی تدریسی خدمات۔ ص۲۲)

مولانا عبدالمجید دہلی میں نامور مقرر اور مناظر شمار ہوتے تھے۔ مرزا غلام احمد کو ۱۸۹۱ء میں دہلی میں جن علماء نے مناظرے کا چیلنج دیا تھا ان میں مولانا عبدالمجید بھی شامل تھے اور جب مرزا صاحب نے اہل دہلی کے ڈر سے میدان مناظرہ میں نکلنے سے انکار کیا تو مولانا عبدالمجید نے یہ تجویز پیش فرمائی تھی کہ مرزا صاحب اپنے کرایہ کے مکان کی چھت پر آ جائیں اور میں سامنے کے مکان کی چھت پر آ جاتا ہوں۔ ہمارے درمیان بازار بلی ماراں ہوگا اور کسی کو مرزا صاحب کو نقصان پہنچانے کا موقع نہیں ملے گا اور مناظرہ ہو جائے گا۔ مرزا صاحب نے یہ تجویز قبول نہیں فرمائی۔ اس کے بعد جب جامع مسجد دہلی میں تجویز ہوئی کہ مرزا صاحب وہاں تشریف لا کر اپنی مسیحیت کے دلائل پیش کریں اور میاں

نذیر حسین صاحب ان دلائل کو سن کر ان کے جھوٹے ہونے کی قسم اٹھائیں، تو اس جلسے کے انتظامات میں عبدالمجید صاحب پیش پیش تھے ۔ اور جب مسجد میں مرزا صاحب سے درخواست کی گئی کہ وہ میاں صاحب کے سامنے اپنے دلائل پیش کریں تو انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں تو میاں صاحب سے مناظرہ کرنا چاہتا ہوں ۔ اس پر دہلی والوں نے کہا کہ مناظرہ یا مباہلہ کرنا ہے تو عبدالمجید یا محمد حسین بٹالوی سے کرو لیکن ان دونوں بزرگوں کے سامنے آنے سے مرزا صاحب کی جان جاتی تھی اس لئے وہ راہ فرار اختیار کر گئے ۔

دہلی کی جامع مسجد میں ہونے والی اس مجلس سے پہلے مولوی عبدالمجید صاحب مرزا صاحب کی دہلی والی رہائش گاہ پر بھی گئے تھے اور وہاں انہوں نے مرزا کو مناظرے کا چیلنج بھی دیا تھا۔اس واقعہ کو مرزا غلام احمد نے تھوڑی تحریف کے ساتھ بایں الفاظ بیان کیا ہے

جب میں دہلی گیا تھا تو (عبدالمجید) خود میرے مکان پر آیا تھا۔اور کہتا تھا کہ یہ الہام شیطانی ہیں اور مسیلمہ کذاب سے مجھے تشبیہہ دی ۔ اور کہا کہ اگر توبہ نہ کرو گے تو تقول اور افتراء کا نتیجہ بھگتو گے ۔ میں نے کہا کہ اگر میں مفتری ہوں تو میں افتراء کی سزا پاؤں گا ۔ ورنہ جو شخص مجھے مفتری کہتا ہے وہ مواخذہ سے نہیں بچ سکتا ۔ آخر عبدالمجید میری زندگی میں ہی اپنے اس بدزبانی مباہلہ کے بعد مر گیا ۔ اور ان ایام میں اس نے میرے مقابل پر میری تکذیب کے بارے میں سخت الفاظ کے ساتھ ایک اشتہار بھی شائع کیا تھا اور شائد پیسہ پیسہ پر فروخت کیا تھا

(تتمہ حقیقت الوحی ص ۴۵۵ اور حاشیہ روحانی خزائن ج ۲۲)

۱۸۹۱ء میں جب مرزا صاحب دہلی میں حضرت میاں نذیر حسین صاحب کو مخاطب کر کے اشتہار بازی کر رہے تھے تو اس وقت ان کا خیال تھا کہ اگر صرف میاں صاحب ان کے مقابل ہوتے تو ان کی بات بن جاتی لیکن مولوی عبدالمجید اور مولوی محمد حسین نے ان کی دال گلنے نہیں دی ۔ چنانچہ میاں صاحب کو مخاطب کر کے مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''اگر میں دلی میں نہ آیا ہوتا اور اس قدر قسمیں دے کر عہد پر عہد کر کے آپ سے بحث کا مطالبہ نہ کیا ہوتا تو شاید آپ کے اس انکار میں ایسا بڑا گناہ نہ ہوتا' لیکن اب تو آپ کے پاس کوئی عذر نہیں اور تمام دہلی کا گناہ آپ ہی کی گردن پر ہے ۔ اگر شیخ بٹالوی اور مولوی عبدالمجید نہ ہوتے تو شاید آپ راہ پر آ سکتے' لیکن آپ کی بدقسمتی سے ہر وقت ان دونوں

کی آپ پرنگرانی رہی۔ میں تو مسافر ہوں اب انشاء اللہ تعالیٰ اپنے وطن کی طرف جاؤں گا۔آپ کی برانگیخت سے بہت سے لعن طعن اور گندی گالیاں دہلی والوں سے سن چکا اور آپ کے دونوں رشید شاگردوں نے کوئی دقیقہ لعن طعن کا اٹھا نہ رکھا''۔

(اشتہار مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۸۹۱ء۔ مجموعہ اشتہارات جلد ا' صفحہ ۲۶۲)

جب مرزا صاحب اور مولانا عبدالحق غزنوی کے مباہلے کی بات چل رہی تھی اور مرزا صاحب دعویٰ کر رہے تھے کہ ان کے مقابلے میں کوئی نہیں آتا تو اس وقت مولانا عبدالحق نے ایک اشتہار شائع کیا تھا جس کا عنوان تھا:

استدعا مباہلہ از مرزا قادیانی بذریعہ اشتہار

اس اشتہار میں مولانا نے ان لوگوں کے نام گنوائے تھے جو مرزا صاحب کو مباحثے کے چیلنج کر چکے تھے اور مرزا صاحب خود ہی ان سے کتراتے پھر رہے تھے۔ ان لوگوں میں مولانا عبدالمجید صاحب کا نام بھی تھا اور بتایا گیا تھا کہ انہوں نے مرزا صاحب کو اتمام حجت کا نوٹس دیا تھا جو ۱۳ ربیع الاول ۱۳۰۹ء کو انہیں پہنچایا گیا تھا اور جس کا قادیانی کیمپ سے جواب نہیں آیا تھا۔

(مجموعہ اشتہارات' جلد ا' صفحہ ۴۲۲۔ حاشیہ)

مرزا صاحب نے ۱۸۹۶ء میں مباہلہ کے چیلنج پر مشتمل جو اشتہار شائع کیا تھا اس میں مولانا عبدالمجید دہلوی کا نام بھی شامل تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے کارکنان تحریک ختم نبوت میں آپ کا مقام بہت اونچا تھا۔ آپ کی وفات فروری ۱۹۰۷ میں ہوئی اور مرزا صاحب ان کی وفات کو اپنی صداقت کی نشانی بتایا کرتے تھے۔ ہم یہ لکھ چکے ہیں ۱۸۹۶ء والے اشتہار کے جواب میں کوئی مباہلہ نہیں ہوا تھا اس لیے اس اشتہار میں شامل کسی بزرگ کی موت و حیات مرزا صاحب کے صدق و کذب کا نشان نہیں ہے۔ لیکن اگر مرزا صاحب اپنے سے پہلے مرجانے والوں کی موت کو اپنی صداقت کا نشان بنانے پر مصر ہوں تو ان کے لیے خسارے کا سودہ ہے۔ اس لیے کہ ۵۶ مدعو علماء میں سے ۵۵ علماء بھی مرزا صاحب سے پہلے مرجائیں اور اس وجہ سے وہ ۵۵ علماء جھوٹے قرار دے دیئے جائیں تو اسی اصول کی بنا پر اس ایک مسلمان عالم کی حیات جو مرزا صاحب کے بعد فوت ہوا ہو مرزا صاحب کے کذب کا ثبوت بن جائے گی اور یہاں تو ایک مسلمان عالم کا معاملہ نہیں بلکہ بہت سارے علماء کا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں اور قادیانی حضرات بھی جانتے ہیں کہ ۱۸۹۶ء والے اشتہار مباہلہ میں

شامل جو مسلمان علماء تھے ان میں سے مولانا بٹالوی، مولانا امرتسری، حافظ وزیر آبادی، امام عبد الجبار غزنوی، مولانا عبد الحق غزنوی، مولانا عبد الواحد غزنوی، مولانا عبد الحق حقانی وغیرہم ابھی زندہ تھے کہ مرزا صاحب کو موت نے آ لیا تھا۔

مولانا عبد المجید دہلوی نے عیسائی مشنریوں کی برصغیر میں یلغار کو روکنے میں بھی نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ عیسائی پادریوں سے ان کے مناظروں کا دہلی میں شہرہ تھا جیسا کہ مولانا امرتسری مرحوم جو خود بھی اس میدان کے شہسوار تھے عیسائیوں سے مناظروں کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں

''سب سے پہلے عیسائی پادری فنڈر انگریز ہندوستان آیا اور اس نے اپنی علمی استعداد کی وجہ سے علماء اور عوام میں کافی شہرت پیدا کر لی۔ یہ زمانہ وہ تھا جب بائیبل کا اردو ترجمہ ابھی نہیں ہوا تھا اور علماء انگریزی سے ناوقف تھے۔ ایسی حالت میں مولوی رحمت اللہ صاحب کیرانوی ضلع مظفر نگر کھڑے ہو گئے اور ڈاکٹر وزیر خان ان کے ساتھ ملے جو انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر کے مولوی صاحب کو بتاتے اور مولوی صاحب مناظرہ میں ان سے کام لیتے۔ کتاب ''اعجاز عیسوی'' اسی زمانہ کی تصنیف موجود ہے، یہاں تک کہ پادری فنڈر ہندوستان سے نکل بھاگا۔ مولوی رحمت اللہ صاحب کے بعد حافظ ولی اللہ صاحب لاہوری خدا سے توفیق پا کر اس کام کے لیے تیار ہوئے، آپ نابینا تھے مگر حافظہ کمال تھا، سب کچھ زبان سے بولتے تھے۔ میاں عبد العزیز صاحب بیرسٹر لاہور کے والد مولوی الٰہی بخش صاحب مرحوم جو بڑے متقی اور پرہیز گار بزرگ تھے، وہ حافظ صاحب ہی کے شاگرد تھے، اسی طرح دہلی میں مولوی عبد المجید صاحب مالک انصاری پریس اور ابو نصر وغیرہ بھی عیسائیوں کے مدمقابل تھے۔

(اہل حدیث امرتسر، ۲۷ ستمبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۵)

اللہ آپ کو آپ کے اعمال خیر کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

حسین بن محسن انصاریؒ

آپ ۱۲۴۵ ہجری میں یمن میں پیدا ہوئے۔ تیرہ سال کی عمر میں سید حسن بن عبد الباری کی خدمت میں پہنچے اور ان سے تفسیر حدیث فقہ اورنحو کی تعلیم حاصل کی۔ ان کے علاوہ آپ نے اپنے بڑے بھائی قاضی محمد بن محسن' قاضی احمد بن امام محمد بن علی شوکانی اور شیخ محمد بن ناصر الحازمی جیسے اعیان سے بھی کسب فیض کیا۔

آپ حدیدہ (یمن) سے بھوپال آئے' ان کی پہلی آمد سکندر بیگم کے عہد میں ۱۸۶۲ء میں ہوئی' جب آپ دو سال بھوپال رہ کر پھر یمن واپس چلے گئے تھے۔ دوبارہ ۱۸۶۹ء میں شاہ جہان بیگم صاحبہ کے عہد میں تشریف لائے لیکن چار سال قیام کر کے پھر واپس وطن چلے گئے۔ یہ نواب سید صدیق حسن خان کا زمانہ تھا جو بڑے صاحب نظر عالم اور جوہر شناس رئیس تھے۔ حجاز کے سفر میں ان کی شیخ حسین بن محسن سے ملاقات ہوئی' وہ ان کے علمی علوئے اسناد' غیر معمولی حافظہ' علوم حدیث پر ان کی غیر معمولی قدرت اور ان کا تبحر علمی دیکھ کر ان کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ خود بھی ان سے سند لی اور ان کو بھوپال تشریف لانے کی دعوت دی۔ یوں ۱۸۷۹ء میں وہ بھوپال آئے اور وہیں رہ پڑے۔

شیخ حسین فن حدیث کے امام اور قدیم محدثین (جن کی قوت حفظ اور وسعت نظر کے واقعات قدیم تذکروں میں منقول اور اس دور کے لوگوں کے لیے سرمایہ استعجاب ہیں) کی یادگار اور بولتی چالتی تصویر تھے۔ ہندوستان میں ان کے درس حدیث میں بڑی برکت ہوئی اور ان کو ایسی مرجعت حاصل ہوئی جو ایک دو علمائے راسخین کو چھوڑ کر کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ بڑے بڑے اساتذہ فن اور مشاہیر علماء۔ (جو خود بھی صاحب درس وتصنیف تھے اور جن کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا) ان کے تلمذ کو باعث فخر سمجھتے تھے۔ شیخ حسین کے قیام نے بھوپال کو دارالحدیث اور شیراز و یمن کا ہم سر بنا دیا۔ تقریباً ثلث صدی سے زائد اس شہر کی موتی مسجد جامع ازھر سے آنکھیں ملاتی تھی۔ خلق کثیر نے آپ سے استفادہ کیا جن میں نواب صدیق حسن، مولانا شمس الحق، مولانا محمد بشیر سہسوانی' مولانا عبداللہ غازی پوری' مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی اور

مولانا سید عبدالحئی لکھنوی وغیرہ شامل ہیں۔

مولانا عبدالحئی کہتے تھے کہ شیخ حسین کا وجود اور ان کا درس حدیث ایک نعمت خداوندی تھا جس سے ہندوستان اس وقت بلاد مغرب اور یمن کا ہمسر بنا ہوا تھا اور اس نے جلیل القدر شیوخ حدیث کی یاد تازہ کر دی جو اپنے خداداد حافظہ، علو سند اور کتب حدیث و رجال پر عبور کامل کی بنا پر خود ایک زندہ کتب خانے کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ بیک واسطہ علامہ شوکانی صاحب ''نیل الاوطار'' کے شاگرد تھے اور ان کی سند حدیث بہت عالی اور قلیل الوسائط سمجھی جاتی تھی۔

حدیث کا فن گویا ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا تھا۔ مولانا حیدر حسن خان ٹونکی شیخ الحدیث ندوۃ العلماء جو شیخ کے شاگرد تھے، فرمایا کرتے تھے کہ فتح الباری جیسی ضخیم کتاب شیخ صاحب کو تقریباً حفظ تھی۔

شیخ صاحب تحریک ختم نبوت کے اولین کارکنوں میں شامل ہیں۔ آپ نے ۱۸۹۱ء میں جاری ہونے والے فتویٰ تکفیر مرزا پر دستخط فرمائے اور لکھا:

''طریقة الکذاب الدجال مرزا قادیانی طریقة اہل الضلال لا شک فی ذالک۔ ومن شک فی ضلاله فهو مثله۔ وقد حررت فی رسالة رد ما افتراه جازاه الله بما هو اهله''

''کذاب دجال مرزا قادیانی کا طریق گمراہوں کا طریق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں جو اس کے گمراہ ہونے میں شک کرے وہ ویسا ہی گمراہ ہے۔ میں نے اس کے مفتریات کے رد میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ خدا اس کو مفتریات کی سزا دے''۔

آپ نے مرزا صاحب کے عقائد باطلہ کی تردید میں عربی میں ایک کتاب ''فتح الربانی'' کے نام سے لکھی۔ آپ تحریک کے کام میں اتنے سرگرم تھے کہ جب مرزا صاحب نے ۱۸۹۶ء میں مباہلے کے چیلنج والا اشتہار شائع کیا تھا تو آپ کا نام بھی مدعوین میں شامل تھا اور پیر مہر علی اور دورے علماء کو مرزا صاحب نے ۱۹۰۰ء میں تفسیر نویسی کا جو چیلنج دیا تھا اس کے مدعوین میں بھی آپ شامل تھے۔ آپ کی وفات ۱۹۱۰ء میں مرزا صاحب کی موت کے دو سال بعد ہوئی۔

(پرانے چراغ۔ صفحہ ۲۰۹-۲۱۱، علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ۔ صفحہ ۹۹-۱۰۰، حیات عبدالحئی، صفحہ ۷۹-۷۰۔ اہل حدیث علماء کی خدمات حدیث۔ صفحہ ۸۸-۹۰ حاشیہ)

محمد شمس الحق ڈیانوی

آپ کی کنیت ابوطیب نام محمد اور لقب شمس الحق ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ امیر علی بن مقصود علی بن غلام حیدر بن ہدایت اللہ بن محمد زاہد بن نور محمد بن علاء الدین ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ پر منتہی ہوتا ہے۔ آپ کے نانا مولانا گوہر علی صدیقی سخاوت و فیاضی میں مشہور انام تھے۔ ان کا پرتو ان کے صاحبزادگان اور نواسوں پر پڑا۔

آپ کی ولادت ۲۷ ذی قعد ۱۲۷۳ ہجری (جولائی ۱۸۵۷ء) کو عظیم آباد پٹنہ محلّہ رمنہ میں ہوئی۔ ۵ سال کے ہوئے تو اپنی والدہ کے ہمراہ موضع ڈیانواں (جو اسی ضلع میں اسٹیشن فتوحہ سے کچھ فاصلہ پر ہے) تشریف لے گئے۔ آپ کے والد شیخ امیر علی آپ کے بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے اس لیے آپ نے اپنے بڑے ماموں مولوی محمد احسن صاحب کی زیر نگرانی تربیت پائی۔ ۱۲۷۹ ہجری مولوی محمد ابراہیم صاحب نگر ہنسوی عظیم آبادی المتوفی ۱۲۸۲ ہجری (جو مولانا اسحاق دہلوی کے تلامذہ میں سے تھے) نے آپ کو ''اقراء باسم ربک'' پڑھایا اور یوں آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ پھر وہیں ڈیانواں میں حافظ اصغر علی رامپوری سے پڑھنے لگے۔

ختم قرآن کے بعد کتب فارسیہ وغیرہ مولوی راحت حسین صاحب مرحوم پتھوی اور بعض مختصرات مولوی عبدالحکیم صاحب شیخ پوری سے پڑھیں' اس کے بعد مولوی لطف علی بہاری (من جملہ تلامذہ مفتی صدر الدین دہلوی' حضرت میاں صاحب' مولوی فضل حق خیر آبادی) سے تحصیل علوم شروع کی اور شرح ملا جامی، قطبی، میبذی، نور الانوار، اصول الشاسی، شرح وقایہ، کنز الدقائق و جامع الترمذی کا سبق لیا۔ اسی دوران مولانا نور احمد ڈیانوی سے بھی استفادہ کرتے رہے جو سید نذیر حسین صاحب سے فیض یافتہ تھے۔ ۱۲۹۱ ہجری کے بعد آپ کو حصول علم کے لیے سفر کا شوق ہوا اور ۱۲۹۲ ہجری میں آپ لکھنؤ پہنچے جہاں مولوی فضل اللہ بن مولوی نعمت اللہ صاحب لکھنوی سے کامل ایک سال تک کتب معقول پڑھیں پھر ۲۶ محرم ۱۲۹۳ ہجری کو مراد آباد پہنچے اور قاضی بشیر الدین بن مولانا کریم الدین قنوجی کی خدمت میں حاضر ہو کر

بقیہ کتب درسیہ کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔ اوائل محرم ۱۲۹۵ ہجری میں آپ دہلی پہنچے اور میاں صاحب سید نذیر حسین سے کامل ایک سال تک علم حدیث وتفسیر پڑھ کر آخر محرم ۱۲۹۶ ہجری میں سند لے کر واپس وطن آئے۔

۱۳۰۲ء میں آپ دوبارہ دہلی تشریف لے گئے اور ڈیڑھ سال وہاں رہ کر دوبارہ میاں صاحب سے صحاح ستہ' موطا امام مالک و دارمی و دارقطنی وشرح نخبہ پڑھ کر ۱۳۰۳ ہجری میں سند ثانی حاصل کی۔ ۱۳۰۴ ہجری میں شیخ حسین یمنی کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اطراف صحاح ستہ وغیرہ پڑھ کر ان سے بھی اجازت عامہ حاصل کی۔ اس کے علاوہ بھی مختلف اوقات میں کئی مرتبہ شیخ صاحب ممدوح کی زیارت سے مشروف ہو کر فوائد لا متناہیہ حاصل کیے۔

بعد فراغت وطن جا کر درس وتدریس و وعظ وتذکر وافتاء وتصنیف میں مشغول ہوئے۔ آپ کے درس میں عرب و فارس کے طلبہ بھی دیکھے گئے اور بہت لوگوں نے آپ سے علم حاصل کیا۔ آپ کے تلامذہ میں مولانا ابوالقاسم بنارسی' قاضی صالح بن عثمان نجدی (ف ۱۳۵۰ ہجری)' شیخ عبدالحفیظ بن محمد طاہر الفاسی المراکشی (ف ۱۳۸۳ ہجری)۔ سید اسماعیل خطیب حسنی ازہری' مولانا شرف الدین محدث' مولانا عبدالحمید سوہدروی وغیرہ شامل ہیں۔ فتاویٰ بھی آپ نے بے شمار لکھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صاحب مال کیا تھا اور آپ کا خاندان ڈیانواں کے رؤسا میں شمار ہوتا تھا۔ اس مال کی بدولت آپ نے ایک عظیم کتب خانہ تیار کیا جس میں مطبوعہ کتابوں کے علاوہ بیش بہا نادر و نایاب' کمیاب اور قلمی کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا۔ (جس کی تفصیل برہان دہلی ۱۹۵۱ء جولائی اور ترجمان الحدیث لاہور مئی ۱۹۸۰ء میں دیکھی جا سکتی ہے) پرانے رسم الخط (عربی غیر منقوط) کو آپ بلا تکلف پڑھتے۔ اکثر کتب پر مفید حاشیہ لکھا۔ قاضی شوکانی سے ''نیل الاوطار'' میں حوالہ اسماء الرجال میں جو سہو ہوا اس کو آپ نے گرفت کر کے حاشیہ پر لکھا ہے۔ ''جامع ترمذی'' مطبوعہ ہند میں جو دوسرے صفحہ پر حدثنا محمد بن حمید بن اسماعیل بجائے محمد بن اسماعیل البخاری طبع ہو گیا تھا اس غلطی پر سوائے آپ کے کسی کو تنبہ نہ ہوا۔ آپ کے کتب خانہ میں بعض نایاب کتابیں مثلاً ''مختصر تاریخ بخارا۔ معرفۃ السنن و الآثار للبیہقی ، مصنف لابن ابی شیبہ کامل۔ صحیح ابن حبان۔ مسند بزار ناقص۔ صحیح ابن عوانہ (جس پر امام ذہبی کے دستخط ہیں)۔ مسند حمیدی۔ مسند عبد بن حمید۔ ابن عبد البر وغیرہ موجود تھیں اور خدا بخش خان مرحوم کے کتب خانہ کے بعد جو بانکی پور میں تھا آپ کا کتب خانہ قابل ذکر تھا۔ لیکن ذخیرہ حدیث و

تفسیر واسماء الرجال کے لحاظ سے آپ کے کتب خانے کا نمبر اول تھا۔

تفسیر ''جلالین'' آپ ہی کی سعی سے حیدر آباد میں طبع ہوئی۔ سنن دار قطنی کا ظہور آپ ہی کی ذات سے ہند میں ہوا اور وہ بھی حل اور شرح کے ساتھ۔ امام ابن قیمؒ کی ''تہذیب السنن'' اور علامہ منذری کی ''تلخیص السنن'' بھی پہلی بار آپ کے کتب خانہ کے نسخوں سے ''غایۃ المقصود'' کے حاشیہ پر شائع ہونا شروع ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ امام بخاری کی ''خلق افعال العباد'' علامہ ذہبی کی ''کتاب العرش والعلو'' بھی آپ ہی کے کتب خانہ کے اصل نسخوں کے مطابق پہلی بار ''اعلام اہل العصر'' کے ساتھ طبع ہوئیں۔ اسی طرح امام بخاری کی ''تاریخ الصغیر'' اور امام نسائی کی ''کتاب الضعفاء والمتروکین'' بھی آپ ہی کی توجہ خاص سے پہلی بار طبع ہوئیں بلکہ ان کتابوں پر بعض مقامات کی توضیح وتشریح سے متعلقہ حواشی بھی آپ نے لکھے۔ اسی طرح امام بخاریؒ کی ''کتاب المفرد'' جو مطبع خلیلی میں طبع ہوئی اس پر بھی آپ کے نوٹس موجود ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ کی شہرہ آفاق کتاب ''تلخیص الحبیر'' کی طباعت کا پہلی بار اہتمام مولانا تلطف حسین بہاری نے آپ ہی کے حکم سے کیا۔ مولانا ابوالقاسم بنارسی نے لکھا ہے کہ حیدر آباد کے معروف مطبع دائرۃ المعارف کے آپ رکن تھے۔ ''تہذیب التہذیب'' اور ''تذکرہ حفاظ الحدیث'' آپ ہی کے مشورہ سے طبع ہوئیں۔

مولانا محمد سعید بنارسی کو آپ نے باطل افکار کی تردید کے لیے تیار کیا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی نے ''اوثق العری'' لکھی تو بنارسی صاحب سے آپ نے ''کسر العری باقامۃ الجمعۃ فی القری'' لکھوائی اور اپنے خرچ پر طبع کرائی۔ اس کے علاوہ مولانا ابو المکارم محمد علی مئوی سے مولانا ظہیر احسن نیموی کے رسائل کی تردید میں مختلف رسائل لکھوائے جن میں ''المذہب المختار فی الرد علی جامع الآثار'' خاصی مشہور ہے۔ جب علامہ نیموی نے ''آثار السنن'' لکھی تو مولانا ڈیانوی کے حکم پر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے اولاً بصورت اشتہار بنام ''اعلام اہل الزمن'' لکھا پھر ''ابکار المنن'' کے نام سے اس کا مستقل جواب بھی مولانا ڈیانوی ہی کے ایماء پر لکھنا شروع کیا۔

صحیح بخاری کے متعلق مولوی عمر کریم نے ناپسندیدہ خیالات کا اظہار کیا تو آپ کی ہدایات کے مطابق آپ کے تلمیذ مولانا القاسم بنارسی نے اس کا جواب دیا۔ مولانا عبدالسلام مبارکپوری نے ''سیرۃ البخاری'' لکھنے کا عزم کیا تو آپ نے جس طرح علمی تعاون فرمایا اس کا

تذکرہ کرتے ہوئے مولانا مبارکپوری لکھتے ہیں بے بضاعتی اور مواد کی قلت کسی طرح اس طرف قدم بڑھانے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ایک بار مولانا شمس الحق سے اس کا تذکرہ ہوا تو آپ نے ہمت دلا کر کتابوں کا پشتارہ لگا دیا اور مواد فراہم کرنے کے لیے دور دراز ملکوں میں خطوط بھیجے۔نسخ مطبوعہ اور قلمیہ برابر میرے پاس بھیجتے رہے۔ (سیرت بخاری' صفحہ ۳۵)

قاضی شیخ محمد مچھلی شہری بھوپال کے قاضی اور بلند پایہ محدث تھے اور ان کی تصانیف کی تعداد ۳۵ ہے۔ان کی طباعت کے لیے مولانا ڈیانوی نے ان کے صاحبزادوں سے مسودات کی خواہش بلکہ اصرار کیا مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ (تراجم علماء حدیث' صفحہ ۳۰۹)

مولانا ابوالحسنات عبدالشکور حنفی ندوی لکھتے ہیں:

''مولانا ڈیانوی وہ مایہ ناز ہستی ہیں جس پر اس آخری دور میں ہندوستان جس قدر چاہے فخر کر سکتا ہے۔تمام عمر خدمت حدیث میں بسر کر گئے۔مرحوم نے فن حدیث میں سنن ابی داؤد کی وہ بہترین شرح لکھی جس کو پڑھ کر عرب وعجم کی زبان سے بے ساختہ صدائے تحسین وآفرین بلند ہوئی۔(التعلیق المغنی علی الدارقطنی بھی مرحوم کی عمدہ تصنیف ہے''۔

(ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں' صفحہ ۴۷)

آپ کی تصنیفات حسب ذیل ہیں:

''غایۃ المقصود'' شرح ''سنن ابی داؤد'' آپ کی سب سے بڑی تصنیف ہے جسے خطب بغدادی کی تقسیم کے مطابق ۳۲ اجزء میں مکمل ہونا تھا مگر کام غالباً تین پاروں سے آگے نہ بڑھ سکا۔پہلا پارہ مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوا جس کے حاشیہ پر ابن قیمؒ کی ''تہذیب السنن'' اور ''مختصر السنن للمنذری'' بھی ہے۔اس شرح کے متعلق مولوی عبدالرشید بن مولانا ظہیر احسن نیموی لکھتے ہیں: ''ھذا شرح نفیس لیس لہ نظیر بین شروحہ'' کہ یہ بہت عمدہ شرح ہے جس کی دوسری شروح میں کوئی نظر نہیں۔مولانا خلیل احمد سہارنپوری بھی ''بذل المجھود'' کے مقدمہ میں اس شرح کی عظمت کا اعتراف فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شرح ابو داؤد کے پوشیدہ خزانوں کو کھولنے والی اور تمام جواہرات سے بھی ہوئی ہے۔اللہ تعالیٰ مصنف پر اپنا کرم وفضل فرمائے انہوں نے شرح کا حق ادا کر دیا۔ (بذل' جلدا' صفحہ ۱۱)

غایۃ المقصود کے ابتداء میں مولانا مرحوم نے ایک مبسوط مقدمہ تحریر فرمایا۔اس میں سنن ابی داؤد کی عظمت' امام ابو داؤد کے حالات' سنن ابی داؤد کے نسخے' شروح وحواشی اور

اپنے شیوخ واساتذہ کا تذکرہ شامل ہے۔اس میں انہوں نے امام ابوداؤد کا ''رسالہ مکیہ'' بھی شامل کر دیا ہے جو سنن ابی داؤد کے لیے ایک مقدمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

عون المعبود شرح ابی داؤد۔ یہ شرح دراصل ''غایۃ المقصود'' کا اختصار ہے اور مبسوط چار جلدوں میں ہے پہلی تین جلدیں ۱۳۱۹ ہجری میں اور آخری جلد ۱۳۲۲ ہجری میں طبع ہوئی اس کے بعد ''دار الکتاب العربی'' بیروت سے اس کا فوٹو عکس شائع ہوا۔ اور ۱۳۸۸ ہجری (۱۹۶۸ء) میں مدینہ شریف سے تیسری بار طباعت ہوئی تو اسے ۱۴ جلدوں میں شائع کیا گیا مگر اس میں بہت سی اغلاط پائی جاتی ہیں۔ ۱۳۹۹ ہجری کا ایڈیشن دار نشر السنہ ملتان نے شائع کیا جو ہندی طبع ہی کا عکس ہے اور مناسب کتابی سائز ہے۔ مولانا ڈیانوی نے ابوداؤد کی شرح ہی نہیں کی بلکہ ۱۴ قدیم قلمی نسخوں کو پیش نظر رکھ کر سنن ابی داؤد کی تصحیح کا بھی اہتمام کیا اور شاید اسی لیے دمشق کے نامور فاضل علامہ محمد منیر اس شرح کے بارے میں لکھتے ہیں: ''کل من جاء بعده ومن شیوخ الہند وغیرہ استمدوا من شرحہ'' (انموذج من الاعمال الخیریہ۔ صفحہ ۶۲۷) کہ ان کے بعد جو بھی آیا اس نے اس شرح سے استفادہ کیا۔

تعلیق المغنی علی سنن دارقطنی ۔ کتب احادیث میں سنن دارقطنی کی اہمیت سے کوئی طالب علم ناواقف نہیں۔ یہ بلند پایہ کتاب محدث ڈیانوی کی محنت شاقہ سے منصۂ شہود پر آئی۔ آپ نے متن کی تصحیح تین قدیم نسخوں سے کی اور جہاں کہیں کوئی ابہام محسوس کیا وہاں مناسب وضاحت کر دی جو ''التعلیق المغنی'' کے نام سے دو جلدوں میں پہلی بار مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوئی اور بڑی تقطیع کے ۵۵۴ صفحات پر مشتمل تھی اس کے بعد ۱۳۸۶ھ میں شیخ عبداللہ ہاشم مدنی کی برائے نام تصحیح سے چار جلدوں میں شائع ہوئی۔ اسی نسخہ کا عکس نشر السنہ ملتان کی طرف سے بھی شائع ہو چکا ہے مگر اس پر سن طباعت درج نہیں۔ غالباً یہ ایڈیشن ۱۴۰۰ ہجری میں طبع ہوا تھا۔

اعلام اہل العصر باحکام رکعتین الفجر۔ صبح کی دوسنتوں کے متعلق جملہ مباحث پر یہ کتاب مشتمل ہے اسے آپ نے دس فصلوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر فصل پر محدثانہ و فقیہانہ نقطہ نظر سے بحث کی ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۳۰۶ ہجری میں مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۷۵ء میں مولانا ارشاد الحق اثری کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی جو ۲۸۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

المکتوب اللطیف الی المحدث الشریف۔ یہ گویا ایک خط ہے جو انہوں نے ۱۳۱۲ ہجری میں حجاز مقدس سے حضرت میاں صاحب دہلوی کی خدمت میں لکھا ہے لیکن چونکہ اس میں اصول حدیث ہی کے ایک اصولی مسئلہ ''الاجازۃ العامۃ'' پر تفصیلی بحث ہے ، اس لئے قابل مطالعہ ہے۔ علمائے حجاز نے تقاضا کیا تھا کہ ہمیں میاں صاحب سے اجازہ حدیث ملنی چاہیے۔ اسی پس منظر میں محدث ڈیانوی نے یہ خط لکھا جس کے جواب میں میاں صاحب نے حجاز کے علماء کو اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ جواب بھی اسی مکتوب کے ساتھ ۱۳۱۴ ہجری میں مطبع انصاری دہلی سے طبع ہوا بعد میں اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا تھا۔

فضل البخاری شرح ثلاثیات البخاری۔ اس کتاب میں صحیح بخاری کی ان احادیث کی تشریح ہے جس میں امام بخاری نے تین واسطوں سے روایت کی ہے اور وہ ثلاثیات بخاری کے نام سے معروف ہیں جن کی تعداد باعتبار مکررات ۲۲ اور حذف تکرار سے ۱۷ ہے مگر یہ کتاب مکمل نہ ہوسکی۔

اس کے علاوہ آپ نے درج ذیل کتابیں تالیف فرمائیں ہیں:

رفع الالتباس عن بعض الناس۔ الاقوال الصحیحۃ فی احکام النسیکہ۔ القول المحقق فی اخبار اخصاء البہائم۔ عقود الجمان۔ الکلام المبین فی الجہر بالتامین۔ التحقیقات العلی باثبات فریضۃ الجمعۃ فی القری۔ رسالہ رد تعزیہ۔ النجم الوہاج شرح مقدمۃ الصحیح لمسلم بن الحجاج۔ ہدایۃ اللوذعی بنکات الترمذی۔ النور الامع مع اخبار صلاۃ الجمعۃ علی النجی الشافع۔ تحفۃ المتہجدین الابرار فی اخبار صلاۃ الوتر و قیام رمضان عن النبی المختار۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء۔ تفریح المتذکرین فی ذکر کتب المتاخرین۔ تنقیح المسائل یعنی مجموعہ فتاویٰ۔

مولانا ممدوح ۱۳۱۱ ہجری میں حج کے لیے تشریف لے گئے اور بعد زیارت حرمین شریفین و اداء فریضہ حج ، محرم ۱۳۱۲ ہجری میں واپس تشریف لائے۔ پھر دوسرے سال مع اہل و عیال حج کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین بیٹے عطا کیے۔ ایک لڑکا محمد شعیب ۵ ماہ کی عمر میں انتقال کر گیا جس کا آپ کو بہت دکھ ہوا تھا اور فرماتے ہیں کہ میں نے یوم وفات محمد شعیب کے اللہم اجرنی فی مصیبتی حزاو اخلف لی خیرا منہا بکرات مرات پڑھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نعم البدل عطا فرمایا یعنی حکیم محمد ادریس اور مولوی محمد ایوب جن کو حضرت میاں صاحب نے گود میں اٹھا کر بہت دعا دی تھی اور آخر کو سند بھی مرحمت فرمائی۔ مولانا فضل

حسین بہاری نے جب سید نذیر حسینؒ کی سوانح عمری لکھنے کا ارادہ فرمایا تو ان کے سب سے بڑے معاون مولانا ڈیانوی ہی تھے جنہوں نے نہ صرف اپنے پاس جمع شدہ مواد بہاری صاحب کو بھیجا بلکہ ہندوستان کے بہت سے شہروں میں خط لکھ کر لوگوں کو بھی ترغیب دی کہ سوانح عمری سے متعلق کوئی چیز ان کے پاس ہو تو بہاری صاحب کو بھیج دیں۔

محدث ڈیانوی کا انتقال بتاریخ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ ۵۶ سال کی عمر میں ہوا۔

علوم حدیث کی بے مثال خدمات سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ آپ نے تحریک ختم نبوت میں بھی گراں قدر کام کیا اور آپ تحریک کے اولین کارکنوں میں شامل ہیں۔ آپ نے ۱۸۹۱ء میں جاری ہونے والے فتویٰ تکفیر مرزا پر دستخط فرماتے ہوئے لکھا:

''بعد حمد وصلوۃ۔ ابوطیب شمس الحق کہتا ہے کہ مجھے اس رسالہ (فتویٰ تکفیر مرزا) کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا جس کو ہمارے شیخ و شیخ الاسلام و المسلمین مولانا سید نذیر حسین صاحب ''دام فیوضہ'' نے تحریر کیا ہے۔ اس کو میں نے حق کے مطابق پایا' پھر حق کے سوا بجز گمراہی کے کیا متصور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قادیانی نے مذہب الحاد اختیار کیا ہے اور نصوص کتاب وسنت کو اپنی جگہ سے پھیرا ہے۔ اور وہ باتیں بولا ہے جس پر کوئی مسلمان بجز اقوام غیر کے جرأت نہیں کر سکتا۔ خدا اس کے شر اور وساوس اور جادو سے مسلمانوں کو بچائے اور خدا تعالیٰ ہمارے شیخ سے راضی ہو جنہوں نے اسلام سے حملہ مخالفین کی مدافعت کی اور اس کی مدد کی۔ پھر خدا تعالیٰ مولوی ابوسعید (محمد حسین) صاحب اور مولوی محمد بشیر صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے مفتری کذاب سے مقابلہ کیا اور حق کو ظاہر اور اس (مرزا) کو لاجواب کر دیا۔ اس کو جواب کی طاقت نہیں ہوئی تو ان کے مقابلہ سے جنگلی گدھوں کی طرح بھاگ گیا۔ العبد ابوطیب شمس الحق۔

(علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ' صفحہ ۱۵۸-۱۵۹' اہل حدیث امرتسر ۳۱ اکتوبر ۱۹۱۹ء اہل حدیث علماء کی خدمات حدیث صفحہ ۱۰۲-۱۱۰)۔

محمد اشرف ڈیانوی

نام محمد اشرف بن شیخ امیر علی صدیقی اور آپ کا وطن عظیم آباد پٹنہ ہے۔آپ مولانا شمس الحق کے چھوٹے بھائی تھے۔۳ ربیع الثانی ۱۲۷۵ھ کو موضع ڈیانواں میں پیدا ہوئے اور مثل اپنے بھائی کے، بچپن میں یتیم ہو گئے۔آپ نے جملہ کتب کی تعلیم اپنے بھائی کے ہمراہ حاصل کی۔ اور آپ کے اساتذہ وہی ہیں جو بڑے بھائی کے تھے۔آپ نے سفر وحضر میں بھائی سے مفارقت نہیں کی۔ ہر امر میں ان کے ساتھ رہے اور تصنیف و تالیف میں شریک رہے۔میاں صاحب دہلوی کے شاگرد رشید تھے اور اپنے مکان پر درس دیتے تھے۔

آپ کے تلامذہ میں مولوی خدا بخش ڈمرانوی مشہور ہیں۔آپ کی تصانیف میں خلاصۃ المرام فی تحقیق القرأۃ خلف الامام ایک عمدہ رسالہ ہے۔آپ نہائت حلیم، متقی، صابر، قانت، خلیق، صاحب حافظہ قویہ، ملازم جمعہ و جماعت وشب زندہ دار تھے۔آپ نے ۱۵ محرم ۱۳۲۶ھ کو اپنے بڑے بھائی کی زندگی میں انتقال فرمایا۔ان کی وفات کا مولانا شمس الحق کو اس قدر صدمہ ہوا کہ اس وقت سے تصنیف و تالیف کا کام قریباً بند ہو گیا اور یوں بہت سی کتابیں ناتمام رہ گئیں

۱۸۹۱ء میں مرزا غلام احمد کے بارے میں جو فتوی تکفیر جاری ہوا تھا۔مولانا محمد اشرف نے اس پر دستخط فرمائے ہیں اور لکھا ہے ما اجاب به السيد العلامه المحدث دہلوی هو احق بالقبول (استفتاء کا جو جواب علامہ سید محدث دہلوی نے دیا ہے وہ لائق قبول ہے)۔حررہ محمد اشرف علی عظیم آبادی۔

یوں فتوی تکفیر پر دستخط کی وجہ سے آپ کا شمار تحریک ختم نبوت کے اولین کارکنوں میں ہوتا ہے۔ (اہل حدیث امرتسر ۳۱۔اکتوبر ۱۹۱۹ء، علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتوی ص ۱۵۹)

لطف اللہ علی گڑھیؒ

آپ مفتی عنایت احمد کے شاگرد تھے جو مولانا بزرگ علی، علی گڑھی (م۱۲۶۲ ہجری) اور شاہ اسحاق کے شاگرد تھے۔ مفتی عنایت احمد کافی عرصہ علی گڑھ میں اپنے استاد مولانا بزرگ علی کے مدرسہ میں تعلیم دیتے رہے اور اسی زمانہ میں مولانا لطف اللہ آپ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ مفتی صاحب جب حکومت کی طرف سے بعہدہ منصف مقرر ہوئے تو انہوں نے مولانا لطف اللہ کو اپنا سر رشتہ دار مقرر فرمایا' بعد میں مفتی صاحب تحریک آزادی میں شرکت کی بنا پر کالا پانی بھیجے گئے۔ سزا کاٹ کر واپس آئے تو کان پور میں مدرسہ فیض عام قائم کیا۔ ۱۲۷۹ ہجری میں حج کو گئے اور راستہ میں جہاز ڈوب جانے کے باعث آپ کی وفات ہوئی اور ان کی جانشینی مولانا لطف اللہ کے حصہ میں آئی۔

مولانا لطف اللہ علمائے ربانیین کا نمونہ اور زہد وتقویٰ کا مجسمہ تھے۔ بہت سے اکابر نے آپ کی شاگردی کی جن میں پیر مہر علی شاہ صاحب بھی شامل ہیں۔ سب لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا محمود حسن جامع العلوم کان پور کے جلسہ دستار بندی میں تقریر کر رہے تھے کہ مولانا لطف اللہ جلسہ میں تشریف لائے۔ مولانا محمود حسن نے آپ کو دیکھتے ہی ادب و احترام کے پیش نظر تقریر ختم کر دی۔ علمائے عصر کے ساتھ بعض فروعی مسائل میں اختلاف ہونے کے باوجود مولانا لطف اللہ نے کبھی تعصب اور تشدد کا اظہار نہیں فرمایا۔ ایک مرتبہ کسی فتویٰ کے سلسلہ میں مولانا احمد رضا خان سے قدرے شکر رنجی پیدا ہوگئی تھی مگر بعد میں صلح صفائی ہوگئی اور دونوں کے مراسم دوستانہ رہے۔

مولانا لطف اللہ نے ۱۸۹۱ء میں مرزا غلام احمد پر جاری ہونے والے فتویٰ تکفیر پر دستخط فرمائے ہیں اور لکھا ہے کہ: "جس شخص کے یہ اعتقاد اور مقالات ہیں جو سوال میں مذکور ہوئے ہیں وہ بے شک دائرہ اسلام سے خارج اور ملحد اور زندیق ہے۔ نعوذ باللہ من شرورہ"۔

اس کے علاوہ آپ نے انجمن اہل حدیث وزیر آباد کے شائع کردہ مرزائیوں سے متعلق دونوں فتووں پر بھی تصدیقی دستخط فرمائے تھے اور یوں آپ کا شمار تحریک ختم نبوت کے اولین اور بزرگ کارکنوں میں ہوتا ہے۔ آپ کا سال وفات ۱۳۳۴ ہجری ہے۔

(علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ۔ صفحہ ۹۲۔۱۷۲۔۱۸۱' مہر منیر صفحہ ۷۳-۷۵)

حافظ عبدالمنان وزیر آبادیؒ

آپ کی پیدائش ۱۲۶۷ ہجری میں بمقام موضع کرولی تحصیل پنڈ دادنخان، ضلع جہلم میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام شرف الدین خان تھا جو قوم کے اعوان تھے اور کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے۔ والدین نے آپ کا نام اشراف خان رکھا۔ جب آپ کا سن آٹھ سال کو پہنچا تو نزول الماء کی وجہ سے بصارت جاتی رہی۔ اللہ نے تحصیل علم کا شوق ایام طفولیت ہی سے آپ کے سینہ میں ودیعت فرما رکھا تھا اس لیے جوہر علم کی تلاش میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں مولوی قادر بخش احمد آبادی سے پڑھیں اور ''کنز قدوری'' وغیرہ سید فاضل شاہ سکنہ بھلوال سے پڑھیں۔ پھر مولوی برہان الدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر صرف ونحو کی کتابوں کو ازبر کیا۔ بعد ازاں موضع چکی شیخ میں مولوی گل احمد سے ''ملاحسن'' اور ''خیالی'' پڑھی۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۵ سال تھی اس کے بعد پھرتے پھراتے بمبئی پہنچے اور اس وقت تک چونکہ آپ کو وعظ کا اچھا خاصہ ملکہ ہو گیا تھا اس لیے جدھر جاتے لوگ عزت سے پیش آتے۔ ایک دن آپ بمبئی کے ایک بازار میں پھر رہے تھے کہ ایک شخص نے آپ کو حدیث پڑھنے کی ترغیب دی۔ اس کی باتوں کا آپ کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اسی وقت سے حدیث کی لگن لگ گئی اور آپ بھوپال چلے گئے۔ وہاں ایک سال گزار کر ابوداؤد نسائی اور دارمی وغیرہ کتب حدیث پڑھیں۔ اس کے بعد نواب صدیق حسن کی اجازت سے دہلی میں سید محمد نذیر حسین محدث کی خدمت میں پہنچے اور یہاں صحاح ستہ اور ''ہدایہ'' وغیرہ تحصیل فرما کر سند حاصل کر لی۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۲۲ سال تھی۔ فارغ التحصیل ہو کر واپس کرولی آئے تو ان کے عامل بالحدیث کی وجہ سے علاقے میں مباحثوں کا آغاز ہو گا۔ کچھ عرصہ کے بعد لاہور آ گئے اور ایک سال مسجد چینیا نوالی میں درس دیا پھر امرتسر مولانا عبداللہ غزنوی کے پاس جا کر دو سال رہے اور ان سے فیض حاصل کیا۔ یہاں ان کی ملاقات مولوی محی الدین عبدالرحمٰن سے بھی ہوئی۔ پھر بمبانوالہ ضلع سیالکوٹ وارد ہوئے اور وہاں سلسلہ درس شروع کیا اس کے بعد ۱۲۹۲ھ میں وزیر آباد آ گئے اور دار الحدیث نامی مدرسہ قائم کیا۔ ابتدائی اقامت

وزیر آباد کے دوران آپ کو بہت سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔لوگوں نے وہابی کہہ کر آپ کو مسجد سے نکال دیا۔ کنوؤں سے پانی بند کر دیا اور کسی قسم کے ذرائع ایذا رسانی استعمال کرنے سے دریغ نہ کیا مگر آپ اولوالعزمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہے۔ ہر ایک کے ساتھ خوش اسلوبی اور اخلاق سے پیش آتے۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ وہی مخالف جو آپ کو مسجدوں سے نکالتے تھے، اب ہاتھوں پر اٹھانے لگے اور آپ کے وجود باجود کو مایہ ناز اور باعث افتخار سمجھنے لگے۔آپ نے ۴۲ سال تفسیر و حدیث کا درس دیا اور ۶۰ سے زائد مرتبہ صحاح ستہ مکمل پڑھائی۔ پنجاب سندھ بنگال بہار کابل شام تک کے طلبا نے کسب فیض کیا۔

حدیث نبویؐ کے عاشق اور دلدادہ تھے۔ ہزاروں حدیثیں یاد تھیں اور غالباً اسی کی برکت سے کئی بار خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی۔فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ خواب میں رسول اللہ ﷺ نے لعاب مبارک میرے منہ میں ڈال دیا اور ایک دفعہ مجھے سینے سے لگایا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔اس دوران ایک مرتبہ میاں صاحب سے ملاقات کے لیے دہلی حاضری دی۔ دوران گفتگو میاں صاحب نے فرمایا کہ پنجاب میں تین شخص میرے دل کی راحت کا باعث بنے ہیں اور تم ان میں سے ایک ہو۔ اس کے بعد حافظ عبدالمنان کی درخواست پر میاں صاحب نے اپنی پگڑی اتار کر ان کے سر پر رکھی اور فرمایا کرتہ عبدالجبار لے گیا تھا، تم یہ پگڑی لے جاؤ۔

آپ کے شاگردوں میں ثناء اللہ امرتسری، ابراہیم میر سیالکوٹی، حافظ محمد گوندلوی، محمد اسماعیل سلفی، عبد المجید سوہدروی، قاضی عبدالرحیم قاضی کوٹی، میاں محمد باقر، عمر دین وزیر آبادی شامل ہیں۔آپ کی وفات جولائی ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔

مرزا غلام احمد نے جب براہین احمدیہ شائع کی تو اسی وقت حافظ صاحب اس کے عزائم کو بھانپ گئے تھے اور ۱۸۹۱ء میں جو فتویٰ تکفیر مرزا جاری ہوا تو اس پر آپ نے لکھوایا کہ

> میں نے قادیانی کی کتابوں کا بارہا مطالعہ کیا تو ان کو کفر و الحاد سے اور خدا و رسول پر افتراء سے پر پایا۔ وہ کہیں کسی امر کو تسلیم کرتا ہے کبھی اس سے انکاری ہوتا ہے۔اس کا طریق اہل الحاد و فساد کا طریق ہے اور اس کا مذہب کجی اور عناد والوں کا مذہب ہے۔ وہ ان دجالوں میں سے (جن کے آنے کی خبر آنحضرت ﷺ نے دی ہے) ایک دجال ہے اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر اور راہ چلنے والا ہے اور ملحدین کے دلائل سے تمسک کرنے والا اور

مسلمانوں کو دھوکہ دینے والا ہے۔ جو شخص اس کی کتابوں کو دیکھ کر قرآن وحدیث سے ان کا مقابلہ کرے گا اس پر ہمارا یہ بیان مخفی نہ رہے گا۔ خدا مسلمانوں کو اس کے عقیدہ باطلہ سے بچائے اور طریق صواب پر چلنے کی ہدایت فرمائے۔

مرزا غلام احمد نے ۱۸۹۶ء والے چیلنج مباہلہ میں ان کا نام بھی دیا تھا اور چونکہ آپ کی وفات مرزا غلام احمد کی موت کے بعد ہوئی اس لیے آپ کے مقابلے میں مرزا قادیانی کا پہلے مر جانا خود اس کی منطق کے مطابق اس کے کفر کا نشان ہے۔

حافظ صاحب کا نام ان بزرگوں میں بھی شامل ہے جن کو ۱۹۰۰ء میں مرزا غلام احمد نے تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تھا۔ حافظ صاحب اس چیلنج کا جواب دینے کے لیے لاہور پہنچ گئے تھے جب کہ مرزا غلام احمد قادیان ہی میں محصور رہے۔ حافظ صاحب لاہور والے جلسے کے بعد مسلمانوں کی طرف سے جاری ہونے والے مشترکہ اعلامیہ پر بھی دستخط فرمائے تھے۔

آپ ان اکابرین میں بھی شامل ہیں جن کا نام مرزا قادیانی نے اس خواب میں لیا ہے جو اس نے ''تحفہ گولڑویہ'' میں درج کی ہے۔ اس کے علاوہ حافظ صاحب نے وزیر آبادی فتووں پر دستخط فرمائے ہیں اور اس طرح ان کا اسم گرامی تحریک ختم نبوت کے نمایاں ترین کارکنوں کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے۔

(اہل حدیث امرتسر ۱۲ اگست ۱۹۱۹ء؛ علماء اہل حدیث کی خدمات حدیث۔ صفحہ ۴۱-۴۵؛ علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ، صفحہ ۱۴۷ اور ۱۷۶)

عبدالجبار عمرپوریؒ

آپ کی ولادت ۱۲۷۷ ہجری میں موضع عمرپور ضلع مظفرنگر میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام بدرالدین عمرپوری ثم دہلوی تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی بعد ازاں منطق و فلسفہ مولانا غلام علی قصوری، مولانا عبدالعلی حنفی نزیل امرتسر اور مولانا ابراہیم شیعی پانی پتی سے پڑھا۔ فقہ، اصول فقہ اور حدیث کی ابتدائی کتابیں مولانا محمد مظہر نانوتوی، مولانا احمد علی بن لطف اللہ سہارنپوری سے اور علم حکمیہ مولانا احمد حسن اور ادب مولانا فیض الحسن ادیب سہارنپوری سے پڑھا۔ اس کے بعد حدیث و تفسیر جناب میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سے پڑھ کر سند حاصل کی۔ میاں صاحب کی خدمت میں آپ نے ایک طویل عرصہ گزار کر ان سے استفادہ کیا اور آپ کا شمار جماعت اہل حدیث کے ان علماء میں ہوتا ہے جو علم حدیث اور حفظ حدیث میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔

آپ کا حافظہ بہت قوی تھا۔ کسی کتاب کو دو مرتبہ پڑھ لیتے تو پوری کتاب آپ کو یاد ہو جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ جب آخر عمر میں ضریر البصر ہو گئے تو بھی بہت اچھی طرح درسی کتابیں پڑھاتے تھے۔ آپ واعظ اور مقرر بھی تھے اور اردو، فارسی اور عربی کے اچھے شاعر بھی۔ پندرہ روزہ اخبار ''تبلیغ'' جبل پور کے ایڈیٹر تھے جس کے اکثر مضامین ادیان باطلہ کی تردید میں ہوا کرتے تھے۔ آپ کا انتقال شوال ۱۳۳۴ء میں ستاون برس کی عمر میں ہوا اور اپنے استاد محترم مولانا سید نذیر حسین کے جوار میں مدفون ہوئے۔

آپ کے پوتے مولانا عبدالغفار حسن لکھتے ہیں کہ آپ نے مدرسہ دارالہدیٰ کشن گنج (حسن گنج) میں تدریس کا سلسلہ قائم کیا۔ عوام و خواص کو روزانہ صبح نماز فجر کے بعد پابندی سے درس قرآن مجید سے مستفید کرتے رہے۔ ماہنامہ ''ضیاء السنہ'' جاری کیا جو اس دور کے بلند پایہ مجلّات میں شمار ہوتا تھا۔ اس رسالہ میں انہوں نے مولوی عبد اللہ چکڑالوی کے نظریہ کا رد کیا کہ دین کے اصول و فروع، کلیات و جزئیات سب قرآن مجید میں واضح طور پر موجود ہیں لہٰذا سنت کی ضرورت نہیں۔ آپ نے دلائل و براہین کے ساتھ کئی اقساط میں اس نظریہ کا

ابطال کیا۔ دینی حلقوں میں یہ مضامین بہت پسند کیے گیے ۔ یہ رسالہ تقریباً ۴ سال ۱۳۱۹ ہجری سے ۱۳۲۴ ہجری تک جاری رہا۔ اس رسالہ کی طباعت و اشاعت اور ترتیب وتہذیب کی نگرانی آپ کے برادر خورد مولانا ضیاء الرحمٰن کرتے رہے۔ اس رسالہ میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری' مولانا عبدالسلام مبارکپوری' مولانا حافظ حکیم ابو یحیٰی محمد صاحب شاہ جہان پوری' مولانا ابو النعمان اعظم گڑھی وغیرہ کے مضامین شائع ہوتے رہے۔ آپ کی تصانیف میں صمصام التوحید۔ ارشاد السائلین الی مسائل الثلاثین۔ تذکیرالاخوان فی خطبۃ الجمعۃ بکل لسان۔ تبصرۃ الانام ۔ ارشاد الانام شامل ہیں۔ تفسیر و حدیث اور دوسرے علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ شعروشاعری میں بھی مشاق تھے۔ عربی' فارسی اور اردو میں ان کے قصائد مقبول ہوئے۔

مولانا عبدالجبار عمرپوری تحریک ختم نبوت کے ان ابتدائی کارکنوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے مرزا غلام احمد صاحب کے دعاوی سامنے آتے ہیں ۱۸۹۱ء میں اس کی تکفیر کا فتویٰ دے دیا تھا۔ اس فتویٰ پر آپ نے لکھا:

> ''اس میں شک نہیں کہ قادیانی کج رو' بلید نے بدعت ضلالت نکالی ہے اور اپنی تحریرات میں حماقت ظاہر کی ہے' اپنے حال اور اعتقاد میں بیماری بڑھا لی ہے۔ کلمات شارع اور نصوص کی تحریف کی ہے اور ان باتوں کا جو دین سے بداہتاً ثابت ہیں، انکار کیا ہے۔ وہ اور اس جیسے لوگ دین کے چور ہیں اور وہ دجالین' کذابین اور ملعون شیاطین سے ہیں خدا اس کو توبہ کی توفیق دے یا ذلیل کرنے والے عذاب میں مبتلا کرے''

اس کے علاوہ آپ نے انجمن اہل حدیث وزیرآباد والے فتووں پر بھی دستخط فرمائے اور ایک فتویٰ پر لکھا کہ مرزا قادیانی جو عیسیٰ مسیح ہونے کا مدعی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کلمات شنیعہ لکھنے والا سراسر کاذب اور مفتی' انتہا درجے کا بد دین' مرتد' ملحد' خبیث النفس اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس کی اتباع کرنے والے بھی اسلام سے خارج اور ہرگز امامت کے لائق نہیں۔ عبدالجبار عمرپوری دہلی'

اور دوسرے فتویٰ پر لکھا کہ:

''جو شخص مرزا کے عقائد سے ناواقف ہو کر (اسے) مسلمان کہتا ہے تو وہ بھی اسلام سے خارج ہے۔ ہرگز امامت کے لائق نہیں' عبدالجبار عمرپوری دہلی کشن گنج۔ (علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ۔ صفحہ ۸۷-۱۷۷-۱۸۵۔ محدث بنارس' دسمبر ۲۰۰۱' میں بحوالہ اخبار اہل حدیث امرتسر ۷ ستمبر ۱۹۱۷ء۔ نزھۃ الخواطر' جلد ۸۔ تراجم علماء حدیث ہند' صفحہ ۱۶۶، الاعتصام لاہور۔ یکم اپریل ۱۹۹۴ء)

سید احمد حسنؒ

آپ کا مولد دہلی ہے اور آپ کی ولادت ۱۲۵۸ ہجری میں ہوئی۔ اوائل عمر قلعہ معلیٰ میں بسر ہوئی اور وہیں آپ نے قاری امید علی سے قرآن مجید حفظ کیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران آپ کے والد مع اہل وعیال پٹیالہ چلے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۴ سال تھی۔ پٹیالہ میں آپ نے مرزا احمد بیگ سے ابتدائی کتابیں پڑھیں اور دفتری کام میں بھی آپ نے واقفیت پیدا کر لی۔ اس کے بعد ٹونک گئے اور ابھی صرف ونحو تک ہی پڑھا تھا کہ آپ کے والد دہلی لوٹ آئے جہاں آپ نے ۱۸۵۷ء کے بعد باقاعدہ تحصیل علم شروع کی۔ اول کچھ مدت بمعیت مولوی عبدالغفور، دہلی میں پڑھا' پھر دونوں خورجہ مولوی محمد حسین خان (جو میاں نذیر حسین محدث کے تلمیذ تھے اور جن کا انتقال ۱۳۰۷ ہجری میں ہوا۔ تذکرہ علماء حدیث ہند' صفحہ ۲۳۶) کے درس میں شریک ہوئے اور منطق فقہ واصول فقہ کی تکمیل کی۔ پھر علی گڑھ میں مولوی فیض الحسن سہارنپوری سے کسب فیض کیا اور علوم مندرجہ بالا کے علاوہ تفسیر بھی پڑھی۔ بعد ازاں دہلی واپس آ کر میاں صاحب سے حدیث اور تفسیر پڑھی۔ طب حکیم امام دین خان سے پڑھ کر حکیم حسام الدین کے مطب میں حاضر ہوئے اور سند طبابت حاصل کی۔

آپ کا شمار میاں صاحب کے مشہور تلامذہ میں ہوتا ہے اور آپ میاں صاحب کی خدمت میں حاضر رہ کر فتویٰ نویسی بھی کرتے تھے۔ استاد کے مشورے سے آپ کی شادی ڈاکٹر نذیر احمد خان مرحوم کے ہاں قرار پائی۔ اس زمانہ میں ڈاکٹر صاحب گورکھپور قیام فرماتے تھے۔ یہ تقریب وہیں سرانجام پائی۔ شادی کے بعد ڈاکٹر صاحب آپ کو حیدر آباد دکن لے گئے اور آپ ضلع ناندیر میں ڈپٹی کلکٹر مقرر ہو گئے۔

سرکاری عہدہ پر رہ کر بھی آپ نے دینی خدمت کی۔ یہاں آپ نے قرآن مجید کا وہ مترجم نسخہ مرتب کیا جس میں شاہ ولی اللہ' شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر تینوں حضرات کے ترجمے جمع کیے اور اس پر اپنا حاشیہ ''احسن الفوائد'' لکھا جو احادیث نبویؐ سے مستفاد ہے۔ اردو ہی میں کتاب ''احسن التفاسیر'' لکھی جس کا موضوع نام سے ظاہر ہے اور ''فی الباب'' بہترین

کتاب ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ ''احسن الفوائد'' متن ہے اور یہ اس کی شرح ہے۔ مولوی عطاء اللہ حنیفؒ لکھتے ہیں کہ ''احسن الفوائد'' کو مصنف نے اپنی زندگی میں اپنے خرچ پر طبع کرایا تھا۔ ایک مرتبہ دہلی میں ۱۳۱۹ ہجری میں ، دوسری مرتبہ یہ کتاب ۱۳۴۷ ہجری میں طبع ہوئی۔ احسن التفاسیر ہزاروں صفحات پر مشتمل ۱۳۲۵ ہجری میں مطبع فاروقی دہلی سے سات بڑی جلدوں میں شائع ہوئی اور یہ تفسیر بڑی قابلیت سے مرتب کی گئی تھی نیز اس میں بہت سی تفاسیر کا خلاصہ آسان اور عام فہم انداز میں کر دیا گیا ہے۔ پاکستان میں یہ کتاب حافظ عبدالرحمٰن گوہڑوی کی تزئین و تخریج کے ساتھ مکتبہ سلفیہ لاہور سے شائع ہوئی اور بلال گروپ آف انڈسٹریز لاہور کی جانب سے وقف ہو کر تقسیم کی گئی ہے۔ عبدالرحمٰن گوہڑوی صاحب کی طرف سے کلمہ ناشر ۲۵ جمادی الاول ۱۳۷۹ ہجری کا لکھا ہوا ہے اور آغاز میں مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم نے مصنف کے مختصر سوانح لکھے ہیں۔

مقدمہ تفسیر ''احسن التفاسیر'' تفسیری فوائد اور علمی نکات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے جو ۱۳۳۰ ہجری (۱۹۱۲ء) میں طبع ہوا۔ اس کے علاوہ آپ نے تفسیر ''آیات الاحکام من کلام رب الانام'' اردو میں لکھی۔ صرف سورۂ بقرہ کا حصہ اہل حدیث کانفرنس دہلی نے ۴۲۴ صفحات پر ۱۹۲۱ء میں دہلی سے شائع کیا گیا۔ اگر یہ کتاب پوری ہو جاتی تو اردو میں آیات احکام کی تفسیر اپنی نظر آپ ہوتی۔

اس کے علاوہ آپ نے بلوغ المرام کی عربی میں لکھی ، جو دو بار شائع ہو چکی ہے یہ فقہی اور محدثانہ انداز کا جامع حاشیہ ہے۔ متن کے ساتھ کم و بیش ۳۵۰ صفحات پر مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۲۵ھ میں شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۸ء میں سرگودھا سے شائع ہوا۔

آپ نے ''مشکوٰۃ المصابیح'' کی احادیث کی تخریج و تنقیح ''تنقیح الرواۃ'' کے نام سے لکھی جو چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا ربع ۳۴۲ صفحات میں مطبع انصاری دہلی سے ۱۳۲۵ ہجری میں شائع ہوا۔ اور دوسرا ربع مطبع مجتبائی دہلی سے ۲۱۴ صفحات میں ۱۹۱۵ء میں طبع ہوا۔
سید احمد حسن مرحوم ''تنقیح الرواۃ'' کا کام صرف ''کتاب الزکوٰۃ'' تک ہی کر پائے تھے۔ اس کی تکمیل میاں صاحب مرحوم کے ایک اور شاگرد مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی مرحوم نے کی ، تاہم یہ کام اپنی تکمیل تک سید احمد حسن کے زیر نظر رہا جیسا کہ ''تنقیح الرواۃ'' کے مسودہ سے عیاں ہوتا ہے۔

تنقیح الرواۃ محدثانہ طریق پر مشکوٰۃ کا جامع اور بے نظیر حاشیہ ہے۔ اس کا دوسرا نصف مطبع مجتبائی والوں کی سرد مہری کی نذر ہو گیا تھا۔ تاہم تلاش بسیار کے بعد مطبع مجتبائی والوں کے ورثا سے اس کا کرم خوردہ مسودہ دستیاب ہوا تو تیسرا ربع مولانا عطاء اللہ حنیف کی تصحیح و تحقیق اور اضافوں کے ساتھ ۱۴۰۴ ہجری میں دار الدعوۃ السّلفیہ لاہور کے اہتمام سے چھپا۔ پھر آخری ربع (جو بہت زیادہ کرم خوردہ اور خراب تھا) اس کو بھی تصحیح اور استدراکات کے ساتھ شائع کر دیا گیا۔

مسند احمد کی تخریج کا کام بھی ان کے تذکروں میں ملتا ہے مگر وہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

آپ کی ایک تصنیف کا نام ''بحر ذخار'' ہے۔ مولانا ارشاد حسین رام پوری نے حضرت میاں صاحب کی ''معیار الحق'' کے جواب میں ''انتصار الحق'' کے نام سے ایک بڑی ضخیم کتاب لکھی۔ ''بحر ذخار'' کم و بیش تین سو صفحات پر مشتمل اسی کتاب کا مدلل اور سنجیدہ جواب ہے۔

صراط الاھتدا فی بیان الاقتدا۔ اہل حدیث کے امتیازی مسائل کی تحقیق اور اہل حدیث کی اقتدا میں نماز پڑھنے کے جواز میں آپ کی یہ مدلل کتاب ۱۲۸۹ ہجری میں مطبع فاروقی دہلی سے طبع ہوئی۔

آپ سراپا اخلاص اور بہت خمول پسند تھے۔ اپنی کسی تالیف میں اپنا نام خود نہیں لکھا نہ کسی تالیف پر کوئی تاریخ لکھی۔ ۱۳۰۸ء میں زیارت حرمین کے لیے گئے اور وہاں انہیں ان مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جو ان دونوں ارض حجاز میں ہر عامل بالحدیث کا مقدر تھیں مگر بحمد اللہ مع الخیر واپس آئے۔ آخری عمر میں پنشن مل گئی تو دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے۔ آپ کی وفات ۱۷ جمادی الاول ۱۳۳۸ ہجری' بمطابق ۹ مارچ ۱۹۲۰ء کو ہوئی۔

۱۸۹۱ء والے فتویٰ تکفیر مرزا پر ان کے دستخط ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تحریک ختم نبوت کے اولیں کارکنوں میں سے ہیں۔ آپ نے اپنے فتویٰ میں لکھا تھا کہ اس میں شک نہیں کہ جو شخص ان باتوں پر اعتقاد رکھے جو فتویٰ میں مذکور ہیں وہ ملحد ہے کیونکہ ایسا اعتقاد رکھنے والا اکثر اعتقادات ظاہر شریعت کا منکر ہے اور اس کا حکم مخفی نہیں ہے۔

(تفسیر احسن التفاسیر۔ جلد اول۔ مختصر حالات از مولانا عطاء اللہ حنیف' پاک و ہند میں علمائے حدیث کی خدمات حدیث' علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ۔ صفحہ ۸۷)

عبدالعزیز رحیم آبادیؒ

حاجی شیخ احمد اللہ صاحب رئیس موضع رحیم آباد، جواد، کریم النفس، محبّ علم واہل علم، متقی اور متبع سنت بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کے مناقب و اوصاف اس بات سے واضح ہو جاتے ہیں جو حافظ عبداللہ محدث غازی پوری فرمایا کرتے تھے کہ بڑے لوگوں میں نواب صدیق حسن خان اور چھوٹے رئیسوں میں جناب شیخ احمد اللہ نے توحید وسنت کی اشاعت میں جس مالی انفاق وایثار سے کام لیا اس میں یہ حضرات اپنی نظیر آپ ہیں۔

جناب شیخ صاحب کے چار لڑکے حاجی عبدالرحیم صاحب' مولوی عبدالوہاب وکیل ہائی کورٹ' مولانا عبدالعزیز صاحب اور مولانا حافظ محمد یٰسین صاحب تھے۔ مولانا عبدالعزیز کی ولادت ۱۲۷۰ ہجری میں رحیم آباد میں ہوئی۔ حافظ مٹھو صاحب سے (جو دربھنگہ میں قیام پذیر رہے) قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا اور ایک برس میں قرآن مجید کے حفظ سے فارغ ہو گئے' اس کے بعد مولوی عظمت اللہ ساکن بھپورہ متصل منیر ضلع عظیم آباد' مولوی محمود عالم رام پوری اور مولوی محمد یحیٰی بہاری فارسی اور عربی کی تعلیم پائی۔ ۱۲۹۰ ہجری میں سید نذیر حسین محدث کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ۲ برس تک حاضر رہ کر صحاح ستہ' مؤطا امام مالک' دارمی شریف' جامع صغیر' ہدایہ' جلالین اور اصول حدیث پڑھیں۔ جناب میاں صاحب کے مدرسہ میں آپ لائق مستعد اور بالغ الاستعداد اور اعلیٰ درجہ کے ذہین و ذکی اور مناظر طالب علم سمجھے جاتے تھے۔ مولوی عبدالحق صاحب حقانی سے (جو آپ کے ہم درس اور جناب میاں صاحب کے حلقہ درس میں آپ کے ساتھ شریک رہتے تھے) اکثر آپ کا مناظرہ ہوتا تھا۔ حضرت میاں صاحب آپ کو بہت محبت اور پیار کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور آپ کی قدر کرتے۔

دوران سبق جب کوئی طالب علم کسی عبارت کے مطلب میں یا کسی مسئلہ میں کج بحثی یا ضد کرتا تو حضرت میاں صاحب فرماتے یہ نہیں سمجھتے گا اس کو بلاؤ۔ (مولانا عبدالعزیز کو آپ پیار سے ''اس کو'' کہا کرتے تھے)۔

ایک مرتبہ میاں صاحب نے آپ کو وعظ کہنے کے لیے فرمایا آپ نے سورۂ قلم کا وعظ شروع کیا' میاں صاحب پر اس وعظ کا اتنا اثر ہوا کہ بے خود ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور خود بھی وعظ فرمانے لگے۔ جب آپ نے دیکھا کہ میاں صاحب بھی بیان فرما رہے ہیں تو آپ خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد میاں صاحب نے فرمایا چلو صاحب بیان کرو۔ مولانا عبدالعزیز صاحب نے پھر بیان شروع کیا اور چند منٹ بعد میاں صاحب کی حالت پھر پہلے جیسی ہو گئی اور انہوں نے دوبارہ بیان شروع کر دیا تو آپ خاموش ہو کر منبر سے اتر آئے۔

۱۲۹۳ ہجری میں فارغ ہو کر اور سند تکمیل حاصل کر کے وطن مالوف کو مراجعت فرمائی اور رحیم آباد میں قیام فرمایا۔ آپ کے والد ماجد نے اشتہار دیا کہ ہم ۵۰ طلبہ کو کھانا کپڑا دیں گے، رحیم آباد آ کر مولوی عبدالعزیز صاحب سے عربی پڑھیں۔ اور طلبہ جوق در جوق پہنچے اور یوں آپ تعلیم و تدریس وعظ و تذکیر تحقیق مسائل افتاء مناظرہ اور مخالفین کے رسائل کے جواب دینے میں مصروف ہو گئے۔

۱۳۰۵ ہجری میں اہل حدیث اور احناف کے مابین مسئلہ وجوب تقلید پر مرشد آباد میں ایسا قابل دید مناظرہ ہوا کہ بنگال تو کیا شائد تمام ہندوستان میں بھی ایسا مناظرہ نہیں ہوا ہوگا۔ فریقین کے نامی گرامی علماء کرام بلائے گئے۔ غیر مذہب کے نامی وکلا ثالث مقرر ہوئے ہزاروں کا مجمع تھا' اس عالیشان مناظرہ میں اہل حدیث کی طرف سے آپ مناظر قرار پائے اور کئی روز تک مناظرہ ہوتا رہا۔ دوسری طرف احناف کے مناظرین میں مولوی ہدایت اللہ خان صاحب منقطی جونپوری اور مولوی عبدالحق حقانی شامل تھے۔ خدائے پاک نے آپ کو نمایاں فتح عطا فرمائی جس کی تفصیل روداد مناظرہ مرشد آباد سے معلوم ہو سکتی ہے۔ ایک بنگالی عالم نے بنگلہ زبان میں اس روداد کا ترجمہ ''صمصام الموحدین'' کے نام سے کیا تھا۔ اس مناظرہ میں آپ نے آیت کریمہ ''فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون'' کی جو تفسیر بیان کی اس کی نسبت جناب میاں صاحب فرماتے تھے کہ مولوی عبدالعزیز نے اس آیت کی ایسی تفسیر کی ہے کہ امام رازی کو بھی نہیں سوجھی۔

اس مناظرہ کا یہ اثر ہوا کہ بنگال کے قریب قریب کے اضلاع میں بے شمار اللہ کے بندے اہل حدیث اور آپ کے ایسے معتقد ہو گئے کہ پروانہ کی طرح آپ پر نثار ہونے لگے۔ اس مناظرہ میں آپ کی ذہانت' فطانت' ذکاوت' ظرافت طباعی اور موقع کے لحاظ سے اشعار

کے استعمال وغیرہ کو ملاحظہ کر کے حافظ عبد اللہ غازی پوری فرماتے تھے کہ مولانا عبد العزیز ہم لوگوں میں خدا کی ایک نعمت غیر مترقبہ ہیں، ہم لوگ اس کی قدر نہیں کرتے۔ اس مناظرہ کے بعد آپ کا لقب امام المناظرین ہو گیا اور مخالفین آپ کا نام سن کر کانوں پر ہاتھ رکھتے اور سامنے آنے کی ہمت نہ کرتے اگر کوئی ہمت کر بھی لیتا تو کوئی مقابل زیادہ وقت آپ کے سامنے ٹھہرنے کی تاب نہیں لا سکتا تھا۔

ادھر مخالفین کی مخالفت بھی دن بدن بڑھتی رہی یہاں تک کہ احناف اور اہل حدیث کے درمیان فوجداری اور منصفی کے مقدمات کی نوبت آ گئی اور تقریباً پچیس تیس برس تک ان مقدمات کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ تاج پور، دربھنگہ، مدھوبنی، سیتا مڑھی، مظفر پور، موتی ہاری، حاجی پور، ڈمراؤں، آرہ جمال پور، مونگیر اور کلکتہ وغیرہ مقامات کے مذہبی مقدمات اس کی شواہد عادلہ ہیں۔ ان مقدمات میں لاکھوں روپے صرف ہوئے اور خاص سیتا مڑی کیس میں تقریباً ستر اسی ہزار روپے صرف ہوئے۔ مولانا نے اپنے ایثار اور حسن سعی سے ابر مطیر کی طرح ان مقدمات میں روپوں کی بارش فرمائی۔

مولانا رحیم آبادی نے ذہن ایسا رسا پایا تھا کہ مولانا شاہ عین الحق صاحب نے فرمایا کرتے تھے کہ کوئی بھی عبارت ہو، مطلب آپ کا ہوتا تھا۔ مولوی عبد السلام سیرت بخاری لکھ رہے تھے ایک عبارت کا مطلب معلوم نہ ہوتا تھا حافظ عبد اللہ غازی پوری شاہ عین الحق صاحب وغیرہ علماء کی خدمت میں وہ عبارت پیش کی گئی لیکن اس میں کچھ ایسی الجھن تھی کہ کوئی مطلب متعین نہ ہو سکا اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی جملہ یا لفظ حذف ہو گیا ہے جس سے مطلب صاف نہیں ہوتا۔ جب مولانا رحیم آبادی پٹنہ تشریف لے گئے اور وہ عبارت آپ کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا مطلب بہت صاف ہے کوئی لفظ اس میں سے حذف نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ جب آپ نے اس عبارت کا مطلب بیان فرمایا تو سارا عقدہ حل ہو گیا۔ مولانا شمس الحق جب ابو داؤد کی شرح لکھ رہے تھے ایک حدیث کا مطلب حل نہ ہوتا تھا، مولانا عبد اللہ غازی پوری غور فرما رہے تھے اور جناب شمس الحق اور مولانا عین الحق سے بھی گفتگو ہو رہی بھی مگر مطلب صاف نہ ہو سکا۔ جب آپ سے اس کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے اس کا ایسا واضح جواب دیا اور ایسی تقریر فرمائی کہ مولانا عین الحق اور مولانا شمس الحق کی پوری تشفی ہو گئی۔ مولانا عبد اللہ غازی پوری نے بھی اس مطلب اور ترجمہ پر داد دی اور مولانا شمس الحق

نے فوراً اس کو قلم بند کرلیا۔

مولانا عبداللہ غازی پوری، مولانا محمد ابراہیم آروی، مولانا شمس الحق ڈیانوی اور مولانا شاہ عین الحق وغیرہ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا عبدالعزیز کا علم خداداد علم ہے۔ آپ بہت بڑے مقرر تھے۔ آپ کی تقریر جلسہ کی روح ہوا کرتی تھی۔ اخلاص کے ساتھ واقعہ کی تصویر کھڑی کردینا آپ کے لیے ایک معمولی بات تھی۔ قرآن و حدیث کے وہ معارف اور نکات بیان فرماتے کہ علماء آپ کو مولانا اسماعیل ثانی کہا کرتے تھے۔ مشکل سے مشکل مضمون کو نہایت صاف انداز میں بیان فرمادیا کرتے تھے جس سے علماء اور عوام کو یکساں فائدہ پہنچتا تھا۔ اکثر آپ کے بیان میں علماء ضرور مخاطب ہوتے تھے اور ان کی اصلاح کی خاطر روئے سخن خصوصیت کے ساتھ ان کی طرف ہوتا تھا جس سے علماء اچھا سبق لیتے تھے۔ تقریر ایسی جوشیلی اور زوردار اور مؤثر ہوتی تھی کہ سامعین کے دل ہلتے تھے اور آنکھیں بہنے لگتیں تھیں۔ اہل حدیث کانفرنس بنارس میں جو آپ نے تقریر کی تھی تو وہاں کے احناف آپ کی تقریر سن کر کہتے تھے کہ جماعت اہل حدیث کا اس شخص کو امام غزالی کہا جائے تو بجا ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ جب آپ کے بیان کی کیفیت کہتے تو یہ شعر پڑھتے:

اثر لبھانے کا پیارے ترے بیان میں ہے
کسی کی آنکھ میں جادو تری زبان میں ہے

مولانا ابراہیم آروی جب حج کے لیے گئے تو مدرسہ احمدیہ آرہ کا اہتمام آپ ہی کے سپرد کیا۔ اس وقت سے تادم رحلت مدرسہ احمدیہ اور جلسہ مذاکرہ علمیہ کا کام نہایت خوبی کے ساتھ آپ ہی انجام فرماتے رہے۔ اہل حدیث کانفرنس آپ کی تائید سے قائم ہوئی۔ مدرسہ احمدیہ آرہ کے سالانہ جلسہ مذاکرہ علمیہ میں اس کی بنیاد قائم ہوئی اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس کے بانیوں میں آپ اول ہیں۔ اس کی جو کچھ آپ نے خدمات کی ہیں اور جو کچھ اس پر احسانات ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ باوجود علالت اور کمزوری کے جس میں آپ کچھ عرصہ مبتلا تھے اور اس وجہ سے کسی طرح آپ سفر کے قابل نہ تھے مولانا ثناء اللہ صاحب کے عرض کرنے پر بنگال سے پنجاب اور پشاور تک تشریف لے گئے اور سفر کی صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت فرمائیں۔ آپ اردو، فارسی، عربی ہر زبان میں برجستہ شعر کہتے تھے۔ ایک مرتبہ پندرہ بیس منٹ میں دس بارہ اشعار کا عربی قصیدہ لکھ دیا۔ آپ فارسی نثر بھی برجستہ لکھتے تھے۔ عربی عبارت بھی

آپ کی بہت فصیح و بلیغ ہوتی تھی اور قلم برداشتہ لکھتے تھے' اور بلا تکلف عربی بولتے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ عربی آپ کی مادری زبان ہے۔ چنانچہ غازی پور کے مقدمہ مسجد میں جب مخالف نے ایک عرب کو اس خیال سے گواہ بنا کر پیش کیا کہ اہل حدیث علماء عربی میں اس سے جرح نہیں کر سکیں گے تو ان کی سبکی ہوگی اور مضحکہ اڑانے کا موقع ملے گا۔ اس گواہ سے منصف صاحب کی اجازت سے، جو خود بھی عربی دان تھے، عربی میں آپ ہی نے جرح کی اور ایسی جرح کہ گواہ مجبور ہو کر اردو میں کہنے لگا ، ہم کچھ نہیں جانتا مجھ کو ان لوگوں نے گواہ بنا کر پیش کیا ہے، ۔اساتذہ کے کلام سے آپ کو بے شمار شعر یاد تھے۔ساری مسدس زبانی یاد تھی' جس کتاب کو ایک دو مرتبہ دیکھتے یاد ہو جاتی ۔

تہجد کے پابند تھے۔ بوڑھاپے اور علالت میں جب مجبور ہو گئے تو اپنے بستر پر تہجد کی نماز ادا فرماتے۔ چھ سات برس ذیابیطس کے مرض میں مبتلا رہے۔ جب اشتداد مرض اپنے کمال پر پہنچ گیا تو اخبار اہل حدیث کے ذریعے یہ بات شائع کر دی گئی اور تقریباً تین ماہ تک عیادت کرنے والے حضرات کا اس قدر ہجوم رہا کہ بالکل جلسہ کی کیفیت رہی۔آپ کی وفات جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ میں ہوئی۔آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں

سواء الطریق۔اس میں مشکوٰۃ شریف سے صحیحین کی حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے اور اس کمی کو بالکل پورا کر دیا گیا ہے جو ''طریق النجاۃ'' میں کسی وجہ سے رہ گئی تھی' یہ کتاب چار جلدوں میں ہے۔

حسن البیان فی ما فی سیرۃ النعمان۔ مولانا شبلی نعمانیؒ کی ''سیرت النعمان'' کا جواب ہے جس کا پھر جواب نہ ہو سکا بلکہ مولانا شبلی نے انصاف سے کام لے کر وہ باتیں ''سیرت النعمان'' سے نکال دیں جن میں ان سے خطا و غلطی واقع ہوئی تھی۔ جو صاحب ''حسن البیان'' کا مطالعہ کریں وہ ''سیرت النعمان'' کے پہلے ایڈیشن کو سامنے رکھیں ورنہ ان کو سخت خلجان ہوگا اور دوسرے ایڈیشن میں وہ باتیں نہ ملیں گی۔

ہدایۃ المعتدی فی قراۃ المقتدی۔قرأت سورۂ فاتحہ خلف الامام پر یہ کتاب آپ نے حضرت میاں صاحب کے حکم سے لکھی تھی۔

الرق المنشور۔ حافظ عبد الشکور ٹانڈہ کے رسالہ ''فتح الشکور'' کا جواب ہے۔اس میں آپ نے آیت کریمہ ﴿یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوۃ ﴾کے تحت ''جرجوار''

اور ''فصل بین المعطوفین'' کی ایسی بحث کی ہے کہ غالباً تفسیر کبیر میں بھی یہ بحث نہیں ملے گی۔

رمی الجمرہ۔ رسالہ الجمرۃ کا جواب۔

روداد مناظرہ مرشد آباد۔ اس کو آپ نے خود لکھا ہے' اس پر ابو محمد ابراہیم صاحب آروی اور حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری کی تقریظ ہے۔

علمی کاموں کے علاوہ آپ نے تحریک مجاہدین کے لیے بھی بہت کام کیا ہے اور اس میں کام کرنے کی دوسروں کو بھی ترغیب دیتے تھے۔ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

''مولانا رحیم آبادی جب دہلی تشریف لاتے تو شیخ عطاء الرحمٰن کے یہاں پھاٹک حبش خان میں قیام فرماتے۔ جمعہ پڑھاتے تو خطبے میں سورۂ ''ق'' اول سے آخر تک پڑھتے اور مختصر سی تقریر فرماتے' پھر وہ اور حافظ عبد اللہ غازی پوری اور دوسرے علماء و رؤسا اوکھلا میں جمع ہوتے۔ وہاں بنوٹ کے کرتب دکھائے جاتے جنہیں دیکھ کر بہت خوش ہوتے' انہیں اور حافظ صاحب غازی پوری کو مجاہدین سے بڑی الفت تھی اور جہاد کا بہت شوق تھا۔ اسی خیال سے وہ موزوں جوانوں کو منتخب کر کے ان کے سپاہیانہ فنون سیکھنے کا انتظام فرما دیا کرتے تھے''۔

اور مہر صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

''صوفی عبد اللہ صاحب۔ (اوڈا نوالہ۔ ماموں کانجن) کے بیان کے مطابق جو حضرات جماعت مجاہدین کی امداد و اعانت کے ستون تھے۔ ان میں دوسرا نام حضرت مولانا عبد العزیز رحیم آبادی کا ہے اور گیارھواں نام شیخ عطاء الرحمٰن مرحوم مہتمم مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی کا اور بائیسویں نمبر پر حضرت حافظ عبداللہ غازی پوری ہیں''۔

مولانا محمد میاں صاحب نے انگریزوں کی خفیہ دستاویزات کے حوالے سے جنود ربانیہ کے جن عہدہ داروں کا نام لکھا ہے ان میں مولانا محمود حسن کو جنرل بتایا گیا ہے اور مولانا رحیم آبادی کے تعارف میں لکھا ہے:

''عبد العزیز مولوی، ساکن رحیم آباد پسر احمد اللہ ... مشہور وہابی مولوی ہے جو شمالی ہند میں سفر کرتا رہتا ہے اور وہابیوں کے جلسوں میں شریک ہوتا ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں اس کا نام لیفٹیننٹ جنرل کی حیثیت سے شامل ہے''۔

مولانا رحیم آبادی نے تحریک ختم نبوت میں بھی کام کیا ہے اور آپ نے ۱۸۹۱ء والے فتویٰ تکفیر مرزا پر دستخط فرماتے ہوئے لکھا ہے:

''سب تعریفوں کا خدا تعالیٰ مستحق ہے جو تمام بندوں پر غالب ہے اور اپنے دین کا اہل فساد کی شرارتوں سے محافظ ۔ وہ جس نے لوگوں کو اسلام کی فطرت پر پیدا کیا اور دین کو آسان روشن ان کی جبلت میں رکھا' پھر وہ اپنی فطرت چھوڑ کر یہودی نصرانی اور ملحد بن گئے تو خدا تعالیٰ نے ان ہی میں سے ایک رسولؐ معجزوں کے ساتھ ان میں بھیجا۔ اس رسولؐ نے شرع کے قواعد اور ارکان بنا دیئے اور سلامتی کے راستے خوب واضح کر دیئے جن کی برکت سے لوگ ہدایت کی راہ چلنے لگے اور آپؐ کی پیروی سے وہ سعادت کو پہنچے پھر بعض لوگ دین سے پھر گئے اور خدا پر جھوٹ باندھنے لگے۔ اور رسول خدا پر افترا کر کے دوزخ کا ایندھن بنے تو خدا نے ایسے لوگوں کو پیدا کیا جو مومنوں کے آگے جھک جانے والے اور کافروں پر غالب آنے والے تھے۔ وہ حق کے مددگار ہوئے اور ان مرتدوں' مفتریوں سے لڑے جھگڑے' وہ مفتری اوندھے کر کے ناک کے بل گرائے گئے اور خسارہ میں پڑے۔ ان میں سے ایسے لوگ بھی ہوئے جو خدا کے کلام کی اس کے ٹھکانے (معانی) سے تحریف کرتے ہیں۔ بعد اس کے کہ وہ کلام ان معانی میں ثابت و متحقق ہو چکا تھا۔ سو خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں سے ایسے لوگوں کو جو حق کے مددگار اور خدا کی طرف سے حق پر مدد دیئے گئے ہیں ان محرفین کی باتوں کو پراگندہ کرنے اور ان کی کمر بند توڑنے کی توفیق دی۔ پس ان حقانیوں نے ان کی بیخ و بن اکھاڑ دی اور صفحہ روزگار سے ان کی باطل باتیں مٹا دیں۔ ان محرفین میں سے تم نے اس شخص کو مسیح موعود ہونے کا مدعی نہیں دیکھا اور اس کی جھوٹی باتوں کو جن سے خدا اور اس کے رسولؐ اپنے کلام میں انکاری ہیں نہیں سنا۔ اس نے اس افترا پر کیونکر جرأت کی اور اپنے لیے آگ میں جگہ بنائی۔ مسیح موعود کے باب میں جو نصوص اور احادیث وارد ہیں تو وہ حضرت عیسیٰ بن مریم کے حق میں روشن بیان ہیں جن میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے۔ احادیث جو اس باب میں وارد ہیں وہ ایک دوسری کی تفسیر کر رہی ہیں۔ انسان (مدعی مسیحیت) ہلاک ہو وہ کیا ناشکرا ہے (جو ان احادیث میں تحریف کرتا ہے) وہ یہ نہیں دیکھتا کہ بعض احادیث میں لفظ مسیح وارد ہے بعض میں عیسیٰ بن مریم' بعض میں ابن مریم' بعض میں عیسیٰ نبی اللہ' بعض میں یہ جملہ وارد ہے کہ حضرت مسیح ایسے حال میں آئیں گے کہ اس وقت تمہارا امام موجود ہوگا۔ سو اگر مسیح موعود سے یہی قادیانی بطور استعارہ مراد ہو تو پھر ان قیدوں اور بیانات احادیث

کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ اس بدترین خلائق کی دلیری سے تعجب ہے کہ یہ فقرا اور اہل اصلاح کا لباس پہن کر مخلوقات کو گمراہ کر رہا ہے۔ جو شخص اس کی ملمع سازیوں کے ابطال کے لیے پنڈلی کھول کر اور کمر کس کر کوشش کر رہا ہے اس کی یہ نیکی خدا ہی کے لیے ہے وہ اس کے جواب میں ایسی عجیب بات لایا ہے کہ اس کی خوبی کو بجز ماہر دانشمند کوئی نہیں جان سکتا۔ وہ اس سے زبانی جہاد کر رہا ہے اور قلم و بیان سے اس کی باتوں کو پراگندہ کرتا ہے اور ہر ایک گھات میں اس کے مقابلے کے لیے جما ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو مسلمانوں سے الگ کیا اور خدا کا دشمن ہر ایک میدان سے بھاگ گیا۔ خدا تعالیٰ ایسے شخص (یعنی محمد حسین) کو ہم سب مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے اور صبح و شام اس پر اپنی برکات نازل کرے۔ آمین! ۔ عبدالعزیز رحیم آبادی

آپ کے بھائی مولوی عبدالرحیم رحیم آبادی نے بھی اس فتویٰ تکفیر دستخط کیے ہیں اور یوں یہ دونوں بھائی تحریک ختم نبوت کے اولین کارکنوں میں شمار ہوتے ہیں۔

(سرگزشت مجاہدین۔ صفحہ ۶۴۳ اور ۶۵۳۔ تحریک شیخ الہند۔ صفحہ ۳۹۶۔ اہل حدیث ۱۹ و ۲۶ مارچ ۱۹۲۰ء، تقدیم حسن البیان۔ از عطاء اللہ حنیف، اہل حدیث اور سیاست، صفحہ ۴-۵، علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ۔ صفحہ ۹۷-۹۸)

حافظ عبداللہ غازی پوریؒ

آپ کی ولادت قصہ مئو اعظم گڑھ میں ۱۲۶۰ یا ۱۲۶۱ ہجری میں ہوئی۔ آپ کے والد عبدالرحیم دانیال صاحب غریب آدمی تھے اس لیے بچپن ہی سے آپ اپنے والدین کے معاون ہو گئے۔ محنت مزدوری کرتے اور اسی حالت میں قرآن پاک حفظ کیا۔ ابتدائی کتب عربی و فارسی مولانا قاسم علی مئوی سے پڑھیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ کے دوران آپ کا خاندان مصائب کا شکار ہوا تو آپ غازی پور چلے گئے وہاں مولانا رحمت اللہ لکھنوی سے مدرسہ چشمہ رحمت میں پڑھنا شروع کیا۔ چونکہ ذکی الطبع تھے تھوڑے ہی دنوں میں شرح جامی قطبی اصول عربیہ وغیرہ میں کافی مہارت حاصل کر لی۔ اس وقت مدرسہ امام بخش کی جونپور میں شہرت تھی جس کے مدرس اعلیٰ مفتی یوسف بن محمد اصغر لکھنوی تھے۔ آپ نے علوم آلیہ و دیگر فنون کی کتابوں کی تکمیل وہاں سے کی۔ پھر تکمیل حدیث کے لیے میاں صاحب کی خدمت میں گئے اور حدیث وتفسیر پڑھی۔ میاں صاحب آپ کی ذکاوت طبع جودت فہم اور تقویٰ و پرہیز گاری کے بہت مداح تھے چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا کہ بس یہاں دو ہی عبداللہ آئے۔ ایک عبداللہ غزنوی اور دوسرے عبداللہ غازی پوری۔ تعلیم مکمل کر کے وطن واپس آئے اور مدرسہ چشمہ رحمت میں مدرس اعلیٰ ہو گئے اور اس شان سے تدریس کی کہ دور ونزدیک کے طلبا سے غازی پور بھر گیا۔ ۱۲۹۷ ہجری میں حجاز کا سفر کیا اور حج و زیارت سے فارغ ہو کر شیخ معمر بن عباس بن عبدالرحمٰن کے سامنے زانوائے تلمذ طے کیا۔ پھر غازی پور آ کر چشمہ رحمت میں مصروف ہو گئے۔ اس زمانے میں چونکہ فقہ حنفی کا بہت رواج تھا اور علم حدیث سے ناآشنائی تھی اس لیے آپ کو بہت دقتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ لوگوں نے آپکی راہ میں روڑے اٹکائے' کانٹے بچھائے' مسجدیں چھین لیں' غرض آپ کو بہت تنگ کیا اور آپ کو غازی پور چھوڑنا پڑا۔ مولانا ابراہیم آروی اور مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کے اصرار پر مدرسہ احمدیہ آرہ چلے گئے اور صدر مدرس ہوئے۔ یہاں آپ نے بیس سال درس دیا۔ مولانا آروی کے انتقال پر آپ نے

مدرسہ احمدیہ کو خیر باد کہا اور وطن واپس آ گئے۔ جب ساکنان دہلی کو خبر ہوئی تو بصد اصرار آپ کو دہلی بلا لیا گیا وہاں بھی پڑھاتے رہے۔اسی دوران لکھنؤ کے عبد الرحیم غازی پوری جو آپ کے قریبی رشتہ دار تھے انتقال کر گئے اس وجہ سے آپ لکھنؤ آئے اور یہاں خانگی معاملات میں ایسے الجھے کہ پھر کہیں نہ جا سکے۔تاہم لکھنؤ میں بھی درس و تدریس جاری رہی اور یہیں ۲۱ صفر ۱۳۳۷ ہجری۔ ۲۶ نومبر ۱۹۱۸ء کو انتقال ہوا۔ شیخ محمد خلف شیخ حسین محدث یمنی نے جنازہ پڑھایا اور لکھنؤ میں دفن ہوئے۔ (اہل حدیث امرتسر، ربیع الاول ۱۳۳۸ ہجری)

جس زمانہ میں آپ مدرسہ احمدیہ آرہ میں تھے روزانہ بانکی پور تشریف لے جاتے، وہاں آپ کے درس قرآن میں بڑے فضلاء شریک ہونا باعث فخر سمجھتے۔آپ کے شاگرد بہت ہوئے اور بقول سید سلیمان ندویؒ حضرت میاں صاحب دہلوی کے بعد کسی کو اتنا بڑا حلقہ درس میسر نہیں ہوا۔شاگردوں میں مولانا محمد سعید بنارسی، مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری، مولوی عبد النور حاجی پوری، مولانا عبد السلام مبارکپوری اور مولانا داؤد غزنوی جیسے علماء شامل ہیں۔

مولوی سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں:

''میرے برادر معظم حافظ غازی پوری کے تلامذہ میں ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ فاضل لکھنوی مولانا عبد الحئی صاحب فرنگی محل نے ایک بار جناب حافظ غازی پوری سے پوچھا کہ آپ نے رفع الیدین عند الرکوع وعند رفع الراس من الرکوع کیوں اختیار کیا؟ جناب حافظ صاحب نے آبدیدہ ہو کر فرمایا مولانا آپ بھی پوچھتے ہیں؟ یہ سن کر مولانا عبد الحئی بالکل خاموش ہو گئے''۔

(اہل حدیث امرتسر، جلد ۱۷، صفحہ ۱۶۸، تراجم علماء حدیث ہند۔ صفحہ ۴۵۵-۴۶۴)

اور ''یاد رفتگان'' میں سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

''مولانا غازی پوری اس عہد میں اگلی صحبتوں کی تنہا یادگار تھے۔ وہ اتباع سنت، طہارت، تقویٰ، زہد و ورع، تبحر، وسعت نظر اور کتاب و سنت کی تفسیر و تعبیر میں یگانہ عہد تھے۔ دبلے پتلے، نحیف داڑھی کے بال خفیف، سادی وضع صورت سے متواضع اور حلیم معلوم ہوتے تھے۔ حدیث کی کتابیں مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ سے پڑھیں اور اس مسلک میں انہیں کی تعلیم کا اثر ان پر غالب ہوا''۔ (یاد رفتگان۔ صفحہ ۴۰)

حافظ صاحب ابتداء میں حنفی المسلک تھے پھر اہل حدیث ہو گئے۔ اپنے ترک تقلید کا

سبب بتاتے ہوئے حافظ صاحب خود کہتے ہیں کہ مدرسہ چشمہ رحمت احناف کا مدرسہ تھا اور میں وہاں مدرس تھا اور حنفی مسلک پر عمل پیرا تھا۔ وہاں مولوی تلطف حسین مولوی نعمت اللہ عظیم آبادی اور مولوی سعید بنارسی جیسے کچھ طلباء کے یکے بعد دیگرے آتے گئے جو اصول فقہ حنفی پر اور فقہ حنفی پر مناقشات شروع کر دیتے اور تحقیق کا پہلو ڈھونڈنے لگتے۔ اس سے پہلے میں کئی بار اصول فقہ پڑھا چکا تھا اور میں اس قدیم روش کے مطابق جیسے ادھار کھائے بیٹھا تھا کہ خواہ مخواہ ہر ایک مسئلہ ہر ایک بات ہر ایک اصول اگرچہ وہ تحقیق سے گرا ہوا ہو حنفی مسلک کے مطابق جواب دیتا رہا۔ پھر میں نے سوچا جو بات تحقیق سے گری ہوئی ہے خواہ مخواہ اس کی تائید کرنا تو عقل و عدل دونوں سے بعید ہے۔ اور احادیث سے متعلق یہ کہہ دینا کہ یہ شوافع کے مطابق ہے اور یہ حنفیوں کے، جیسا کہ عام دستور ہے اور انہی نصوص سے جو ہمارے سامنے موجود ہیں ان اصولوں کو مستنبط کرتے۔ علاوہ ازیں یہ اصول بھی اس لیے بنائے گئے ہیں کہ ان سے کام لیا جائے۔ پس ان خیالات کی وجہ سے خود بخود تقلید سے کنارہ کشی اور علم حدیث کی طرف توجہ ہوتی گئی۔ (علماء اہل حدیث کی خدمات حدیث۔ صفحہ ۴۷-۴۸)

اسی سلسلے کا ایک واقعہ مولانا عبدالسلام مبارک پوری بیان کرتے ہیں کہ مولانا غازی پوری نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ میں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک مقام میں اژدہام کثیر ہے۔ لوگ بکثرت چلے جا رہے ہیں اور مصافحہ کر کے برکت حاصل کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کس کے مصافحہ کے لیے اس قدر اژدہام ہے؟ کسی نے کہا سیدنا حضرت محمد ﷺ تشریف رکھتے ہیں۔ لوگ آپ سے شرف مصافحہ حاصل کر رہے ہیں، میں نے دیکھا ایک شخص اس اژدہام سے باہر نکلا، میں نے پوچھا کیا تو نے شرف مصافحہ حاصل کر لیا ہے۔ اس نے کہا کہ ہاں! ، میں نے کہا مہربانی کر کے وہ اپنا ہاتھ مجھے دے دو میں بھی مشرف ہو جاؤں اور برکت حاصل کر لوں۔ اس نے ہمت دلائی اور کہا واسطہ کی کیا ضرورت ہے تم خود ہمت کر کے آگے بڑھو اور اژدہام سے دل میں کچھ بھی ہراس نہ لاؤ۔ بلا واسطہ شرف مصافحہ حاصل کرو۔ چنانچہ اس کی ہمت دلانے پر میں آگے بڑھا اور جناب سیدنا محمد ﷺ سے بلا واسطہ مصافحہ اور برکت حاصل کی۔ اس پر میں نے اس شخص کا جس نے ہمت دلائی تھی شکریہ ادا کیا اور مجھے نہایت مسرت ہوئی۔ ... ''او کما قال'' اس خواب کی تعبیر میں نے یہ سوچی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے بذریعہ اس خواب کے بتایا ہے کہ عمل بالسنۃ اور علم حدیث اور تحقیق مسائل کی طرف

متوجہ ہونا چاہیے اور خواہ مخواہ کی تقلید سے پرہیز کرنا چاہیے۔

حافظ صاحب کہتے ہیں کہ جب میں نے ''عمل بالسنہ'' شروع کیا تو ان دنوں کوتوالی کی مسجد میں امام اور مدرسہ چشمہ رحمت کا مدرس تھا۔ نماز مغرب کے وقت کوتوالی کی مسجد میں بوجہ بازار کے نمازیوں کا بڑا اژدہام ہوتا تھا۔ میں نے مغرب کی نماز میں بلند آواز سے آمین پکاری تو تمام مقتدی میرے پیچھے سے ہٹ گئے اور سخت سست بولنے لگے مگر میں نے اپنی نماز اسی اطمینان سے ختم کی۔ اگرچہ لوگوں نے زبان درازیاں کیں مگر کوئی ضرر نہ پہنچا سکا۔ جناب مولوی رحمت اللہ صاحب بانی مدرسہ چشمہ رحمت بڑے سنجیدہ اور تجربہ کار تھے جب تک وہ حیات تھے برابر میری تائید فرماتے اور کوئی مجھے ضرر نہ پہنچا سکا۔

(اہل حدیث امرتسر ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۳۸ ہجری)

حافظ صاحب تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ تحریک مجاہدین کا کام بھی کرتے تھے اور تحریک کے لیے جو لوگ فراہمی زر کا بندوبست کرتے تھے آپ کا ان میں شمار ہوتا تھا۔ سرحد پار مجاہدین کے لیے رنگروٹ بھی بھرتی کرتے تھے۔ ریشمی رومال تحریک کے خفیہ سرکاری کاغذات میں بھی آپ کا ذکر ہے اور اس تحریک میں آپ کا مرتبہ لیفٹیننٹ جنرل کا بتایا گیا ہے جیسا کہ لکھا ہے:

''مولوی حافظ عبداللہ (ساکن غازی پور) مشہور وہابی مولوی ہے جو زیادہ تر بہار اور اڑیسہ میں مصروف رہتا ہے۔ مولوی عبداللہ ۱۹۰۶ء میں مدرسہ احمدیہ شاہ آباد میں معلم تھا اور ۱۹۰۷ء میں آرہ مدرسہ کا ہیڈ مولوی اور سیکرٹری بن گیا تھا۔ آرہ کا مدرسہ بہار اور اڑیسہ کے تمام وہابی مدارس کی اصل اور ام المدارس ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لیفٹیننٹ جنرل ہے''۔ (تحریک شیخ الہند۔ صفحہ ۴۰۲)

آپ کی تصانیف میں ان کتابوں کا علم ہو سکا ہے:

البحر المواج فی شرح مقدمہ الصحیح لمسلم بن الحجاج عربی۔ علم غیب کا فتویٰ ' اردو۔ رکعات تراویح مع اضافات وضمیمہ اردو۔ زکوۃ کا فتوی اردو۔ فصول احمدی، منطق میں۔ اردو۔ الحجۃ الساطعہ فی بیان البحیرۃ والسائبۃ اردو۔ قانون مسجد اردو۔ فتوی مال زانیہ بعد توبہ۔ اردو۔ ابراء اہل الحدیث والقرآن مما فی جامع الشواہد من التہمۃ والبہتان۔ اردو۔ یہ جامع الشواہد فی اخراج الوھابین عن المساجد کا جواب ہے۔ جامع الشواہد کو وسیع پیمانے پر شائع کیا گیا تھا اور صرف مطبع فیض محمدی لکھنؤ سے دس ہزار نسخہ چھاپ کر تقسیم کیا تھا۔ ابراء اہل الحدیث کو

۲۰۰۱ء میں مولانا رضا اللہ عبدالکریم کی تقدیم و تعلیق کے ساتھ ۱۸۴ صفحات میں المراکز الدینی سید پور ضلع بدایوں ہندوستان سے شائع کیا گیا ہے

حافظ عبداللہ غازی پوری مرحوم نے تحریک ختم نبوت میں قائدانہ کردار ادا کیا ہے۔ آپ نے اس فتویٰ پر دستخط فرمائے ہیں جو ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب کی تکفیر کے متعلق حضرت میاں صاحب نے دیا تھا اور آپ نے اس فتویٰ پر لکھا تھا:

''میں نے ان اوراق کو اول سے آخر تک پڑھا اور مرزا کے عقائد و مقالات کو اس کی اصل تصانیف میں بھی دیکھا۔ میری رائے میں وہ ضرور ان عقائد و مقالات کی نظر سے دجال و کذاب ہے اور پابندی اسلام و اہل سنت سے خارج ہے''.

(علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ۔ صفحہ ۹۶)

محمد حسین بٹالویؒ

(اس کتاب کے حصہ اول کی اشاعت کے بعد ہمیں ایسی تحریریں دستیاب ہوئی ہیں جن سے مولانا بٹالوی کے مزید حالات معلوم ہوئے ہیں جو ذیل میں بیان کیے جا رہے ہیں)

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے لکھا ہے کہ

مولانا بٹالوی حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی مرحوم کے شاگردوں میں ممتاز ترین شاگرد ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۷ محرم ۱۲۵۶ ہجری کی ہے اور انتقال ۲۹ جنوری ۱۹۲۰ء مطابق ۶ جمادی الاول ۱۳۳۸ ہجری کو ہوا ہے۔ اس لحاظ سے آپ کی عمر قمری حساب سے ۸۲ سال چار ماہ ہوئی۔ آپ نے علوم اصول و معقول مختلف اساتذہ سے حاصل کیے اور ان کے دو مشہور اساتذہ کی سندیں ہم کو آپ کے کاغذات میں ملی ہیں یعنی مولانا نواب صدر الدین خان صاحب دہلوی مرحوم اور مولانا گلشن علی جونپوری۔ اول الذکر کی سند پر تاریخ مرقوم نہیں۔ دوم پر ۱۲۸۱ ہجری مرقوم ہے۔ دونوں سندوں میں آپ کی لیاقت ذہانت کا ذکر اچھے لفظوں میں ہے۔ حدیث کی سند حضرت مولانا سید نذیر حسین المعروف میاں صاحب دہلوی مرحوم سے آپ کو حاصل ہے۔ اس سند پر ۱۲۸۲ ہجری مرقوم ہے۔ میاں صاحب کی سند میں علاوہ سند علمی کے ایک فقرہ خاص مذکور ہے۔

ان له زيادة صحبة معى مزيد اختصاص بى على غيره من الطلبة

یعنی آپ کو اور طلبہ سے یہ خصوصیت مزید ہے کہ آپ میرے ساتھ صحبت میں بہت رہتے ہیں۔ واقعات اس کی تفصیل بتاتے ہیں کہ سب سے پہلے کتاب جو مسائل اختلافیہ میں نکلی ہے وہ ''معیار الحق'' مصنفہ حضرت میاں صاحب ہے۔ اس کی تصنیف میں مولانا محمد حسین مرحوم کارکن بلکہ پورے محرر تھے۔ بعد واپسی وطن آپ نے لاہور مسجد چینیانوالی میں درس شروع کیا۔ درس کے علاوہ ذریعہ اشاعت تحریر کو سمجھا۔ شروع شروع میں تحریر کا

طریق یہ تھا کہ امرتسر سے ایک اخبار ''سفیر ہند'' پادری رجب علی عیسائی کا نکلتا تھا اس میں بطور ضمیمہ ہفتہ وار دو ورق نکالا کرتے۔ ازاں بعد شدہ شدہ تحریک ہوئی کہ ایک ماہوار رسالہ نکالا جائے چنانچہ رسالہ ''اشاعت السنۃ'' جاری کیا گیا۔ رسالہ ماہوار کے علاوہ مستقل رسائل بھی آپ نے لکھے۔ مثلاً اقتصاد وغیرہ۔ مرحوم کی تصانیف دیکھنے سے آپ کی استعداد اور تبحر علمی معلوم ہوتا ہے۔ کیسا کوئی مضمون جواب یا جواب الجواب ہو، ایسا صاف لکھتے کہ پڑھنے والے کو خوب سمجھ میں آ جاتا۔ آپ کے رسالہ ''اشاعت السنۃ'' سے مسائل حدیثیہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔ ابتدا میں آپ کا روئے سخن زیادہ تر احناف کی طرف تھا۔ درمیان میں سر سید احمد خان کے مسائل نیچریہ کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ ازاں بعد فتنہ قادیانیت اٹھا اور اس میں آپ نے بہت وقت لگایا۔ اس کی وجہ بھی معقول تھی کیونکہ قادیان آپ کے وطن بٹالہ سے صرف گیارہ میل پر ہے اور مرزا صاحب سے ابتدا میں آپ کے دوستانہ مراسم بھی تھے۔ ایک دوسرے سے حسن ظن رکھتے تھے۔ قادیانی تعاقب میں آپ نے علماء کرام سے مرزا صاحب پر ایک متفقہ فتویٰ حاصل کر کے شائع کیا۔ اس کے بعد امرتسر میں تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن'' مصنفہ خاکسار کی بابت نزاع پیدا ہوگئی تو آپ نے فریق مخالف کی جانب اختیار کی۔ لیکن علماء آرہ (مولانا حافظ عبد اللہ غازی پوری، مولانا شمس الحق عظیم آبادی، مولانا شاہ عین الحق پھلواروی) کے فیصلے کو آپ نے بھی تسلیم کرنے کا اقرار کیا۔ (اشاعۃ السنہ، جلد ۲۱، صفحہ ۶۱) آپ کی خدمات بہت ہیں۔ من جملہ ایک خدمت خاص قابل ذکر ہے کہ سرکاری کاغذات میں اہل حدیث کو وہابی لکھا جاتا تھا جس کے صطلاحی معنی باغی تھے۔ مولانا نے اعیان اہل حدیث کی دستخطی ایک درخواست وائسرائے کے نام بھیجی کہ ہم کو وہابی نہ لکھا جائے بلکہ ہم اہل حدیث ہیں۔ چنانچہ وائسرائے نے یہ درخواست منظور کر کے تمام صوبوں میں حکم جاری کر دیا کہ ہندوستان کے اہل حدیث کو سرکاری کاغذات میں وہابی نہ لکھا جائے ان کا نام اہل حدیث ہے۔ مختصر یہ کہ آپ علماء پنجاب میں بہت بڑے عالم تھے۔ مرحوم نے اپنی اراضی کو وقف علی الاولاد کیا تھا جس میں کچھ حصہ تعلیمی مصرف کے لیے بھی تھا۔ مگر اولاد کے خیال میں شروط وقف پیچیدہ ،ناقابل عمل تھیں اس لیے انہوں نے بالاتفاق فی روپیہ دو آنے کے حساب سے تھوڑا سا حصہ الگ کر کے باقی کو حصے بخرے کر لیا۔ اس تھوڑے

سے حصہ سے بٹالہ میں ایک مسجد کا انتظام چل رہا ہے۔ ایک مولوی صاحب جمعہ کی جماعت کراتے اور درس دیتے ہیں جس کا خرچ تقریباً پچاس روپیہ ماہوار ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی یادگار قائم رکھے۔ آمین! (ثناء اللہ امرتسری)۔ (اہل حدیث ۱۹ اگست ۱۹۲۱ء)

مولانا کا خاندان اسلام سے قبل پوری ہندو قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اسلام کے بعد یہ لوگ پوری شیخ مشہور ہوئے۔ بٹالہ شہر کے پوری دروازہ کے اندرون محلّہ میں آپ کے خاندان کی وسیع جائیداد تھی اور اس دروازے اور محلے کا نام اسی خاندان کے نام پر تھا۔ مولانا کے والد نے اپنے مکان سے ملحق ایک عظیم الشان مسجد بنوائی تھی اور مسجد کے ساتھ مہمانوں کے لیے کمرے بھی تعمیر کرائے تھے۔ حضرت میاں صاحب محدث دہلویؒ نے ورود بٹالہ کے موقع پر اسی مسجد میں نماز فجر کے بعد درس قرآن دیا تھا.

(اہل حدیث لاہور' ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء' صفحہ ۲۴۔ مولانا عبداللہ گورداسپوری کا مضمون)

مولانا بٹالوی نے ''براہین احمدیہ'' پر ریویو لکھا تھا اور یہ اس وقت کی بات ہے جب مرزا صاحب نے ابھی مسیح یا نبی یا مہدی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور براہین کے مضامین کو علماء دیوبند و گنگوہ نے موجب کفر نہیں سمجھا تھا اور لوگوں کو تکفیر مرزا سے روکا بھی تھا''۔

(اشاعۃ السنۃ جلد ۷ ' برحاشیہ صفحہ ۱۷۰)

بعد میں مرزا صاحب کے دعوے سامنے آئے تو مولانا مرحوم نے رد قادیانیت کا محاذ سنبھال لیا۔ اس پر مرزا صاحب نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

''درحقیقت ان رسالوں (فتح اسلام' توضیح مرام) میں کوئی نیا دعویٰ نہیں کیا گیا بلکہ بلا کم و بیش یہ وہی دعویٰ ہے جس کا ''براہین احمدیہ'' میں بھی ذکر ہو چکا ہے اور جس کی آں مکرم اپنے رسالہ ''اشاعۃ السنہ'' میں امکانی طور پر تصدیق بھی کر چکے ہیں''۔ (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۲' نمبر ۱۲' صفحہ ۳۶۴)

مولانا بٹالویؒ نے جواب میں لکھا:

''جو امکان میں ریویو ''براہین احمدیہ'' میں بیان کر چکا ہوں اس کا اب بھی قائل ہوں مگر آپ نے اس امر ممکن سے جس کا میں نے امکان تجویز کیا تھا بڑھ کر ان رسائل میں دعویٰ کیا ہے۔ لہٰذا آپ کے لیے اس ریویو کی عبارات کافی و مفید نہ ہوں گی۔ آپ ان عبارات کو میرے سامنے پیش کیے بغیر ان سے استشہاد کریں گے تو آپ نقصان اٹھائیں

گے، بہتر ہے کہ آپ میری کلام مجھے دکھا کر شائع کریں''۔

(اشاعۃ السنہ، جلد۱۲، نمبر۱۲، صفحہ ۳۶۶)

اور مولانا نے مرزا صاحب کو ۱۳ مارچ ۱۸۹۱ء کے خط میں یہ بھی لکھا:

''اپنے اس الہام کا جس میں آپ کے مسیح موعود ہونے کا اور ابن مریم کے موعود نہ ہونے کا دعویٰ ہے ، فیصلہ براہین احمدیہ اور اشاعت السنہ کے ریویو براہین احمدیہ سے منظور کریں اور یہ اقرار تحریری دیں کہ اگر براہین احمدیہ اور اس کے ریویو سے یہ الہام غلط ثابت ہوتو ہم اس الہام کو غلط سمجھیں گے اور اس سے رجوع کا اشتہار دیں گے''۔

(اشاعۃ السنہ، جلد۱۲، نمبر۱۲، صفحہ ۳۷۸)

اور آپ نے یہ بھی لکھا کہ

میرے مضمون ریویو میں ایک حرف آپ کے اس دعویٰ جدید کا مصدق نہیں ہے، نہ آپ نے اپنے براہین احمدیہ میں یہ دعویٰ (مسیح موعود ہونا) صراحتاً یا اشارتاً کیا اور نہ میں نے اس کی تصدیق وتائید میں کوئی کلمہ لکھا۔ (اشاعۃ السنہ، جلد۱۲، نمبر۱۲، صفحہ ۳۸۶)

لیکن مرزا صاحب تا عمر اپنی ہانکتے رہے اور ایک موقع پر مولانا امرتسریؒ نے بھی لکھا

کہ مرزائی کہا کرتے ہیں کہ مولانا بٹالویؒ نے ''براہین احمدیہ'' کی تعریف کی ہوئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا ممدوح محدث تھے اور محدثین کا اصول ہے کہ راوی اپنی جس روایت کی تکذیب کردے وہ روایت حجت نہیں رہتی۔ مولانا موصوف اپنی آخری عمر میں مرزا صاحب کی کل باتوں کی تردید کرتے رہے۔ چنانچہ ایک دفعہ ہم نے ان سے پوچھا تھا کہ آپ نے ''براہین احمدیہ'' پر تحسین آمیز الفاظ میں تبصرہ (ریویو) کیا تھا اس کی وجہ کیا تھی؟ جواباً فرمایا کہ ''محض امکان تصور پر'' (اہل حدیث، ۱۲ اپریل ۱۹۴۰ء، صفحہ ۴-۵)

مولانا بٹالویؒ کا مقام تحریک ختم نبوت میں بڑا اہم ہے۔ انہوں نے مرزا صاحب کے دعوے کے آغاز ہی سے رد قادیانیت کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا تھا اور پھر آپ نے دامے درمے سخنے غرض ہر قسم کے وسائل کے ساتھ قادیانیت کا مقابلہ کیا۔ اس دور میں پورے ہندوستان میں آپ کے علم وفضل کا شہرہ تھا اور مرزا صاحب کو بھی اس کا اعتراف تھا جیسا کہ وہ مولانا بٹالویؒ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’خدائے تعالیٰ نے پورے طور پر جلوہ قدرت دکھلانے کے لیے ایک ایسے نامی مولوی صاحب سے ہمیں ٹکرا دیا جن کی لیاقت علمی، جن کی طاقت فہمی، جن کی طلاقت لسانی، جن کی فصاحت بیانی کا شہرہ پنجاب و ہندوستان میں ہے۔ اور خدائے حکیم وعلیم کی مصلحت نے اس ناکارہ کے مقابل پر ایسا انہیں جوش بخشا اور اس درجہ کی بدظنی میں انہیں ڈال دیا کہ کوئی دقیقہ بدگمانی اور مخالفانہ حملہ کا انہوں نے اٹھا نہیں رکھا۔ مولوی صاحب نور اللہ کے بجھانے کے لیے بہت زور سے پھونکیں مار رہے ہیں‘‘۔

(مجموعہ اشتہارات، جلد ا، صفحہ ۲۹۰)

اور آپ کی مساعی کے اثر کا بھی مرزا صاحب کو اعتراف تھا جیسا کہ فرماتے ہیں:

’’ان الشیخ الذی هو للطالبین کسد‘‘ کہ ’’شیخ بٹالہ کہ برائے طالبان مثل دیوار مانع است‘ اور ’’شیخ بٹالہ جو طالبوں کے لیے ایک روک ہے‘‘۔

(روحانی خزائن جلد ۱۲ (حجۃ اللہ) صفحہ ۱۴۲)

مولوی دوست محمد قادیانی تحریک ختم نبوت میں آپ کی عوامی انداز کی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’مولوی محمد حسین اور ان کے ہم نوا علماء نے فتویٰ تکفیر پر ہی اکتفا نہ کرتے ہوئے مخالفت کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مولوی محمد حسین نے ابتدا میں قادیان کی ناکہ بندی کے لیے بٹالہ اسٹیشن سے قادیان والی نہر تک اپنے ایجنٹوں کا گویا ایک جال بچھا رکھا تھا جو اسٹیشن سے اترتے ہی قادیان جانے والوں کو روکتے تھے۔ ان ایجنٹوں نے ایک کیمپ بھی لگا رکھا تھا جہاں جانے والوں کے لیے حقہ کا انتظام بھی ہوتا تھا۔ (مرزا صاحب کے) بعض صحابہ کا بیان ہے کہ شروع شروع میں جب ہم قادیان جایا کرتے تھے تو بٹالہ کے اسٹیشن پر اور پھر قادیان کی سڑک پر میل میل کے فاصلے پر مولوی محمد حسین بٹالوی آدمی بٹھا دیا کرتے تھے (وہ لوگوں کو) ہر ممکن کوشش سے روکا کرتے اور واپس جانے کے لیے کہتے۔ کئی آدمی انہوں نے واپس بھی کیے‘ اس زمانہ میں عوام مولوی محمد حسین کی وجہ سے بھی (قادیان) جانے سے ڈرتے تھے‘‘۔ (تاریخ احمدیت، جلد ۳، صفحہ ۲۲۰-۲۲۱)

ایک قادیانی صاحب لکھتے ہیں کہ جب ان کے

سیٹھ عبدالرحمٰن مدراسی مرزا صاحب سے غائبانہ متاثر ہو کر ان سے ملنے کے لیے قادیان

جا رہے تھے تو امرتسر میں مولوی محمد حسین کا کوئی چیلہ مل گیا اور اس نے (قادیان جانے سے) بہت روکا اور بلائے بد کی طرح دور تک پیچھا کیا اور جھڑک کھا کر دفع ہوا۔ صبح بٹالہ پہنچے تو وہاں بھی ایک سد راہ تھی''۔ (الفضل انٹرنیشنل ۱۴ فروری ۱۹۹۷ء صفحہ ۱۴)

اور مرزا طاہر احمد فرماتے ہیں کہ محمد حسین نے:

''ایک بہت سخت مضمون شائع کیا جس میں اس نے لکھا کہ میں مشرق و مغرب' شمال و جنوب جاؤں گا اور ساری دنیا کو بتاؤں گا (کہ مرزا جھوٹا ہے) اور اس نے واقعتاً ایسا کیا بھی۔ وہ عرب علماء سے ملا' وہ مکہ گیا اور مدینہ پہنچا اور ہندوستان کا ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کیا اور آپ (مرزا غلام احمد) کے خلاف فتاویٰ حاصل کیے کہ اس شخص کا وجود اسلام کے لیے شدید خطرہ ہے۔ اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ ہر کسی کا فرض ہے کہ اسے قتل کر دے (اور) مولوی محمد حسین نے اپنا روزمرہ کا دستور بنا رکھا تھا کہ وہ بٹالہ ریلوے سٹیشن پر جاتا جو گاڑیوں کا آخری سٹاپ تھا۔ اس زمانہ میں کوئی گاڑی قادیان نہیں جاتی تھی۔ بٹالہ اسٹیشن سے قادیان مغرب کی جانب ۱۲ میل کے فاصلے پر تھا۔ بٹالہ سے لوگ یا تو پیدل قادیان جاتے تھے یا اگر کسی کو تانگہ میسر آ جاتا تو تانگہ پر قادیان حضرت مسیح موعود کو ملنے چلا جاتا تھا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی بلا ناغہ روزانہ جب گاڑی آنے کا وقت ہوتا تو سٹیشن پر پہنچ جاتا اور لوگوں سے پوچھتا پھرتا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہتے کہ ہم قادیان جا رہے ہیں تو وہ انہیں روکتا اور کہتا کہ وہاں مت جانا۔ وہ (مرزا) دجال ہے وہ کذاب ہے وہ کافر ہے' اس قابل نہیں کہ اس کی صورت بھی دیکھی جائے۔'' (الفضل انٹرنیشنل ۲۰ اگست ۱۹۹۹ء صفحہ ۱۱)

اور مرزا بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں:

''خاکسار عرض کرتا ہے کہ پیرا ایک پہاڑی ملازم تھا اور بالکل جاہل اور نیم پاگل تھا مگر بعض اوقات پتہ کی بات بھی کر جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ اس سے مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے بٹالہ کے سٹیشن پر کہا کہ تمہارے مرزا صاحب نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے جو جھوٹا ہے اور قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ پیرے نے جواب دیا مولوی صاحب! میں تو کچھ پڑھا لکھا نہیں ہوں مگر اتنا جانتا ہوں کہ لوگوں کو بھگانے کے لیے آپ بٹالہ کے سٹیشن پر آ آ کر جوتیاں بھی گھس گئی ہیں۔ مگر پھر بھی دنیا مرزا صاحب کی طرف کھنچی

چلی آتی ہے''۔ (سیرۃ المہدی' حصہ سوم' صفحہ ۲۲۸)

اور مولوی غلام رسول راجیکی قادیانی ، بایں الفاظ آپ کی خدمات کا ذکر کرتے ہیں:

''حافظ آباد (پنجاب) کے علاقہ میں ایک گاؤں ہے وہاں ایک شخص الٰہی بخش رہا کرتا تھا اسے ایک دفعہ بعض احمدیوں نے قادیان لانے کے لیے تیار کیا' وہ تیار ہو گیا' بٹالہ اترنے سے پہلے ہی اسے بخار آ گیا' بخار کی حالت میں ہی وہ بٹالہ سٹیشن پر اترا' آگے محمد حسین بٹالوی ملا اس نے دیکھا کہ یہ شخص بخار کی حالت میں قادیان جا رہا ہے اس نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ اگر مرزا صاحب سچے ہوتے تو تجھے رستہ ہی میں بخار نہ ہو جاتا اور کہا کہ وہاں تو دکانداری ہے وہاں ہرگز نہ جانا''۔

(رجسٹر روایات نمبر ۱۲' صفحہ ۱۴۰۔۱۴۱۔منقول از الفضل انٹرنیشنل ۷ا نومبر ۲۰۰۰ء صفحہ ۷)

اور مولانا بٹالوی یہ بھی جانتے تھے کہ قادیانیت کے قلع قمع کے لیے قلب اور زبان سے آگے بڑھ کر قوت بازو کے استعمال کی بھی ضرورت ہے جیسا کہ ۱۸۹۷ء میں مرزا صاحب کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

''حکومت وسلطنت اسلام ہوتی تو ہم اس کا جواب آپ کو دیتے۔ اسی وقت آپ کا سر کاٹ کر آپ کو مردار کرتے' سچے نبی کو گالیاں دینا مسلمانوں کے نزدیک ایک ایسا کفر وا رتداد ہے جس کا جواب بجز قتل اور کوئی نہیں مگر کیا کریں مجبور ہیں سلطنت غیر اسلامی ہے اس کے ماتحت رہ کر ہم اس فعل کے مجاز نہیں اور سلطنت کو (جو عیسائی کہلاتی ہے) اس امر کی پرواہ نہیں ہے۔ رہے پادی جو مذہب ہی کی خدمت وحمایت کے صدقہ وطفیل سے ٹکڑا کھاتے ہیں سو (وہ) بھی اپنی تنخواہ سے کام رکھتے ہیں۔ حمیت وغیرت مذہب کو خیر باد کہہ چکے ہیں''۔

(اشاعۃ السنۃ' جلد ۱۸' نمبر ۳' صفحہ ۹۵-۹۶' تاریخ احمدیت جلد ۳' صفحہ ۲۲۲)

شاید اسی لیے مرزا صاحب آپ سے اس قدر ڈرتے تھے کہ آپ کے سایہ سے بھی دور رہنا چاہتے تھے جیسا کہ ۲۶ جنوری ۱۸۹۹ء کی ڈیٹ لائن کے تحت ایڈیٹر، الحکم لکھتے ہیں۔

جب لِلّ (دہاریوال کے پاس ایک گاؤں ہے جہاں حضرت اقدس نے بغرض پیروی مقدمہ برائے حفظ امن منجانب مولوی محمد حسین بٹالوی دہاریوال تشریف لے جاتے ہوئے قیام فرمایا تھا) سے روانہ ہو کر کھنڈہ آ پہنچے تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

کے ہر کام میں مصلحت ہے۔ چونکہ سنا گیا ہے کہ محمد حسین بھی وہیں (لئل) اترنے والا تھا اس لیے اچھا ہوا کہ ہم وہاں نہیں ٹھہرے۔ ایسے لوگوں سے دور ہی رہنا اچھا ہے"۔

(ملفوظات' جلدا' صفحہ ۲۹۱)

مرزا صاحب نے آپ کا ذکر اپنے ایک عربی مکتوب میں بھی کیا ہے جس سے تحریک ختم نبوت میں آپ کے مقام و مرتبے پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں:

وکان فی ہذہ الدیار تسعة رہط من الاشرار وکانوا مفسدین فی الارض ولا ینتہجون مہجة الخیار وما کانوا صالحین و وجدتہم فی الکبر والاباء کالجملة المتناسبه الاجزا او کامراض متشابہة فی الخبث والایذاء ورئیت کانہم من المعادین المعتدین فمنہم رجل امر تسری یقال له رسل بابا انه امرء لا یعرف صدقا ولا صوابا.... ومن التسعة الذین اشرت الیہم رجیل یقال له اصغر۔ وانه یزعم فی محافل واملاء فسیعلم کیف یجعل من الاصغرین ....ومن المعترضین المذکورین شیخ ضال بطالوی و جارغوی یقال له محمد حسین وقد سبق الکل فی الکذب والمین وانه ابی واستکبر واشاع الکبر واظہر حتی قیل انه امام المستکبرین ورئیس المعتدین ورائس الغاوین ہو الذی کفرنی قبل ان یکفر الآخرون.... فیا ایها الشیخ والمفتری البطال الم یان لک ان تتوب وتلین البال.... ثم اعلم ایها الشیخ الضال والدجال البطال ان الثمانیة الذین ہم ثمار عودك و وقود وقودك الذین ادخلوا فی التسعة المخاطبین فمنہم شیخک الضال الکاذب نذیر المبشرین ثم الدہلوی عبد الحق رئیس المتصلفین ثم عبد الله التونکی ثم احمد علی السہارنپوری من المقلدین ثم سلطان المتکبرین الذی اضاع دینه بالکبر و التوہین ثم الحسن الامروہی الذی اقبل علی اقبال من لبس الصفافة وخلع الصداقة واعتلقت اظفاره بعرضی کالذئاب۔ وآخرہم الشیطان الاعمی والغول الاغوی یقال له رشید الجنجوہی وہو شقی کالامروھی ومن الملعونین فهولاء تسعة رہط کفرونا او سبونا وکانوا مفسدین۔ فایہا الشیخ انی اعلم انک رئیس ہذہ الثمانیة وکمثل امام لتلک الفئة الباغیة وہم لک

کالتلا میذ فی الغوایة او کالمسحورین۔

(مکتوب احمد طبع خامس ربوہ ۱۹۶۳ء، صفحہ ۹۱-۱۰۵، روحانی خزائن جلد ۱۱ (انجام آتھم) صفحہ ۲۳۶)

اس تحریر میں مرزا صاحب نے ۱۸۹۶ء میں اپنے نامی مخالفین کے نام گنوائے ہیں جو یہ ہیں مولوی غلام رسول عرف رسل بابا، مولوی اصغر، مولوی محمد حسین بٹالوی، سید نذیر حسین دہلوی، مولوی عبد الحق حقانی، پروفیسر محمد عبداللہ ٹونکی، مولوی احمد علی سہارنپوری، مولوی سلطان الدین جے پوری، مولوی محمد حسن امروہی، مولوی رشید احمد گنگوہی اور ان بزرگوں کو مرزا صاحب نے ''تسعۃ اشرار'' کہنے کے بعد مولانا بٹالویؒ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تحریک ختم نبوت میں تم ان سب کے امام ہو، تم ان کے رئیس ہو۔ اور اس فہرست کے باقی لوگ تحریک میں گویا تمہارے شاگرد ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ تم نے ان پر جادو کر رکھا ہے کہ وہ اپنی عقل کو استعمال کیے بغیر تمہاری ہاں میں ہاں ملاتے اور تمہارے پاؤں پر پاؤں رکھے جاتے ہیں۔ تم امام متکبراں ہوں تم رئیس تجاوز کنندگان ہو، تم گمراہوں کے سردار ہو اور تم ہی وہ شخص ہو جس نے سب سے پہلے مجھے کافر کہا ہے۔

مولانا بٹالویؒ نے قادیانیت کے خلاف موزوں وسائل کی دستیابی کے باوجود چومکھی لڑائی لڑی ہے۔ وسائل کی قلت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ کئی مرتبہ ایسا ہوتا کہ وہ کوئی کام کرنے کا ارادہ فرماتے لیکن وسائل کی عدم دستیابی آڑے آ جاتی۔ مثلاً ۱۸۹۳ء میں آپ نے ارادہ کیا کہ مرزا صاحب کے رد میں ایک مستقل رسالہ ''رد قادیانی'' کے نام سے جاری کیا جائے تا کہ مرزا صاحب کے روز بروز کے احوال و افعال کا تعاقب و رد کیا جا سکے۔ لیکن یہ رسالہ جاری کرنا ممکن نہ ہو سکا پھر انہوں نے ارادہ فرمایا کہ اپنے ''اشاعۃ السنہ'' کو کاملاً رد قادیانیت'' کے لیے وقف کر دیا جائے۔ جب قارئین سے اس بارے میں رائے لی گئی تو وہ نہ مانے کیونکہ قاری اپنے خرید کردہ رسالے میں ایک ہی موضوع پر مضامین پڑھ پڑھ کر اکتا جاتے ہیں۔ اس پر آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ ''اشاعۃ السنہ'' کا کم از کم ایک تہائی حصہ رد قادیانیت کے لیے وقف کر دیا جائے۔ پھر یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ ہر ماہ اس رسالے میں مرزا صاحب کے تازہ الہامات فرامین اور سرگرمیوں میں قرآن و حدیث کی روشنی میں تبصرہ ہوتا اور مرزا صاحب کے دعوے کے جواب دیئے جاتے۔ خود مولانا کے بقول ۱۹۰۰ء تک وہ مرزا صاحب کے رد میں دو ہزار صفحات لکھ چکے تھے۔ دیکھئے ''اشاعۃ السنۃ'' جلد ۱۹ نمبر ۴، صفحہ ۱۱۲ پر

مولانا کا ایک اعلان جس پر ۳۱ جنوری ۱۹۰۰ء کی تاریخ اور مقام بٹالہ درج ہے۔

مرزا صاحب آپ کے بارے میں کہتے تھے:

یکفرنی شیخ و تبعوہ امۃ

وما ان اراہ کعاقل یتدبر

''شیخ نے میری تکفیر کی اور لوگوں نے اس کا اتباع کیا۔ میں تو اس کو بے عقل اور بے سمجھ پاتا ہوں''۔

(درثمین)

اور یہ بھی کہتے تھے:

''ابوجہل اس امت (مسلمہ) کا فرعون تھا کہ کیونکہ اس نے بھی نبی کریمؐ کی چند دن پرورش کی تھی جیسا کہ فرعون مصری نے حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی پرورش کی تھی اور ایسا ہی مولوی محمد حسین صاحب نے ابتدا میں براہین پر ریویو لکھ کر ہمارے سلسلہ کی چند یوم پرورش کی''۔ (ملفوظات، جلد ۳، صفحہ ۲۷۲)

یعنی مرزا صاحب مولانا کو اپنی امت کا فرعون قرار دیتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی تعزیریں بھی انسان کی سمجھ میں کبھی مشکل سے ہی آتی ہیں۔ یہاں جس تحریر میں مرزا صاحب مولانا کو ذلیل کرنے کے لیے فرعون کے خطاب سے نواز رہے ہیں اسی تحریر میں وہ اپنے علم وفضل اور عالم کان وما یکون ہونے کا مذاق بھی اڑوا رہے ہیں۔ ان کا کہنا کہ ابوجہل نے چند یوم تک آنحضرت ﷺ کی پرورش کی تھی جو ایک غلط بات ہے۔ نہ جانے یہ بات مرزا صاحب نے کس تاریخ میں پڑھی ہے یا سیرت کی کس کتاب میں یہ بات ان کی نظر سے گزری ہے کہ ابوجہل نے بھی آنحضرت ﷺ کی پرورش میں حصہ لیا ہے۔ اگر یہ بات مرزا صاحب کو الہام سے معلوم ہوئی تھی تو ان کی طرف الہامی پیغامات بھیجنے والے کے علم کا حدود اربعہ بھی واضح ہو جاتا ہے اور ہم قادیانیوں سے عرض کرتے ہیں کہ وہ اس بات کا ثبوت مہیا کریں کہ ابوجہل نے بھی آنحضرت ﷺ کی چند یوم تک پرورش کی تھی۔ اگر ثبوت نہ دے سکیں تو تسلیم کریں کہ مرزا صاحب کا علم ناقص تھا اور چونکہ مرزا صاحب تاحین حیات اس غلطی کا ازالہ نہیں کر سکے اس لیے یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام نہیں ہوتا تھا۔ اگر اللہ علیم وخبیر کی الہامی رہنمائی مرزا صاحب کو حاصل ہوتی تو انہیں اس غلطی پر باقی نہ رکھا جاتا۔

مولانا رد قادیانیت کے محاذ پر دوسرے علماء کی سرگرمیوں کی قدر بھی کرتے تھے اور

انہیں مفید ہدایات اور مشوروں سے بھی نوازتے رہتے تھے۔ جیسا کہ پروفیسر عبد القیوم مسجد مبارک اہل حدیث لاہور کی تاریخ میں بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں:

''بیسویں صدی کے پہلے اور دوسرے عشرے میں (یہاں) بہت سے مناظرے ہوئے۔ بالخصوص ہندوؤں عیسائیوں اور مرزائیوں سے۔ ان مناظروں کی قابل ذکر خصوصیت یہ تھی کہ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسریؒ اور مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی پیش پیش تھے مگران کی حمایت اور ہنمائی کے لیے حضرت شیخ القرآن و الحدیث مولانا محمد حسین بٹالویؒ ان مناظروں میں بنفس نفیس شرکت فرماتے اور ہمارے بزرگ مناظرین کی رہنمائی کے فرائض سر انجام دیتے۔ ان کی یہ عنایت (رہنمائی) مولانا ابراہیم سیالکوٹی کے لیے خصوصی ہوا کرتی تھی''۔ (مقالات پروفیسر عبد القیوم ' جلد۲' ص ۲۷۸)

مولانا بٹالوی کی تصانیف میں درج ذیل کتب و رسائل شامل ہیں۔

البرہان الساطع المشر وع فی ذکر الاقتداء بالمخالفین فی الفروع۔

منح الباری فی ترجیح البخاری۔ البیان فی رد البرھان۔

الاقتصاد فی مسائل الجھاد۔

ترجمہ: الایقاف فی سبب الاختلاف (مصنفہ مولانا محمد حیات سندھی)

التحذیر عن التدبیر

مفتاح الکلام فی حیاۃ المسیح علیہ السلام۔

مذہب و معاشرت' اثبات نبوت۔

رسالہ النظر فی التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ للغزالی۔

مذہب ولا مذہبی۔ تقدیر اور جبر واختیار۔ اعاذہ رحمانی۔

بغض وتہاجر۔ ولادت مسیح۔ تورات وانجیل کی نسبت اسلامی اعتقاد۔

احکام نکاح و طلاق پر اعتراضات کے جواب۔ رسالہ متعلقہ بحث امامت و پیری مریدی۔ نصیحت نامہ نمر ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ''۔ (تذکرہ شہداء صفحہ ۳۵۲-۳۵۳)

اس کے علاوہ آپ نے تعلیقات علی النصف الاول من المشکوۃ لکھی اور مولوی عبد اللہ چکڑالوی کے نظریات حدیث پر تنقیدی مضامین لکھے۔ سر سید احمد خان کے نظریات کے رد میں آپ نے گراں قدر کام کیا اور مولانا عطاء اللہ حنیف نے لکھا ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کا

کتابچہ ''سبیل الرشاد'' اہل حدیث کی گرم تردید کے لیے وقف ہے جس کو مولانا محمود الحسن کے تیز پیش لفظ کے ساتھ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی نے شائع کیا تھا۔ مولانا محمد شاہ جہان پوری نے اس کی تردید میں ''الارشاد الی سبیل الرشاد'' لکھی۔ مولانا بٹالویؒ نے دونوں کتابوں پر محاکمانہ ریویو کے عنوان سے تبصرہ کیا اور اسے اپنے ''اشاعت السنہ'' نمبر ۶ جلد ۲۰ بابت ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴ء) صفحہ ۱۷۳ تا ۲۰۲ میں شائع کیا تھا۔ (تقدیم۔ الارشاد۔ مطبوعہ اہل حدیث اکادمی لاہور)

مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے برصغیر کی تحریک اہل حدیث میں بھی نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں اور ان کی محنت سے بہت سے علاقوں میں عمل بالحدیث کی ترویج ہوئی۔ ان کے آغاز عہد میں حدیث اور عمل بالحدیث پر ہند تو ایک طرف حجاز میں بھی بڑا کٹھن وقت تھا۔ مولانا بٹالویؒ نے اپنے سفر حج میں حجاز کے حالات کا مشاہدہ کیا اور واپس آ کر بتایا کہ حاجی امداد اللہ کے ایک رفیق مولوی رحمت اللہ کیرانوی جو ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ سے گھبرا کر مکہ معظّمہ وہاں درس حدیث کو روکنے کے لیے کیا کر رہے تھے انہوں نے بتایا کہ ایک بزرگ شیخ محمد نامی حرم محترم میں حدیث پڑھایا کرتے تھے۔ اس (مولوی رحمت اللہ) نے ان کو حکماً اس سے ہٹا دیا۔ پھر وہ ایک مدت تک ایک حلوائی عبد اللہ نامی کی دکان کی ایک کوٹھڑی میں چھپ کر پڑھاتے رہے۔ اس کو بھی اس نے جب مطلع ہوا بند کرا دیا۔ ایک دفعہ حدیث کی ایک کتاب ''سفر السعادۃ'' (تصنیف علامہ مجد الدین صاحب قاموس) مکہ میں آئی اور شائقین حدیث نے اس کی ترویج و اشاعت چاہی تو اس کو بھی اس نے جاری نہ ہونے دیا۔ خاکسار نے مکہ مکرمہ میں چار مہینے رہ کر اکثر ان حالات کو بچشم خود ملاحظہ کیا ہے صرف سنی سنائی باتوں کو بیان نہیں کر دیا۔

(اشاعۃ السنہ جلد ۶، نمبر ۱۰، صفحہ ۲۸۹، بحوالہ اہل حدیث اور سیاست۔ صفحہ ۳۸۱)

اس ماحول میں جن بزرگوں نے برصغیر میں حدیث اور عمل بالحدیث کی اشاعت کا کام کیا ہے مولانا بٹالویؒ کی شخصیت ان میں بہت نمایاں ہے۔ پنجاب اور ہند کے معروف علاقوں کے علاوہ برصغیر کے دور دراز کے علاقوں میں بھی ان کا فیض خوب پھیلا، مثلاً بتایا جاتا ہے کہ بلتستان کے علاقے میں مسلک اہل حدیث کا فروغ مولانا ہی کے طفیل ہوا جیسا کہ ''تاریخ اہل حدیث جموں وکشمیر'' میں لکھا ہے کہ بلتستان میں مسلک اہل حدیث کے فروغ کا سبب یہ ہوا کہ وہاں کے لوگ مزدوری کرنے کے لیے شملہ جایا کرتے تھے ان میں ایک شخص عبد الرحیم نامی تھا جس کی ملاقات مولانا محمد حسین بٹالویؒ سے ہوئی تو وہ ان کی وعظ و تبلیغ سے اہل حدیث ہوا۔

عبدالرحیم صاحب کے اثر سے مولوی ابوالحسن تبّتی جو کہ نوربخشی فرقہ شیعہ سے تعلق رکھتا تھا اہل حدیث ہوا۔ ابوالحسن صاحب بڑے عالم فاضل شخص تھے اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کا کہنا ہے کہ جب وہ حافظ عبدالمنان محدثؒ کے پاس وزیر آباد میں پڑھتے تھے اس وقت ابوالحسن صاحب صحیح مسلم شریف میں ان کے ہم درس تھے۔ حافظ عبدالمنان صاحب سے حدیث پڑھ کر ابوالحسن صاحب، میاں صاحب سید نذیر حسین محدثؒ سے پڑھنے کے لیے دہلی گئے اور وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر انہوں نے بلتستان میں بڑے جوش وخروش سے کتاب و سنت کی تبلیغ کا کام شروع کیا۔ عبدالرحیم صاحب بھی ان کے ساتھ شرک و بدعت کے استیصال میں منہمک رہے اور آپ نے بلتستان میں اہل حدیث کی پہلی مسجد میں بھی تعمیر کرائی جسے ایک شیعہ جاگیردار نے مسمار کرانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اہل بدعت نے مسجد کو شہید کر دیا۔ عبدالرحیم نے پنجاب جا کر یہ دلدوز واقعہ مولانا محمد حسینؒ کو بتایا۔ مولانا نے یہ واقعہ وائسرائے ہند تک پہنچایا۔ وائسرائے نے مہاراجہ کشمیر سے رابطہ کیا۔ مہاراجہ نے مسجد کو سرکاری رقم سے از سرنو تعمیر کرنے کا حکم دیا اور مسجد دوبارہ مکمل کی گئی۔ اس واقعہ سے بلتستان میں اہل حدیث کے پاؤں جم گئے۔ مولوی ابوالحسن خود بھی ذاتی اثر و رسوخ رکھتے تھے جو وہاں تحریک اہل حدیث کے فروغ میں معاون ہوا۔ (تاریخ اہل حدیث جموں وکشمیر، صفحہ ۳-۲۵۲)

پوگل پرستان کشمیر (تقریباً بارہ مربع میل علاقہ جو سطح سمندر سے ۷۵۰۰ فٹ کی بلندی پر سری نگر سے جموں کے راستے میں واقعہ ہے) کے علاقے میں تحریک اہل حدیث کی نشوونما کے سلسلے میں بیان ہوا ہے کہ پوگل کے ایک بزرگ وقتاً فوقتاً پنجاب جایا کرتے تھے یہاں ان کی ملاقات دو جلیل القدر علماء حافظ عبدالمنان وزیر آبادیؒ اور مولانا محمد حسین بٹالویؒ سے ہوئی اور ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر شرک و بدعت سے تائب ہو گئے۔ اس واقعہ کو ابھی تھوڑے دن گزرے تھے کہ ایک روز مولانا عبدالکبیر اسلام آبادی، مولانا سید حسین اور مولانا انور شاہ ہر سہ حضرات اکٹھے بانہال جا رہے تھے راستے میں ایک مسافر سے ملاقات ہوئی۔ باتوں باتوں میں پتہ چلا کہ پوگل کے رہنے والے مولوی احمد اللہ ہیں اور حال ہی میں مذکورہ علمائے پنجاب کے خیالات سے متاثر ہوئے ہیں۔ سن کر ان تینوں بزرگوں کے دل کی کلیاں کھل گئیں۔ احمد اللہ کو وضاحت کے ساتھ مسلک اہل حدیث سمجھایا اور اختلاف مسالک میں جو شکوک وشبہات تھے ان کو رفع فرمایا۔ اس کے بعد مولوی احمد اللہ کا مولانا عبدالکبیر کے ساتھ سلسلہ آمدورفت قائم

ہوا۔ دینی تعلق کے علاوہ باہم تجارتی روابط بھی قائم ہوئے (اور یوں اس علاقے میں تحریک پروان چڑھی)۔ (تاریخ اہل حدیث جموں وکشمیر صفحہ ۲۵۴)

مولانا بٹالویؒ کے وطن مالوف بٹالہ میں بھی عمل بالحدیث کی تحریک آپ ہی کے وجود کی برکت سے پروان چڑھی۔ بتایا جاتا ہے کہ جب آپ تحصیل علم سے فارغ ہو کر واپس بٹالہ آئے تو وہاں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا کہ اکبر اس زمانے میں بٹالہ میں اللہ کا نام لے رہا ہے جہاں صدیوں سے اقوال فقہا کو سنت پر مقدم سمجھا جاتا رہا وہاں یہ شخص حدیث کی باتیں کر رہا ہے۔ ایک مرزائی عبدالقادر (سابق سوداگرمل) نے لکھا ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی، مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سے نئے نئے تحصیل علم کر کے واپس بٹالہ آئے تھے۔ عوام مسلمانوں میں ان کے خلاف شدید جذبات پائے جاتے تھے۔ مرزا غلام احمد کسی کام کے سلسلہ میں بٹالہ گئے تو ایک شخص اصرار کے ساتھ ان کو تبادلہ خیالات کے لیے مولوی محمد حسین صاحب کے مکان پر لے گیا۔ وہاں ان کے والد صاحب بھی موجود تھے اور سامعین کا ایک ہجوم مباحثہ سننے کے لیے بے تاب تھا۔ مرزا صاحب مولوی صاحب کے سامنے بیٹھ گئے اور مولوی صاحب سے پوچھا کہ آپ کا دعویٰ کیا ہے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ میرا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن مجید سب سے مقدم ہے اور اس کے بعد اقوال رسولؐ کا درجہ ہے اور میرے نزدیک کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہؐ کے مقابل کسی انسان کی بات قابل حجت نہیں۔ مرزا صاحب نے یہ سن کر بے ساختہ کہا کہ آپ کا یہ اعتقاد معقول اور نا قابل اعتراض ہے۔ لہٰذا میں آپ کے ساتھ بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ ان کا یہ فرمانا تھا کہ لوگوں نے دیوانہ وار یہ شور مچا دیا کہ ہار گئے ہار گئے۔ (سوداگرمل۔ حیاۃ طیبہ لاہور ۱۹۵۹ء صفحہ ۴۰-۴۱)

سیالکوٹ کے علاقے میں تحریک اہل حدیث کی نشو ونما میں بھی مولانا بٹالویؒ کا حصہ بہت نمایاں ہے۔ اس سلسلے میں کچھ کام تو انہوں نے براہِ راست کیا ہے اور کچھ کام ان کی وساطت سے سید نذیر حسین محدثؒ کے وجود باوجود کے طفیل ہوا ہے۔ سید صاحب کی سیالکوٹ تشریف آوری نے تحریک کے کام کو آگے بڑھانے میں بے مثال کردار ادا کیا ہے اور ان کی سیالکوٹ آمد مولانا بٹالویؒ کی دعوت پر ہوئی ہے۔ جیسا کہ مولانا محمد حسین بٹالویؒ کے بیٹے شیخ عبدالسلام کی شادی کا ذکر کرتے ہوئے مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں کہ غالباً ۱۸۸۹ء یا ۱۸۹۰ء کا ذکر ہے بارات پسرور ضلع سیالکوٹ جانے والی تھی۔ مولانا بٹالویؒ نے سید نذیر

حسین محدث دہلوی کو بھی تقریب میں شمولیت کی دعوت دی جو میاں صاحب نے منظور فرمالی۔ مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالویؒ کی برادری شیخ قانونگو' سیالکوٹ میں کثرت سے آباد تھی۔ برات انہی کے محلّہ میں اتری' میاں صاحب کی زیارت کے لیے اہل حدیث اور دیگر حضرت جوق در جوق آتے رہے اور میاں صاحب ان کو قرآن و حدیث کی تابعداری کے وعظ سناتے رہے۔ پسرور سے واپسی پر میاں صاحب نے پھر اسی محلے میں نزول فرمایا اور مغرب کی نماز آپ نے سیالکوٹ اسٹیشن کے میدان میں ادا کی جس میں مقتدیوں کا شمار ہزاروں میں تھا۔ قرأت میں آپ نے سورۂ حشر کی آخری آیات تلاوت فرمائیں۔ جو حاضرین پر اثر انداز ہوئیں اس نماز کا اثر آج تک میرے دل میں باقی ہے۔ (تاریخ اہل حدیث۔صفحہ ۴۔ ۴۳۳)

مرزا صاحب نے بھی بتایا ہے کہ مولانا بٹالویؒ ہی کی وجہ سے حضرت میاں صاحب سیالکوٹ تشریف لائے تھے جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے

نذیر حسین دہلوی باوجود پیرانہ سالی کے شیخ محمد حسین بٹالوی کے لڑکے کی شادی پر بٹالہ آیا اور سیالکوٹ کے ضلع تک گیا۔ (روحانی خزائن' جلد ۱۵' صفحہ ۵۵۶)

سیالکوٹ میں حضرت میاں صاحب کے نزول اجلال سے کچھ عرصہ قبل ان کے شاگردوں مثل مولانا حافظ عبد المنان وزیر آبادیؒ اور مولانا محمد حسین بٹالویؒ وغیرہ کی کاوشوں سے اس شہر علم وفضل میں عمل بالحدیث کی کونپلیں پھوٹنا شروع ہو چکی تھیں۔ حافظ صاحب وزیر آبادی اور مولانا بٹالوی کے ایک شاگرد مولانا احمد دین صاحب اور حافظ عبد المنان صاحب کے ایک اور شاگرد مولوی محمد رمضان نے یہاں غلغلہ توحید بلند کرنا شروع کیا ہوا تھا۔ مولانا احمد دین حضرت مولانا ابراہیم میر صاحب کے رشتہ داروں میں سے تھے اور کہا جاتا ہے کہ انہی کی برکت سے میر گھرانے میں توحید وسنت کا رواج ہوا۔ (اہل حدیث امرتسر' ۱۳ نومبر ۱۹۲۵ء)

مولانا بٹالوی قومی اہمیت کے کاموں میں بھی بڑی لگن سے کام کرتے تھے۔ ندوہ العلماء کی تاسیس اور نشوونما میں آپ کا بڑا حصہ ہے۔ قیام کے بعد ندوہ کا اجلاس اپریل ۱۸۹۲ء میں کانپور ہی میں منعقد ہوا جس میں مولانا آروی اور مولانا بٹالوی نے شرکت فرمائی اور مولانا بٹالوی کی تحریک سے سید شاہ محمد محدث صدر اجلاس ہوئے اور آپ ہی کی تحریک سے ندوۃ العلماء کے دستور العمل پر غور کرنے کے لیے علماء کی ایک مجلس تشکیل میں آئی۔

مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ وہ سلطان القلم ہیں۔ ذیل میں آپ کے سامنے مولانا

بٹالوی کو لکھا ہوا مرزا صاحب کا ایک خط اور اس کے بعد مولانا کا جوابی خط نقل کرتے ہیں۔ پڑھیئے لطف اٹھائیے اور دیکھئے کہ قلم کا سلطان کون ہے؟ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

نحمدہ ونصلی. بخدمت شیخ محمد حسین صاحب ابوسعید بٹالوی۔

الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی ۔ اما بعد! میں افسوس سے لکھتا ہوں کہ میں آپ کے فتویٰ تکفیر کی وجہ سے جس کا یقینی نتیجہ ''احد الفریقین'' کا کافر ہونا ہے اس خط میں سلام مسنون یعنی ''السلام علیکم'' سے ابتدا نہیں کر سکا۔ لیکن چونکہ آپ کی نسبت ایک منذر الہام مجھ کو ہوا ہے اور چند مسلمان بھائیوں نے بھی مجھ کو آپ کی نسبت ایسی خوابیں سنائی ہیں جن کی وجہ سے میں آپ کے خطرناک انجام سے بہت ڈر گیا۔ تب بوجہ آپ کے ان حقوق کے جو بنی نوع انسان کو اپنے نوع انسان سے ہوتے ہیں۔ اور وجہ آپ کی ہم وطنی اور قرب وجوار کے میرا رحم آپ کی اس حالت پر بہت جنبش میں آیا۔ اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے آپ کی حالت پر نہایت رحم ہے اور ڈرتا ہوں کہ آپ کو وہ امور پیش نہ آجائیں جو ہمیشہ صادقوں کے مکذبوں کو پیش آتے رہے ہیں۔ اسی وجہ سے میں آج رات سوچتا سوچتا ایک گرداب تفکر میں پڑ گیا کہ آپ کی ہمدردی کے لئے کیا کروں۔ آخر مجھے دل کے فتویٰ نے یہی صلاح دی کہ پھر دعوت الی الحق کے لئے ایک خط آپ کی خدمت میں لکھوں۔ کیا تعجب کہ اسی تقریب سے خدا تعالیٰ آپ پر فضل کر دیوے اور اس خطرناک حالت سے نجات بخشے۔

سو عزیز من۔ آپ خدا تعالیٰ کی رحمت سے نومید ہوں۔ وہ بڑا قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر آپ طالب حق بن کر میری سوانح زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ پر قطعی ثبوتوں سے یہ بات کھل سکتی ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ کذب کی ناپاکی سے مجھ کو محفوظ رکھتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ بعض وقت انگریزی عدالتوں میں میری جان اور عزت ایسے خطرہ میں پڑ گئی کہ بجز استعمال کذب اور کوئی صلاح کسی وکیل نے مجھ کو نہ دی۔ لیکن اللہ جل شانہ کی توفیق سے میں سچ کے لئے اپنی جان اور عزت سے دست بردار ہو گیا۔ اور بسا اوقات مالی مقدمات میں محض سچ کی خاطر میں نے بڑے بڑے نقصان اٹھائے اور بسا اوقات محض خدا تعالیٰ کے خوف سے اپنے والد اور اپنے بھائی کے برخلاف گواہی دی اور سچ کو ہاتھ سے نہ چھوڑا ۔ اس گاؤں نیز بٹالہ میں بھی میری ایک عمر گذر گئی ہے مگر کون ثابت کر سکتا ہے کہ کبھی

میرے منہ سے جھوٹ نکلا ہے۔ پھر جب میں نے محض للہ انسانوں پر جھوٹ بولنا ابتدا سے متروک کر رکھا ہے اور بارہا اپنی جان اور مال کو صدق پر قربان کیا تو پھر میں خدا تعالیٰ پر کیوں جھوٹ بولتا۔

اور اگر آپ کو یہ خیال گذرے کہ یہ دعویٰ کتاب اللہ اور سنت کے برخلاف ہے تو اس کے جواب میں بادب عرض کرتا ہوں کہ یہ خیال محض کم فہمی کی وجہ سے آپ کے دل میں ہے۔ اگر آپ مولویانہ جنگ وجدال ترک کر کے چند روز طالب حق بن کر میرے پاس رہیں تو میں امید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کی تمام غلطیاں نکال دے گا اور مطمئن کر دیگا۔ اور اگر آپ کو اس بات کی بھی برداشت نہیں تو آپ جانتے ہیں کہ پھر آخری علاج فیصلہ آسمانی ہے۔ مجھے اجمالی طور پر آپ کی نسبت کچھ معلوم ہوا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میں چند روز توجہ کر کے اور تفصیل پر بفضلہٖ تعالیٰ اطلاع پا کر چند اخباروں میں شائع کر دوں۔ اس شائع کرنے کے لئے آپ کی خاص تحریر سے مجھ کو اجازت ہونی چاہیے۔ میں اس خط کو محض آپ پر رحم کر کے لکھتا ہوں اور بہ ثبت شہادت چندکس آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔ آخر دعا پر ختم کرتا ہوں ربنا افتح بيننا وبين قومنا بالحق وانت خير الفاتحين۔ آمین۔ الراقم خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپورہ۔ ۳۱ دسمبر ۱۸۹۲ء

اب مولانا بٹالویؒ کا جوابی خط ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں

بٹالہ ضلع گورداسپورہ۔ یکم جنوری ۱۸۹۳ء۔ بسم الله الرحمن الرحيم۔

مرزا غلام احمد صاحب کادیانی۔ خدا آپ کو ہدائت کرے اور راہ راست پر لاوے۔

سلام علی من اتبع الھدی۔ آپ کا خط ۳۱ دسمبر ۱۸۹۲ء میں نے تعجب سے پڑھا۔ میں آپ کی ان گیڈر بھبھکیوں سے نہیں ڈرتا۔ بلکہ اس ڈرنے کو شرک سمجھتا ہوں۔ اور ان کے مقابلے میں یہ آئت قرآن پیش کرتا ہوں۔

اتحا جونی فی الله وقدهدان ۔ ولا اخاف ماتشركون به الا ان يشاء ربی شيئا ۔ وسع ربی كل شئی علما ۔ افلا تتذكرون ۔ وكيف اخاف مااشركتم ولا تخافون انكم اشركتم بالله مالم ينزل به عليكم سلطانا ۔ فای الفريقين احق با لا من ان كنتم تعلمون ۔ الذين آمنوا ولم يلبسوا ايما نهم بظلم اولئك لهم الامن وهم مهتدون ۔

کا دیانی صاحب ۔ میں قرآن اور پہلی کتابوں کو اور دین اسلام اور پہلے دینوں کو اور نبی آخرالزمان اور پہلے نبیوں کو سچا جانتا اور مانتا ہوں ۔ اور اس کا یہ لازمہ اور شرط ہے کہ آپ کو جھوٹا جانوں ۔ اور آپ کا منکر ہوں ۔ کیونکہ آپ کے عقائد آپ کی تعلیمات آپ کے اخلاق و عادات پہلی کتابوں اور پہلے دینوں اور پہلے نبیوں کے مخالف اور متناقض ہیں ۔لہٰذا ان کتابوں دینوں اور نبیوں کا ماننا تب ہی صحیح اور سچا ہوسکتا ہے جب کہ آپ کے عقائد اور تعلیمات کو جھوٹا اور آپ کو گمراہ سمجھوں ۔جس پر آیات ذیل دلائل ہیں ۔

ومن یکفر بالطاغوت و یومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی۔ وقد امروا ان یکفروابہ ۔ قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراہیم والذین معہ اذ قالوا لقومھم انا براء منکم ومما تعبدون من دون اللہ کفرن بکم وبدا بیننا و بینکم العداوۃ و البغضاء ابداً حتیٰ توء منوا باللہ وحدہ ۔

عقائد باطلہ مخالفہ دین اسلام و ادیان سابقہ کے علاوہ جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا آپ کا ایسا وصف لازم بن گیا ہے کہ گویا وہ آپ کی سرشت کا ایک جزو ہے ۔ زمانہ تالیف براھین احمدیہ سے جو جھوٹ بولنا دھوکہ دینا آپ نے اختیار کیا ہے خصوصاً ۱۸۸۶ء سے جب سے آپ نے الہامی بیٹا تولد ہونے کی پیش گوئی کی اور اس قسم کی اور پیش گوئیاں مشتہر کی ہیں ۔علی الخصوص ۱۸۹۰ء سے جب سے آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ مشتہر کیا ہے اس سے آپ کی کوئی تحریر کوئی تقریر کوئی خط کوئی تصنیف خالی نہیں ہے ۔ اس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ پہلے زمانہ میں خصوصاً امتحان مختار کاری میں فیل ہونے اور پھر عدالت میں سال ہا سال اپنے مقدمات کرنے کے وقت آپ کا یہی حال رہا ہوگا ۔ اس سے ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص بندوں پر جھوٹ بولنے اور ان کو دھوکہ دینے میں ایسا دلیر ہو وہ خدا پر افترا کرنے سے کہ میں ملہم ہوں اور مجھے الہام ہوا ہے کہ فلاں شخص مجھے بیٹی نہ دے گا تو ہلاک ہو جائے گا اور فلاں شخص مجھے مسیح نہ مانے تو عذاب میں مبتلا ہوگا ۔ کس طرح رک سکتا ہے اور اس دعویٰ الہام میں کیونکر سچا سمجھا جاسکتا ہے ۔

آپ اس قسم کے تین ہزار الہامات کے صادق ہونے کے مدعی ہیں ۔ میں ان تین ہزار میں سے صرف تین الہاموں کے صادق ٹھہرنے پر آپ کو ملہم مان لوں گا اور یہ سمجھونگا کہ میں نے آپ کو بداخلاق اور گمراہ سمجھنے میں غلطی کی ۔ اور تین ہزار میں سے جن تین الہا

موں کو آپ بین الصدق سمجھتے ہوں مثلاً دیانند سرسوتی کی موت کے متعلق الہام یا شیخ مہر علی کی رہائی کی نسبت الہام یا دلیپ سنگھ کی نا کامی سے واپس ہونے کی نسبت الہام یا آپ کے آئندہ اور فرضی خسر کے فوت ہو جانے کی نسبت الہام، و امثال ذالک۔ ان کو آپ کسی ایسی مجلس میں جس میں جانبین کے اشخاص مساوی ہوں اور تین منصف مختلف مذاہب کے یا آزاد مشرب ہوں، ثابت کر دیں اور آسانی سے کامیاب ہوں۔

تین نہ سہی، چلو ایک ہی اپنے خیالی الہام اخیر کا جس کو آپ نے اپنے جلسہ میلہ سالانہ میں اپنے معتقدوں اور دام افتادگان میں جو اکثر عوام بے علم تھے اور بعض خود غرض نیچری اور بعض تماشائی جن کو تحقیق اصل حال سے کوئی غرض نہ تھی بڑی شد و مد سے بیان کیا تھا واقعی الہام ہونا ثابت کر دیں۔ اب مرد میدان ہیں تو میدان میں نکلیں ورنہ ان لن ترانیوں سے شرم کریں۔ اپنے دریائے رحمت کے جوش و جنبش میں آنے کا جو آپ نے ذکر کیا ہے۔ اس میں بھی آپ ... صاف شہادت دے رہے ہیں کہ آپ پرلے سرے کے بیرحم اور خود غرض جانی اور نفسانی آدمی ہیں۔ آپ کی زبان اور حجاج بن یوسف کی تلوار دونوں توام ہیں۔ آپ نے اپنے مخالفین اور معترضین کو اس حالت میں جب کہ آپ ان کو مخدومی اخوی کے خطاب سے یاد کرتے اور ان کی نیک نیتی کے معترف تھے۔ بے حیا۔ بے ایمان۔ درندہ۔ منہ سے جھاگ نکالنے والا کتا۔ کلب یموت علی الکلب۔ سفلہ۔ کمینہ۔ وحشی وغیرہ الفاظ سے یاد کیا ہے۔ کیا رحمت اور انسانی نوع کی ہم دردی یہی معنے رکھتی ہے؟

آپ مسلمانوں کا دس ہزار سے زیادہ روپیہ کتاب براہین احمدیہ کی قیمت اور قبولیت دعاؤں کی طمع دے کر خورد برد کر چکے ہیں اور کتاب براہین احمدیہ تا ہنوز در بطن شاعر کا مصداق ہے اور قبولیت دعاؤں کے امیدوار آپ کے منہ دیکھ رہے ہیں۔ کیا ہم دردی و رحم اسی کا نام ہے؟

جب مجھے آپ سے آپ کے امکانی ولی ہونے کی نظر سے حسن ظنی تھی تو میں نے آپ سے بارہا التجا کی کہ مجھے آپ اپنے پاس ٹھہرا کر رحمت و برکت کے آثار دکھائیں آپ نے کبھی ہاں نہ کی۔ ایک دفعہ میں نے آپ کو یہ بھی کہا تھا کہ آپ کے مخالف و منکر اچھے رہے کہ آپ ان کو نشان آسمانی دکھانے کے لئے انعام کے وعدہ پر بلاتے ہیں۔ ہم

موافقین کو بلا وعدہ انعام بھی نہیں بلاتے ۔تو آپ ہنس کر خاموش ہو گئے تھے ۔ پھر جب آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو میں نے اپنا خلاف ظاہر کر کے آپ کے پاس آنا اور دوستانہ پرائیوٹ گفتگو کرنا چاہا تو آپ بلانے کا وعدہ دیتے دیتے لودیانہ میں جا براجے اور وہاں مخاصمانہ بحث کا اکھاڑا جما کرنا جائز اور بحث کوٹلانے کے شروط سے پناہ گزین ہوئے ۔ پھر جب بمقام لودیانہ آپ کے گھر پہنچ کر آپ کو گفتگو پر مجبور کیا تو آپ نے اس باامن گفتگو کو ناتمام چھوڑ کر پھر مخاصمانہ بحث کا اکھاڑہ جمانے کا اہتمام کیا۔ اور دہلی پٹیالہ لاہور سیالکوٹ وغیرہ میں مخاصمانہ بحث کا علم بلند کیا۔ اور پھر بحث سے گریز کر کے انواع اتہام واکاذیب کا اشتہار شائع کیا۔ اور اسی اثنا میں فیصلہ آسمانی لکھ مارا۔ جس میں کوئی دقیقہ بے رحمی اور بدگوئی کا فروگذاشت نہ کیا۔ اس بے رحمی ونفسانی کارروائیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ پڑ گیا۔ بھائی بھائی سے اور دوست دوست سے الگ ہو گیا۔ کیا رحمت وہم دردی کا یہی اثر ہے؟

آپ میں رحمت اور ہم دردی کا شمہ اثر ہوتا تو جس وقت میں نے اپنا خلاف آپ کے دعویٰ مسیحائی سے ظاہر کیا تھا آپ فوراً مجھے اپنی جگہ بلاتے یا غریب خانہ پر قدم رنجہ فرماتے (جیسا کہ پہلے بھی آپ سے وقوع میں آتا رہا۔ اور کم سے کم تین دفعہ آپ نے غریب خانہ میں قدم رنجہ فرما کر رابطہ اتحاد ظاہر کیا تھا) اور اس صورت سے آپ اپنے دعویٰ جدیدہ کو ثابت کر دکھاتے ۔ اب جو آپ نے یہ خط ارسال فرمایا ہے یہ بھی آپ کی خود غرضی اور نیت فساد سے خالی نہیں ۔ اس میں خود غرضی یہ ہے کہ آپ کے مرید آپ کو نیک نیت اور اپنے دعویٰ میں ثابت قدم اور مقابلہ مخالفین کیلئے مستعد سمجھیں ۔ نیت فساد کی یہ ہے کہ جانب ثانی سے جواب ترکی بہ ترکی ملے تو اس سے بٹالہ کے مسلمانوں میں پھوٹ پڑے ۔ یہ آپ کے دعویٰ الہام وراست بازی اور خیر خواہی کا جواب ہے ۔

اب میں آپ کی اس درخواست کا کہ ' خاکسار آپ کے اور آپ کے تابعین کے الہامات ومنامات سے ڈر کر آپ کے پاس پہنچے اور آپ کا مطیع ہو جائے یا آپ کو ان ڈرانے والے الہامات ومنامات کی اشاعت کی اجازت دے ' جواب دیتا ہوں ۔ آپ کا خاکسار کو اپنے پاس بلانا اگر اس غرض سے ہے کہ میں آپ کے عقائد باطلہ کی نسبت آپ سے کچھ دریافت کروں تو اس نظر سے آنا فضول ہے ۔ ہم مسلمانوں کو آپ کے عقائد کے

بطلان میں اب کوئی شک نہیں ہے ۔ لہٰذا اس میں کچھ دریافت کرنے کی ضرورت و حاجت باقی نہیں ۔ ہاں اگر آپ کو کچھ شک و اشتباہ ہوتو آپ جس وقت چاہیں حسب عادت قدیم غریب خانہ پر تشریف لاویں ۔ دستور قدیم کے موافق آپ کی مدارات ہوگی اور آپ کی تسلی کی جاوے گی ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

اور اگر خاکسار کو اپنے پاس بلانا اس غرض سے ہے کہ آپ مجھے کوئی نشان آسمانی دکھائیں گے تو اس نظر سے آنا نہ صرف بے فائدہ ہے بلکہ گناہ اور موجب نقصان ہے ۔ جس شخص کے عقائد اسلام اور سابق ادیان کے مخالف ہوں اس سے نشان آسمانی کا متوقع ہونا مومن کا کام نہیں ۔ اور اگر وہ کچھ چالاکی اور شعبدہ بازی سے بذریعہ مسمریزم وغیرہ دکھا بھی دے تو اس پر اعتماد کرنا مخالف اسلام ہے ۔ اس بات کو آپ بھی اپنے اشتہار میں تسلیم کر چکے ہیں ۔ ہاں اس غرض سے میرا وہاں پہنچنا جائز بلکہ موجب ثواب ہے کہ میں وہاں پہنچ کر آپ کا عجز اظہار نشان آسمانی سے لوگوں پر ظاہر کروں اور مسلمانوں پر آپ کا جھوٹ اور فریب کھولوں ۔ کیونکہ میرے خیال میں آپ کو مسمریزم وغیرہ میں دخل نہیں ۔ اور آپ کے پاس جو ہتھیار اور دام تزویر ہے وہ صرف زبان کی چالاکی اور فقرہ بندی ہے ۔ لیکن مجھے اس صورت میں قادیان پہنچنے میں یہ اندیشہ ہے کہ آپ میری جان کو نقصان پہنچانے میں کوشش کریں گے اور اس سے اپنے الہام کو کہ یہ شخص باون برس کا ہو کر فوت ہو جاوے گا (جس کو آپ کے حواری اور دوست میاں چٹو ریشم فروش اور میاں رجب الدین لاہور وغیرہ آپس میں پھیلا رہے ہیں) ۔ سچا کر دکھائیں گے ۔ (گو واقع میں کبھی سچا نہیں ہوسکتا کیونکہ میں باون برس کی عمر پوری کر چکا ہوں ۔ ۱۷ محرم ۱۲۵۶ھ میری پیدائش ہے اور اب ۱۳۱۰ھ گذر رہا ہے) اور کم سے کم یہ کہ میری آبروریزی کی تدبیر کریں گے ۔ پس اگر آپ میری اس غرض کو پیش نظر رکھ کر مجھے اپنے پاس بلانا چاہتے ہیں تو میرے اس اندیشہ کو ایک باضابطہ تحریر سے جو عدالت میں رجسٹرڈ ہوا ٹھا دیں ۔

آپ نے اس تحریر ذمہ داری کو منظور کیا تو اس کا مسودہ آپ کے پاس بھیجا جاوے گا ۔ اس صورت میں یہ خاکسار قادیان میں حاضر ہوگا اور جو کام آپ کی خدمت گزاری کا یہاں کرتا ہے وہاں بیٹھ کر کرے گا ۔ درصورت عدم منظوری شرط مذکور میں قادیان نہیں آسکتا ۔ اس صورت میں جو آپ نے اپنے اور اپنے تابعین کے الہامات و منامات کے جو

میری نسبت ہوئے ہیں اجازت چاہی ہے اس سے مجھے تعجب آیا اور یقین ہوا کہ آپ دعویٰ الہام میں کذاب ہیں۔ خدا کے الہام کی اشاعت وتبلیغ کے لئے اوروں کی اجازت کے کیا معنی؟ اول تو جو الہام کسی نبی یا ولی کو کسی شخص کے ڈرانے کے لئے ہوتا ہے اس کی اشاعت وتبلیغ اس الہام کا عین مدعا ہوتا ہے۔ اور اگر آپ کا ملہم آپ کو ایسے الہام کرتا ہے جس کی اشاعت تا نظر ثانی وحکم ثانی جائز نہیں ہوتی تو آپ اپنے ملہم ہی کیوں نہیں پوچھ لیتے کہ میں اس الہام کو شائع کروں یا نہ کروں۔ اور اگر کرونگا تو کسی قانون کے شکنجہ میں تو نہ پھنسایا جاؤں گا۔ آپ کی اس اجازت چاہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ الہام کی آڑ میں مجھے گالیاں دینا چاہتے ہیں اور ایسے الفاظ لکھنے اور مشتہر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس سے میری حیثیت عرفی کا زالہ ہو۔ اور میرے اور میرے عزیزوں اور اقارب کی دل شکنی ہو۔ اور ان کو رنج پہنچے۔ چنانچہ پہلے بھی آپ نے اس قسم کے الہام میری نسبت شائع کئے ہیں۔ ومعہذا آپ قانونی گرفت کا بھی اندیشہ رکھتے ہیں اور حکام وقت کو اپنے ملہم کی نسبت زبردست سمجھتے ہیں۔ لہٰذا میں ایسے الہام کی اشاعت کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ہاں اس قسم کی اجازت سے میں رک بھی نہیں سکتا کہ آپ اپنے اور تابعین کے الہامات کو جہاں تک کہ قانون ان کی اشاعت کی اجازت دیتا ہے شائع کریں۔ اور اپنے ملہم کو کمزور اور ڈرپوک (جو یقیناً خدا تعالیٰ نہیں بلکہ معلم الملکوت ہے) اور حکام وقت سے مغلوب سمجھ کر اس کے حکم کی تعمیل کو حکام وقت کے قانون کے تابع رکھیں۔ اس کا آپ نے خلاف کیا تو آپ کو کورٹ میں یا پھر کسی اور آرامگاہ میں آنا پڑے گا۔ آپ کے پچھلے الہامات بھی میری نگاہ میں ہیں اور ان کی نسبت تدارک کا ارادہ بھی ہنوز ملتوی نہیں ہوا۔ میں یہ کہنا بھی نامناسب نہیں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ خدا سے ہم کلام ہونے کا شرف رکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے مجملات کی تفصیل پوچھ سکتے ہیں اور معہذا ابنی نوع سے ہمدردی رکھتے ہیں (جیسا کہ آپ نے اپنے خط میں دعویٰ کیا ہے) تو بجائے مجھے دھمکانے اور ڈرانے کے آپ میری نسبت خدا تعالیٰ سے پہلے یہ دریافت کریں کہ جو منذر الہام آپ کو اس شخص کی نسبت ہوا ہے وہ مبرم اور قطعی الوقوع ہے یا اس کا وقوع معلق ہے۔ اور جو ڈر یا عذاب اس میں بیان کیا گیا ہے وہ درصورت تابع ہو جانے کے اس شخص سے اٹھ سکتا ہے۔

پس اگر خدا تعالیٰ آپ کو یہ بتادے کہ وہ مبرم نہیں معلق ہے تو آپ خدا کی جناب میں دعا کریں کہ وہ مجھے آپ کی شناخت کی توفیق دے اور آپ کے تابع کردے۔ اور مجھ سے وہ عذاب اٹھالے اور اس امر میں اپنے دریائے رحمت کو جوش میں لاویں۔ اور اس نبی رحیمؐ کی سنت پر عمل کریں جس کو اس کی قوم نے مار مار کر خون آلود کر دیا تھا اور وہ اپنے چہرہ سے خون پونچھتا اور یہ کہتا تھا اللھم اغفر لقومی فانھم لایعلمون ۔ اور نیز آنحضرت ﷺ کی اس سنت پر عمل کریں کہ جب آپ کی پاس ملک الجبال نے حاضر ہو کر کہا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس لئے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے منکروں اور مخالفوں کو پہاڑ کے نیچے کچل دوں۔ تو آپؐ نے فرمایا میں یہ نہیں چاہتا۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو خدا کی توحید پکاریں گے۔ اور اگر خدا تعالیٰ آپ کو یہ خبر دے کہ یہ الہام مبرم اور قطعی الوقوع ہے تو پھر آپ میری دعوت سے دستبردار ہوں اور اپنے تابعین کو وہ الہام سنا کر ان پر اپنی نبوت و ولائت ثابت کریں۔ اس صورت میں مجھے دعوت کرنا فضول ہے۔ کیونکہ قطعی وعدہ عذاب کے بعد کسی نبیؐ نے دعوت نہیں دی۔ اور اگر آپ اپنی اس دھمکی پر مصر رہیں گے تو طالب حق اور منصف جان لیں گے کہ آپ اس دعوت و انذار میں فریب کرتے ہیں اور جھوٹے ہیں۔

میں اخیر میں یہ بھی آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ اگر میں آپ کی مخالفت میں نیک نیت اور حق پر ہوں اور دین اسلام کی حمائت کر رہا ہوں اور نفسانیت کو اس میں دخل نہیں دیتا تو خدا تعالیٰ میری مدد کرے گا اور آپ کو ہدائت کر کے تابع حق اور دین اسلام کریگا ورنہ سخت عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کریگا۔ اور اگر میری نیت میں فساد ہے تو خدا مجھے اس کا بدلہ خود دے گا۔ آپ کا ڈرانا دھمکانا عبث وفضول ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ میں آپ کو کذاب جانتا ہوں اور اس اعتقاد کو دین اسلام کا جزو سمجھتا ہوں۔ لہٰذا بہتر ہے کہ آپ ان گیدڑ بھبھکیوں سے باز آئیں اور حق کے تابع ہو جائیں۔ آئندہ اختیار ہے۔ وماعلینا الا البلاغ المبین الراقم ابوسعید محمد حسین عفی اللہ

(روحانی خزائن ج ۵، ص ۲۸۹ ۔ ۳۱۹)

سید شہید الدین احمدؒ

آپ کا مولد ومنشا بنارس اور آپ کا سال ولادت ۱۲۶۷ھ ہے۔ تعلیم کی ابتدا میاں جی عبدالرب جون پوری اور مولوی محمد بخش بنارسی سے کی اور پھر اپنے بڑے بھائی مولوی حمید الدین احمد سے پڑھتے رہے۔ بعد فراغت آپ ریاست ریواں کے ہیڈ مولوی مقرر ہوئے۔ آپ رفاہ عام کے کاموں کی بہت کوشش کرتے۔ چنانچہ ریاست مذکور میں عیدگاہ آپ ہی کی سعی سے تعمیر ہوئی۔ ۶ سال کے بعد ریاست کی نوکری چھوڑ کر بنارس کالج میں استاد مقرر ہو گئے۔ ۲۴ سال اس کالج میں پڑھاتے رہے۔ اس کے بعد تھیا سوفیکل اسکول بنارس میں ہیڈ مولوی مقرر ہوئے۔ ۵ سال یہاں درس دیا اور ۷۰ سال کی عمر ۱۹۱۸ء میں وفات ہوئی۔

آپ کی تصنیفات میں الف بائے اردو۔ قرآن کا قاعدہ۔ تحفۃ الحفاظ۔ عمدہ لغت قرآن۔ وعظ نماز۔ وعظ روزہ۔ شہید اللغات۔ تذکیر و تانیث اردو۔ معلم اللسانین عربی و فارسی۔ نصاب فارسی ہر دو حصہ۔ سہل القواعد۔ قواعد اردو۔ سوال و جواب قواعد۔ نکاح بیوگان۔ وغیرہ شامل ہیں۔

مرزا صاحب پر ۱۸۹۱ء میں جو فتویٰ تکفیر جاری ہوا تھا اس پر آپ نے بھی دستخط فرمائے ہیں اور اس طرح آپ کا شمار تحریک ختم نبوت کے اولین کارکنوں میں ہوتا ہے۔

(تراجم علما حدیث ہند صفحہ ۳۵۰، علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ)

مفتی عبداللہ ٹونکیؒ

عربی واسلامی علوم کے ماہر مفتی صاحب عربی درسگاہوں کی قدیم تعلیم کا بہترین نمونہ تھے اور اپنے وقت کے ہندوستان کے مشاہیر علما میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ وہ ادب میں مولانا فیض الحسن صاحب اور دینیات میں مولانا احمد علی محدث کے شاگرد تھے۔ مولانا فیض الحسن صاحب کے انتقال کے بعد اورئینٹل کالج لاہور میں استاد مقرر ہوئے اور ۴۴ سال یہاں پڑھاتے رہے۔ اخیر زمانہ میں وہ دارالعلوم ندوہ کے مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے اور اس کے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر مدرس ہوئے اور یہیں بیمار ہو کر اپنے صاحبزادہ مفتی انوارالحق صاحب ناظم ومشیر تعلیمات بھوپال کے پاس گئے تھے جہاں انہوں نے ۷نومبر ۱۹۲۰ء کو ۷۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ تعلیمی خدمات کے علاوہ مفتی صاحب کا بڑا کارنامہ انجمن مستشار العلماء لاہور ہے جو ایک قسم کا دارالافتاء تھا۔ مرحوم نے بعض عربی کتابوں پر حواشی بھی لکھے تھے

۱۸۹۱ء میں حضرت میاں صاحب دہلوی نے مرزا غلام احمد پر جو فتویٰ تکفیر جاری کیا تھا مفتی صاحب نے اس پر تائیدی دستخط فرماتے ہوئے لکھا

> میں نے قادیانی کے ان اقوال کو جو اس فتویٰ میں ہیں دیکھا اور اصل تصانیف قادیانی میں بھی ان کو ملاحظہ کیا۔ وہ اقوال شریعت محمدیہ ﷺ اور تمام مسلمانوں کے مخالف ہیں۔ جو ان اقوال کا مصدق ہے جو کوئی ہو اور جہاں کہیں ہو وہ احاطہ اسلام سے خارج ہے اور اتباع قرآن وحدیث سے باہر ہے۔ العبد۔ محمد عبداللہ ٹونکی مدرسہ عالیہ پنجاب یونیورسٹی'

اس کے علاوہ مولانا ٹونکی نے تحریک ختم نبوت کے ابتدائی دور میں یکے بعد دیگرے تین خط مرزا صاحب کو لکھے جن میں ان سے مباحثہ کی استدعا کی گئی تھی۔ پہلا خط ۲۴ ستمبر ۱۸۹۱ء مطبوعہ جعفری پریس لاہور ہے۔ دوسرا خط ۱۱۴ کتوبر ۱۸۹۱ء مطبوعہ لاہور ہے اور تیسرا خط مورخہ ۲۴ جنوری ۱۸۹۲ء مطبوعہ لاہور ہے (مجموعہ اشتہارات ج اص ۲۲۲۔ حاشیہ)۔ مرزا صاحب نے کسی خط کا مثبت جواب نہیں دیا۔ مولانا بٹالویؒ نے ۱۸۹۱ء میں لاہور میں حکیم نوردین سے جو مباحثہ کیا تھا اس مباحثے کے حاضرین میں مفتی صاحب بھی تھے۔ مرزا صاحب نے ۱۸۹۶ء

میں مباہلے کا جو چیلنج شائع کیا تھا آپ کا اسم گرامی بھی اس کے مدعوین میں شامل تھا۔آپ کی وفات مرزا صاحب کی موت کے ۱۲ سال بعد ہوئی تھی۔اور جس طرح مرزا صاحب اپنے سے پہلے مرجانے والے مدعوین مباہلہ کی اموات کو اپنی صداقت کا نشان بتایا کرتے تھے اسی طرح مرزا صاحب کا مفتی صاحب کی زندگی میں مرجانا مرزا صاحب کے کذب کا نشان بن جاتا ہے

۱۹۰۰ء میں تحریک ختم نبوت کا جو جلسہ شاہی مسجد لاہور میں ہوا تھا آپ اس میں بھی شریک تھے اور جلسے کے بعد علماء کا جو مشترکہ اعلان جاری ہوا تھا اس پر بھی آپ نے دستخط فرمائے تھے۔مفتی صاحب نے ایک وزیرآبادی فتوے پر بھی دستخط کئے ہیں اور لکھا ہے کہ

مرزا غلام احمد قادیانی اعلانیہ نزول وحی نبوت اور رسالت کے مدعی ہیں۔اس لحاظ سے ان کا اور ان کے مریدوں کا خارج از اسلام ہونا مسلم الثبوت ہے۔(دیکھو امام ابوالفضل قاضی عیاض کی کتاب الشفافی تعریف حقوق المصطفیٰ جلد۲ صفحہ ۵۱۹) اس کے اور اس کے مریدوں کی اقتدا میں اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا ہرگز درست نہیں۔پس جس نے دیدہ دانستہ مرزائی کے جنازہ کی نماز پڑھی ہے اس کو اعلانیہ توبہ کرنی چاہیے۔اور مناسب ہے کہ وہ اپنا تجدید نکاح کرے اور حسب طاقت کھانا کھلا دے۔اگر وہ ایسا نہ کرے تو اہل سنت والجماعت کو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہیے۔ایسے منافق کے پیچھے نماز درست نہیں ہوتی۔

(علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ صفحہ ۱۰۸ اور ۱۷۸، مقالات پروفیسر عبدالقیوم۔جلد۲ صفحہ ۱۳۶، یادرفتگان۔صفحہ ۱۴۱، مہر منیر۔صفحہ ۲۳۸)

محمود حسنؒ

آپ کے گرامی قدر والد کا نام مولانا ذوالفقار علی ہے اور آپ کی ولادت ۱۸۵۱ء میں بریلی میں ہوئی جہاں آپ کے والد بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم شمار ہوتے ہیں اور ملا محمود کے شاگرد۔ ان کے علاوہ آپ نے مولانا قاسم نانوتوی سے بھی پڑھا جوان دنوں میرٹھ میں منشی ممتاز علی کے مطبع کے لئے تصحیح کتب کا کام کرتے تھے۔ ۱۲۸۹ھ میں تعلیم سے فارغ ہوئے اور ۱۲۹۲ھ دیوبند میں ۱۵ روپیہ ماہوار تنخواہ پر مدرس چہارم مقرر ہوئے اور جلد ہی آپ نے تدریس میں اس قدر مہارت حاصل کر لی کہ ۱۲۹۵ھ میں آپ نے بخاری شریف بھی پڑھائی۔ ۱۲۹۴ھ میں اکابر دیوبند کے ساتھ حج کیا۔ اور حجاز میں شاہ عبدالغنی مجددی سے سند حاصل کی۔ حج کے جلد ہی بعد مولانا قاسم کی وفات ہوگئی اور مولانا محمود کا اپنے استاد کی موت پر صدمے سے بہت برا حال ہوا۔ اور کہا جاتا ہے کہ ان کی طبیعت سنبھلنے میں بہت وقت صرف ہوا۔ ۱۳۰۵ھ میں دیوبند کے مدرس اول سید احمد صاحب بڑی تنخواہ پر بھوپال چلے گئے اور آپ ان کی جگہ صدر مدرس مقرر ہوئے۔ آپ نے اس منصب کو نہائت خوبی سے ۱۳۳۹ھ تک نبھایا اور آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے علما شامل ہیں۔ آپ کا حلقہ درس نہائت مہذب اور شائستہ ہوتا اور آپ حدیث کا ازحد احترام کرتے تھے۔ مسائل مختلف فیہا میں آئمہ ثلاثہ بلکہ دیگر مجتہدین کے مذاہب بھی بیان کرتے اوران کے دلائل نقل کرتے لیکن جب امام ابو حنیفہؒ کا نام آجاتا تو کہا جاتا ہے کہ قلب میں انشراح ، چہرہ پر بشاشت، تقریر میں روانی اور لہجہ میں جوش پیدا ہو جاتا تھا۔

مولانا محمود حسن نے ہندوستان کی سیاست میں بھی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں اور بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے اس مقصد کی خاطر جمیعت الانصار کے نام سے ایک تنظیم قائم کی تھی جس میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ ان کے دست راست تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے بھی آپ کا

رابطہ رہا اور کہا جاتا کہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ ہم لوگ جہاد کا سبق بھول چکے تھے۔ یہ سبق ابوالکلام نے ہمیں یاد کرایا۔ آپ حجاز میں تھے کہ انگریز آپکو وہاں سے مالٹا لے گئے جہاں آپ کئی سال نظر بند رہے۔ مولوی محمد علی قصوری اور مولوی محمد بشیر لاہوری وغیرہ چاہتے تھے کہ آپ یاغستان میں قیام فرمائیں جہاں ان کے شاگردوں کی کافی تعداد تھی اور یاغستان میں بیٹھ کر تحریک مجاہدین کا کام آگے بڑھائیں۔ یہ منصوبہ کامیاب نہ ہوسکا۔ آپ کی کاوشوں کی ناکامی میں بعض ایسے لوگوں کا بھی حصہ تھا جو آپ کے اردگرد تھے اور آپ کے تلامذہ کے زمرے میں شمار ہوتے تھے۔

۱۸۹۱ء میں مرزا غلام احمد کے بارے میں جو فتویٰ تکفیر جاری ہوا تھا اس پر آپ نے تائیدی دستخط فرمائے تھے اور اس کے بعد ایک وزیرآبادی فتویٰ پر بھی ان کے تصدیقی دستخط ہیں۔ اس طرح آپ کا شمار تحریک ختم نبوت کے اولین کارکنوں میں ہوتا ہے۔ ۱۹۰۰ء میں جن علماء کو مرزا صاحب نے تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تھا ان میں آپ بھی شامل تھے۔ آپ کا انتقال ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو ہوا۔

حکیم عبدالمجیدؒ

آپ کا سال ولادت ۱۲۷۸ھ ہے اور آپ نے تعلیم کا آغاز حفظ قرآن سے کیا۔ ابتدائی فارسی کتب مولوی ثناء اللہ حنفی بنارسی سے پڑھیں۔ اور صرف ونحو فقہ ومنطق کا علم اپنے خسر مولوی عبدالرحمٰن مدرس مدرسہ مسجد گیان بانی بنارس سے حاصل کیا۔ اس کے بعد لکھنؤ گئے اور وہاں کتب عقائد اور امور عامہ ومناظرہ وعلم کلام مولوی عین القضاۃ ومولوی محمد نذیر شاگرد مولوی عبدالحی لکھنوی سے پڑھیں۔ اور فن طب کی کتابیں حکیم اسماعیل سے بالاستیعاب پڑھیں۔ پھر دہلی گئے اور بلوغ المرام سے لے کر سنن اربعہ تک مولوی شریف حسین صاحب سے اور بخاری ومسلم میاں صاحب سید نذیر حسینؒ سے پڑھ کر ۱۲۹۹ھ میں سند حاصل کی۔ پہلے حنفی المسلک تھے لیکن دہلی سے اہل حدیث ہوکر بنارس آئے اور مطب جاری کیا اور سلسلہ اشاعت سنت وعمل بالحدیث شروع کیا۔ سلطانہ رضیہ بیگم کی مسجد میں امام جمعہ اور فاطمان کی عیدگاہ میں امام عیدین مقرر ہوئے۔ مولانا محمد سعید بنارسی کی وفات کے بعد ان کے مدرسہ میں استاد مقرر ہوئے پہلے فقہ ومنطق پڑھاتے رہے اور پھر حدیث۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے اور مولانا ابوالقاسم بنارسی بھی ان میں شامل ہیں۔

(تراجم علما حدیث ہند صفحہ ۲۶۶)

آپ نے ۱۸۹۱ء والے فتویٰ تکفیر مرزا پر دستخط فرمائے ہیں جس کی وجہ سے آپ تحریک ختم نبوت کے اولین کارکنوں میں شمار ہوتے ہیں۔

حیات محمدؒ

آپ کا سال ولادت ۱۲۷۹ھ ہے اور مولد ومنشا بنارس۔ آپ کے والد کا نام شاہ فقیر محمد تھا اور آپ نے فارسی اور طب کی کتابیں حکیم خدا بخش بنارسی سے پڑھیں ۔ ادب و منطق مولوی علی جواد شیعہ مجتہد بنارسی سے اور فقہ واصول فقہ کے لئے آپ نے مولوی عبدالرحمٰن حنفی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ بعض دیگر علوم آپ نے حکیم بدرالدین بنارسی سے پڑھے اور اس کے بعد حضرت میاں صاحب سید محمد نذیر حسین محدثؒ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے اور تفسیر اور حدیث کی تمام کتابیں وہاں ختم کر کے ۱۳۱۰ھ میں سند حاصل کی ۔ بعدازاں شیخ حسین بن محسن انصاری کی خدمت میں حاضر ہو کر سند حدیث لی اور اہل حدیث بن کر بنارس واپس آئے۔ اپنے محلّہ میں سنت کی اشاعت شروع کی تو احناف کے اٹھارہ مسئلے بذریعہ اشتہار شائع کئے اور ان سے خوب مباحثے کئے ۔ مقدمہ بازی تک بھی نوبت پہنچی اور معاندین کے ہاتھوں بڑی تکلیفیں اٹھائیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ مدد کی اور حق کو غالب کیا۔ آپ سلطانہ رضیہ کی شاہی مسجد میں متولی کی اجازت سے درس دیا کرتے تھے اور تمام فنون کی کتابیں پڑھانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آواز باریک تھی اور وعظ میں بہت خوش بیان تھے۔ ساری عمر اشاعت سنت کا ولولہ رہا اور مولانا محمد سعید بنارسی کے دست و بازو بن کر کام کیا۔ اتباع سنت میں کبھی کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کی ۔ ہر وقت کتب بینی کیا کرتے ۔ آپ کی ذات سے عوام کو بہت فائدہ پہنچا۔ ۶۲ سال کی عمر میں جون ۱۹۲۳ء میں آپ کی وفات ہوئی ۔

(تراجم علما حدیث ہند۔ صفحہ ۳۶۵)

آپ نے ۱۸۹۱ء والے فتویٰ تکفیر مرزا پر دستخط فرمائے ہیں جس کی وجہ سے آپ تحریک ختم نبوت کے اولین کارکنوں میں شمار ہوتے ہیں۔

قاضی عبدالاحد خانپوریؒ

آپ کی ولادت ۱۲۶۸ھ میں ہوئی اور آپ کے والد کا نام قاضی محمد حسن ہے۔ آپ نے مولانا عبداللہ غزنویؒ سے علمی و روحانی فیض حاصل کیا اور حدیث کی سند حضرت میاں صاحب دہلوی سے حاصل کی۔

قاضی صاحب مدۃ العمر تحریک ختم نبوت میں کام کرتے رہے اور مرزا صاحب کی کتابوں میں ان کے شدید مخالفین کی فہرست میں آپ کا نام نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک مرتبہ حکیم نور دین راولپنڈی آئے اور قاضی صاحب سے ان کی ملاقات ہوئی۔ حکیم صاحب نے پوچھا کہ آپ نے مرزا صاحب کی تکفیر کیوں کی؟ کیا آپ کو آسمان سے آواز آئی یا زمین سے کہ مرزا صاحب کافر ہیں؟ قاضی صاحب نے کہا کہ دونوں طرف سے۔ حکیم صاحب بولے وہ کیسے؟ قاضی صاحب نے فرمایا کہ جو احکام بذریعہ وحی آسمان کی طرف سے آئے ہیں ان کی رو سے مرزا صاحب کافر ہیں۔ یہ تو ہوئی آسمانی آواز۔ باقی رہی زمین تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ کل دنیا انہیں کافر کہتی ہے۔ یہ مسکت جواب سن کر حکیم صاحب خاموش ہو گئے اور جاتے ہوئے راولپنڈی کے مرزائیوں کو ہدائت کر گئے کہ اس شخص کو کبھی نہ چھیڑنا۔ ورنہ یہ شخص تمہیں مرتے دم تک نہ چھوڑے گا۔ پھر ایک دفعہ مرزائیوں نے حکیم نور دین صاحب کی نصیحت کو بالائے طاق رکھ کر راولپنڈی میں ایک اشتہار شائع کر دیا۔ کچھ لوگ وہ اشتہار لے کر قاضی صاحب کے پاس آئے اور جواب لکھنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مرزائی کیسے بلوں سے نکل آئے؟ چنانچہ آپ نے اس کا جواب کلما خرجت العقرب فالنعل حاضرۃ کے نام سے لکھا جس کا معنی یہ ہے کہ جب بھی بچھو اپنی بل سے باہر نکلے تو جوتا حاضر ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے قادیانیت کے رد میں درج ذیل کتابیں لکھیں

(۱) السیف المسلول فی نحر شاتم الرسول۔ یہ ۴۰ صفحات کا رسالہ ہے اور راولپنڈی سے شائع ہوا تھا۔

(۲) اظھار مخادعت مسیلمہ قادیانی یہ رسالہ ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور مرزائیوں کے اشتہار الصلح خیر کے جواب میں راولپنڈی سے شائع کیا گیا تھا۔

(۳) اغاثۃ الملھو دالمکرّوب المسجون فی مساند القادیانی المجنون یہ رسالہ ایک مرزائی تحصیلدار کے رسالے کے جواب میں لکھا گیا۔

آپ نے بمقام زیرہ ایک مرزائی سے مباہلہ بھی کیا جس کے نتیجے میں وہ مرزائی آپ کی زندگی میں ہلاک ہوگیا اور اللہ نے آپ کو سرخرو کیا۔ ۱۸۹۱ء میں میاں صاحب دہلوی نے جو فتویٰ تکفیر مرزا جاری کیا تھا اس پر قاضی صاحب نے تائیدی دستخط فرمائے تھے اور لکھا تھا

'اس میں شک نہیں کہ عقائد مذکورہ سوال کفر والحاد اور چھپا ارتداد و نفاق ہے۔ اس پر خدا کی لعنت ہو جس نے گمراہی کی بنیاد ڈالی اور خدا و رسول اللہ ﷺ اور شرع پر بدگمانی کی اور یہ کہا ہے کہ میری طرف وحی ہوتی ہے۔ اور واقعہ میں نہیں ہوتی۔ ایسے ہی اس کے انصار مددگاروں پر جو بے عقل و ذلیل ہیں۔ بے شک وہ دجال ہے۔ خداوند کریم ان کے مکر و گمراہی سے بچائے۔' (علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ ص ۱۴۰)

قاضی عبدالاحد کا نام دعوت مباہلہ ۱۸۹۶ء میں شامل ہے۔ اور چونکہ قاضی صاحب کی وفات مرزا صاحب کے بعد ۱۳۴۷ھ میں ہوئی اسلئے مرزا صاحب کی اپنی منطق کے مطابق قاضی صاحب کی زندگی میں مرزا صاحب کی موت مرزا کے کذب کا نشان ہے۔ ۱۹۰۰ء میں جب مرزا صاحب نے علماء کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تو آپ کا نام بھی مدعوین میں شامل تھا۔ اس چیلنج کے بعد جب پیر مہر علی شاہ صاحب لاہور تشریف لائے تو قاضی صاحب بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اور جب مرزا صاحب کے فرار کے بعد لاہور میں مسلمانوں کا جلسہ عام ہوا تو آپ اس میں بھی موجود تھے اور بعد میں جاری ہونے والے مشترکہ اعلامیہ پر بھی ان کے دستخط تھے۔

قاضی محمد خانپوریؒ

آپ کی ولادت ۳ مئی ۱۸۵۴ء کو بمقام خانپور، ہزارہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار قاضی محمد حسن سے بہمراہی برادر کلاں قاضی عبدالاحد صاحب حاصل کی۔ ذہین تھے اور جو کتاب ایک دفعہ دیکھ لیتے اسے دوبارہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ والد صاحب جب سب کچھ پڑھا چکے جو وہ پڑھا سکتے تھے تو ہر دو برادران کو تحصیل علم کے لئے باہر بھیجا اور یوں آپ پنجاب کے مختلف شہروں میں پڑھتے رہے۔ پھر والد صاحب نے دونوں بھائیوں کو حجرت عبداللہ غزنوی کی خدمت مین بمقام خیر دی امرتسر بھیجا۔ مولانا غزنوی ان دونوں بھا ئیوں کی ہر طرح دلداری کرتے تھے کیونکہ ان کے والد بھی ان سے بیعت تھے۔

آپ نے علم حدیث حافظ عبدالمنان، حضرت عبداللہ غزنوی، امام عبدالجبار غزنوی اور حضرت میاں صاحب دہلوی سے حاصل کیا۔ اجازہ وسند حضرت میاں صاحب سے ۱۲۹۲ھ میں حاصل کیا اور معقول کی کتابیں مفتی عبداللہ ٹونکی سے پڑھیں۔

جب آپ میاں صاحب کے حلقہ درس میں تھے تو ان دنوں یوپی کے ایک میر صاحب جو فقہ وغیرہ پڑھنے کے بغرض حصول اجازہ حدیث دہلی آئے ہوئے تھے آپ کے ہم درس تھے۔ ایک مرتبہ قاضی صاحب نے ایک حدیث بخاری سے پڑھی تو میر صاحب نے دوران سبق آواز بلند کر کے کہا اضطراب ہے۔ آپ نے اس بات کا کوئی نوٹس نہ لیا اور دوسری حدیث پڑھ دی۔ میر صاحب نے پھر کہا اضطراب ہے۔ قاضی صاحب نے پھر توجہ نہ کی اور تیسری حدیث پڑھ دی۔ اور میر صاحب پھر بولے اضطراب ہے۔ اس پر قاضی صاحب نے کہا.. فر مایئے آپ کو اضطراب متن حدیث میں سوجھ رہا ہے یا اسناد میں؟ ......میر صاحب نے کہا ارے میاں تم کیا جانو؟ لغوی اضطراب ہے۔ قاضی صاحب نے کہا ...لغوی اضطراب کہاں سے آ گیا؟ میر صاحب بگڑ کر بولے۔ ایک مشکوٰۃ عبدالجبار سے پڑھ کر تم بھی باتیں بنانے لگے ہو۔ قاضی صاحب کہنے لگے کہ میں نے مشکوٰۃ تو مولانا عبدالجبار غزنوی سے نہیں پڑھی لیکن مجھے آپ کی شاگردی پر فخر ہے۔ تم کون ہوتے ہو کہ میرے استاد کا اس طرح ذکر کرو۔

اس کے بعد میر صاحب نے کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالا اور اٹھ کر چلے گئے گویا انہوں نے دہلی سے چلے جانے کا قصد کرلیا۔ قاضی صاحب کہتے ہیں کہ میاں صاحب مجھ سے بہت ناراض ہوئے اور ہم سب کو کہا کہ تمہارے جیسے دس طالب علم چلے جائیں تو میں پرواہ نہیں کرونگا۔ لیکن اگر ایسا ایک طالب علم چلا گیا تو میں تم سب سے ناراض ہو جاؤ نگا۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ کم از کم ایک مرتبہ حدیث ان کے کان میں پڑ جائے اور ان پر حجت قائم ہو جائے۔ اس کے بعد ان کی مرضی جو راہ چاہیں اختیار کریں۔ اس پر طلبا نے میر صاحب کی منت کر کے انہیں راضی کرلیا اور وہ درس میں شریک رہے لیکن تا ختم بخاری کبھی نہ بولے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ جب کبھی طالب علموں کا مکالمہ یا مذاکرہ شروع ہو جاتا تو میاں صاحب کی عادت تھی کہ چپ رہتے۔ جب ایک حد تک طلبا پہنچ جاتے تو فرماتے ''اچھا میاں جانے دو۔ آگے چلو۔'' بعض طالب علم گستاخی بھی کرتے اور ایک دفعہ ایک حنفی طالب علم نے کہا ''میاں صاحب۔ یہ جتنی گمراہی ہندوستان میں پھیلی ہے یہ سب تمہاری بدولت پھیلی ہے۔ میاں صاحب نے فرمایا اچھا صاحب دعا کیجئے کہ اگر ہم غلطی پر ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ہدائت دے اور اگر آپ غلطی پر ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ہدائت دے۔

دہلی سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے بڑے بھائی قاضی عبدالاحد کے ساتھ جموں جا کر حکیم نور دین بھیردی سے طب پڑھی۔ (اس وقت حکیم صاحب مرزائی نہیں ہوئے تھے بلکہ اس وقت ابھی مرزائیت نمودار ہی نہیں ہوئی تھی)۔ اسی دور میں قاضی عبدالاحد کی گفت وشنید سے حکیم نور دین صاحب کی دختر کا نکاح مولانا عبدالواحد صاحب غزنوی سے ہوا تھا۔

تخمیناً ۱۸۹۴ء۔ ۱۸۹۵ء میں مولانا عبدالجبار غزنوی کے حکم سے قاضی محمد نے پشاور صدر میں مسجد مولوی عبدالمجید مرحوم کی خطابت کا عہدہ قبول کرلیا اور پشاور چلے گئے جہاں وہ ۱۹۰۸ء تک رہے۔ آپ کی وفات ۹ نومبر ۱۹۲۹ء بمقام خانپور ہوئی۔

قاضی محمد تحریک ختم نبوت کے اولین کارکنوں میں شامل ہیں کیونکہ آپ نے ۱۸۹۱ء میں جاری ہونے فتویٰ تکفیر مرزا پر دستخط فرمائے تھے۔ آپ نے فتویٰ پر لکھا تھا کہ

'جو کچھ ہمارے شیخ مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب اور ہماری برکت مولوی عبدالجبار صاحب وغیرہ علمائے کرام نے قادیانی کے حق میں لکھا ہے وہ حق ہے اور بے شک قادیانی کافر ہے۔

(علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ۔ ص ۱۴۱)

یوسف حسین خانپوریؒ

بتایا جاتا ہے کہ ۱۳۰۵ھ میں ایک روز آپ مسجد پیرانوالی خانپور میں سوئے ہوئے تھے کہ خواب میں دو جلیل القدر علماء کو دیکھا۔ ایک کا نام انماطی تھا اور دوسرے کا نام دمیاتی اور خواب میں ان سے کچھ فیض بھی حاصل کیا۔ بیداری پر کتاب اتحاف النبلا مصنفہ نواب صدیق حسن کو کھول کر دیکھا تو اس میں ہر دو علماء کا تذکرہ پایا۔ آپ نے اس کی تعبیر یہ کی کہ میں انشاء اللہ دو جلیل القدر علماء سے فیض حاصل کرونگا۔ ایک تو میاں نذیر حسینؒ ہوں گے اور دوسرے واللہ اعلم کون ہوں گے۔ اس خواب کے بعد آپ نے وطن سے کوچ کیا اور خان پور سے پیدل سفر کر کے محرم ۱۳۰۷ھ میں شہر دہلی میں وارد ہوئے۔ وہاں میاں صاحب سے علم تفسیر و حدیث حاصل کیا۔ مولوی عبدالغفور غزنوی مرحوم آپ کے ہم سبق تھے۔ اور انہوں نے بھی آپ کے ساتھ ہی میاں صاحب سے اجازہ حدیث حاصل کیا۔ اسی سال میں آپ نے مولوی محمد شاہجہان پوری مصنف الارشاد سے بھی سند حدیث حاصل کی۔ اور پھر ۱۳۰۸ء میں علامہ حسین بن محسن انصاری سے اجازہ حاصل کیا۔ علاوہ ازیں آپ نے ۱۳۱۸ھ میں علامہ ابراہیم بن سلیمان مغربی مہاجر مکہ سے اور علامہ بدرالدین شامی سے بھی اجازہ حاصل کیا۔ اول الذکر سے دہلی میں اور مؤخر الذکر سے قیام بغداد کے وقت۔

علم و ادب میں قاضی یوسف حسین نے کچھ استفادہ مولوی ڈپٹی نذیر احمد سے بھی کیا۔ آپ ڈپٹی صاحب کی بہت تعریف کیا کرتے تھے اور فرماتے کہ طلبا آپ سے مشکل سے مشکل شعر دریافت کرتے تو آپ اس میں ایک مشکل و مغلق مقام کی نشان دہی کر دیتے جس سے تمام شعر کا مطلب حل ہو جاتا۔ ان دنوں طالب علم انہیں پالکی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا کرتے تھے۔

جب آپ مدرسہ میاں صاحب میں پڑھتے تھے ان دنوں کسی جگہ آپ کا ایک شیعہ عالم

سے مناظرہ ہو گیا۔ شیعہ عالم نے ایک حدیث پڑھی قاضی صاحب نے حوالہ طلب کیا تو اس نے مسند احمد کا نام لیا۔ مسند احمد وہاں موجود نہ تھی اس لئے آپ اسی وقت مدرسہ میاں صاحب گئے اور وہاں سے مسند احمد اٹھا لائے اور شیعہ مناظر سے کہا لیجئے یہ مسند احمد ہے۔ اس میں سے وہ حدیث دکھا دیجئے۔ انہوں نے کچھ ورق گردانی کی لیکن حدیث نہ ملنی تھی نہ ملی اور مجلس برخواست ہوگئی۔ قاضی صاحب فرماتے تھے کہ اس کے بعد شیعہ حضرات مسجد میاں صاحب میں آ کر انگلیوں سے میری طرف اشارہ کر کے ساتھیوں کو بتایا کرتے تھے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے ہمارے مناظر کو شرمندہ کر دیا تھا۔

چونکہ آپ خوشنویس تھے اور عربی فارسی بلکہ انگریزی بھی خوب لکھتے تھے۔ اس لئے دہلی میں آپ کا ذریعہ معاش کتابت تھا۔ قرآن شریف اور کتب حدیث کی کتابت اور تصحیح کرتے رہے۔

(تذکرہ علماء خانپور)

قاضی صاحب تحریک ختم نبوت کے اولین کارکنوں میں شمار ہوتے ہیں اور آپ نے فتویٰ تکفیر مرزا مجریہ ۱۸۹۱ء پر دستخط فرماتے ہوئے لکھا تھا

مجیب (سید نذیر حسین) نے اس جواب سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا اور جواب کھرا دیا۔

ابو اسماعیل یوسف حسین خانپوری . '

(علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ۔ ص ۸۹)

احمد حسن کانپوریؒ

مولانا لطف اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور کان پور میں مسند آرائے تدریس تھے ۔معقول کی مشہور کتاب حمد اللہ اور مثنوی مولانا روم کے حواشی سے آپ کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے ۔آپ حضرت حاجی امداد اللہ کے مرید خاص تھے اور اگرچہ علما دیوبند کو بھی حاجی صاحب سے شرف بیعت حاصل ہے اور اس لحاظ سے وہ مولانا احمد حسن کے پیر بھائی تھے لیکن بعض مسائل میں مولانا کو ان سے اختلاف رہا ہے جس پر حاجی امداد اللہ صاحب نے مکہ شریف سے ایک رسالہ ھفت مسئلہ بطور محاکمہ تحریر فرما کر بھیجا تھا ۔مسئلہ امکان نظیر پر بھی مولانا احمد حسن نے لکھا اور آپ کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ آپ اعلیٰ درجہ کے نفاست پسند تھے اور گفتگو کے وقت گویا منہ سے پھول جھڑتے تھے ۔اس شان علم پر اخلاص وانکسار بے حد

۱۸۹۱ء میں حضرت سید محمد نذیر حسین کے جاری کردہ فتویٰ تکفیر مرزا پر مولانا احمد حسن نے تائیدی دستخط فرمائے اور لکھا کہ

’ ایسے عقائد کا معتقد دائرہ اسلام سے خارج اور مقالات اس کے مخالف کتاب وسنت ہیں ۔ اعا ذنا اللہ وسائر المسلمین من شر مکائدہ ۔کتبہ محمد احمد حسن‘ مولانا کی اس تحریر کے باعث ان کا شمار تحریک ختم نبوت کے اولین کارکنوں میں ہوتا ہے ۔

(علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ ۔صفحہ ۱۵۹، مہر منیر صفحہ ۲۷۔۷۳)

مہر علی شاہ گولڑویؒ

پیر مہر علی صاحب رمضان ۱۲۷۵ھ (اپریل ۱۸۵۹ء) میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۹۰ھ کے قریب یعنی پندرہ سال کی عمر میں آپ نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے وطن چھوڑا۔

مہر منیر کے مطابق ان دنوں لکھنؤ دیوبند رام پور کانپور دہلی اور سہارن پور میں بڑے بڑے علمی مراکز قائم تھے' لکھنؤ میں مولانا عبدالحیؒ (ف ۱۳۰۴ھ) مرجع خلائق تھے۔ دیوبند میں مدرسہ کا افتتاح ۱۲۸۳ھ میں ہو چکا تھا اور یہ مدرسہ مولوی قاسم صاحب کی سرپرستی میں ترقی کر رہا تھا۔ کانپور میں استاذ الکل مولانا لطف اللہ علی گڈھی (ف ۱۳۳۴ھ) کے شاگرد مولانا احمد حسن مسند آرائے تدریس تھے جو حاجی امداد اللہ صاحب کے مرید تھے۔ علی گڈھ میں مولانا لطف اللہ کی ذات گرامی شہرہ آفاق تھی اور سہارنپور میں مولانا احمد علی فن حدیث میں امام تصور کئے جاتے تھے۔ پیر صاحب نے مولانا لطف اللہ، اور مولانا احمد علی وغیرہ سے پڑھا اور ۱۲۹۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ پھر حج کے لئے تشریف لے گئے اور حجاز میں آپ ایک روز مولوی محمد غازی کے ہمراہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے درس میں شامل ہوئے۔ حاجی صاحب نے اپنا سلسلہ چشتیہ صابریہ حضرت کو عنائت فرمایا اور کہا کہ اگرچہ آپ کو اس حاجت نہیں مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ کی وجہ سے شمالی ہند میں میرے سلسلہ کی بھی ترویج ہو۔ حضرت پیر صاحب فرماتے تھے میں نے عرض کیا کہ آپ کی عنائت کا شکریہ۔ مجھے طواف کعبہ کی طرف قلبی توجہ نہیں ہوتی۔ اگر ہو سکے تو اس قدر مہربانی فرمائیں کہ خدا کرے یہ ہو جائے۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا میں بھی تقریباً تیس سال سے ایسی ہی کیفیت میں مبتلا ہوں۔

(مہر منیر۔ صفحہ ۱۲۸)

پیر صاحب نے تردید مرزائیت ۔ انسداد چکڑالویت اور ردنیچریت میں عمدہ خدمات سرانجام دیں اور حکام سے دور رہے جیسا کہ لکھا ہے ' ۱۹۱۱ء میں دہلی میں منعقد ہونے والے برطانوی شاہی دربار میں شمولیت سے انکار کیا۔' (مہر منیر۔صفحہ ۱۴۴) ۔اور' کمشنر کی روبکار پر تحریر فرمایا کہ میں ایک درویش ہوں اور درویشوں کی حاضری شاہی درباروں میں کبھی مناسب خیال نہیں کی گئی ۔تاہم اس حکومت میں ہمارے سچے مذہب اسلام کے ارکان پر کوئی پابندی نہیں ہے اس لئے میں بادشاہ کے حق میں یہیں سے دعا کرتا ہوں ۔ (مہر منیر۔صفحہ ۱۸۳)

مہر منیر میں لکھا ہے کہ جب آپ حج کے لئے حجاز گئے تو وہاں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ نے مستقل طور پر حجاز میں قیام کا ارادہ فرما لیا۔ حاجی امداد اللہ صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ہندوستان واپس چلے جائیں کہ وہاں ایک فتنہ رونما ہونے کو ہے اور اس دور ابتلا میں اگر آپ اپنے وطن میں خاموش بھی بیٹھے رہے تو بھی علمائے امت مسلمہ اس فتنہ سے محفوظ رہیں گے ۔ بعد میں پیش آنے والے واقعات سے پتہ چلا تھا کہ یہ فتنہ قادیانیت کی طرف اشارہ تھا۔

قادیانیت کی تردید میں آپ نے کتابیں لکھیں اور اشتہارات شائع کئے ۔مرزا صاحب سے مباحثے اور تفسیری مقابلے کے لئے ۱۹۰۰ء میں لاہور بھی تشریف لائے ۔ جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں ۔

''جن دنوں میں مرزا غلام احمد قادیانی نے بظاہر تحقیق حق کی غرض سے اشتہارات کے ذریعہ دعوت دی اور میں اسے قبول کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ مجھے اس نعمت عظمیٰ کا شرف حاصل ہوا۔ میں اپنے حجرہ میں بحالت بیداری آنکھیں بند کئے تنہا بیٹھا تھا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ قعدہ کی حالت میں جلوس فرما ہیں ۔اور یہ عاصی بھی چار بالشت کے فاصلے پر اسی حالت میں بادب تمام شیخ کی خدمت میں مرید کی بالمقابل بیٹھا ہے اور غلام احمد اس جگہ سے دور مشرق کی طرف منہ کئے اور آنحضرت ﷺ کی طرف پشت کر کے بیٹھا ہے ۔

اس روئت کے بعد میں بمعہ احباب لاہور پہنچا۔لیکن مرزا اپنے تاکیدی وعدہ سے پھر گیا اور لاہور نہ آیا۔

مرزا غلام احمد کی کتاب ' اعجاز المسیح اور شمس بازغہ کے جواب میں آپ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب سیف چشتیائی تصنیف فرمائی جو ۱۹۰۲ء میں شائع ہو کر برصغیر کے علماء مشائخ دینی

مدارس اور مذہبی اداروں میں مفت تقسیم کی گئی'۔ (مہر منیر۔صفحہ ۲۴۶)

اور اس کتاب میں آپ نے فرمایا' ہم پیش گوئی کرتے ہیں کہ مدینہ زادھا اللہ شرفاً میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنے اور جواب سلام سے مشرف ہونے کی نعمت قادیانی کو کبھی نصیب نہ ہوگی۔' (مہر منیر۔صفحہ ۲۵۱)

اہل حدیث حضرات سے بھی پیر صاحب کے معرکے ہوتے رہے اور خاص طور پر خانپوری علماء سے تحریری مباحثے چلتے رہے جیسا کہ لکھا ہے

''جن لوگوں نے حضرت قبلہ عالم کی تصنیف سیف چشتیائی کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس میں محمد بن عبدالوہاب نجدی پر تنقید کی گئی ہے۔اس سے اہل حدیث کے ایک گروہ نے ناراض ہو کر مناظرانہ مباحث کی بنا ڈالی اور ۱۳۲۵ھ یعنی ۹۔۱۹۰۸ء میں راولپنڈی کے ایک مولوی عبدالاحد خانپوری کو سامنے لاکر حضرت قبلہ عالم پر دس علمی سوالات شائع کئے...... چنانچہ حضرت نے اپنی تصنیف فتوحات صمدیہ میں ان دس سوالوں کے جواب باصواب دے کر ان پر بارہ سوالات شائع کر کے یہ پیش گوئی بھی فرما دی کہ وہ لوگ ان کے جواب نہیں دے سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔آج نصف صدی ہونے کو آئی۔مگر اس جماعت کی طرف سے کسی ایک سوال کا بھی جواب نہیں دیا جا سکا۔'' (مہر منیر)

جواب نہ دے سکنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ پیر صاحب نے فرمایا تھا کہ' ان سوالات کا تعلق بنی فاطمہ کے صدری علوم سے ہے اور ان کے جواب دینے کے لئے جواب دینے والے کا علوم رسمیہ پر مکمل عبور رکھنے کے ساتھ سید بنی فاطمہ ہونا بھی اشد ضروری ہے' (مہر منیر)

ہمیں بنی فاطمہ کے صدری علوم کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے تاہم اس تحریر میں جس تحریری نوک جھونک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی قدرے تفصیل ہم کسی اور بیان کریں گے ان شاء اللہ۔

پیر صاحب اہل حدیث حضرات سے علمی مباحثوں کے باوجود متعصب نہیں تھے۔اس بات کا اندازہ مولانا محمد اسحٰق بھٹی کی درج ذیل روائت سے ہوتا ہے۔فرماتے ہیں کہ گولڑہ کے پیر غلام محی الدین عرف بابو جی نے ایک سفر حج کے دوران مولانا عبداللہ لائل پوری (م۔ جولائی ۱۹۸۳ء) کو یہ عجیب واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ مولانا ابراہیم میر اور مولانا ثناء اللہ امرتسری جو اہل حدیث مسلک کے حامل تھے حضرت پیر مہر علی شاہ سے ملاقات کے لئے گولڑہ تشریف لے گئے

۔نماز کا وقت ہوا تو پیر صاحب نے امامت کے لئے مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی کو آگے کر دیا۔ اس سے ان کے بعض مرید اور معتقد کچھ پریشان ہوئے ۔ پیر صاحب نے فرمایا جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کی نماز مولانا ابراہیم صاحب کے پیچھے نہیں ہوتی وہ الگ جا کر نماز پڑھ لے ۔ ہم مولانا کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے ۔ (کاروان سلف صفحہ ۲۷۱۔۲۷۲)

پیر صاحب تحریک ختم نبوت کے بہت نمایاں کارکن تھے ۔آپ کی خدمات کا بیان اس کتاب میں کئی جگہ ہو چکا ہے ۔آپ نے ردقادیانیت میں دو کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اور مرزا صاحب سے تفسیری مقابلے کے لئے ۱۹۰۰ء میں لاہور بھی تشریف لائے ۔ خواجہ اللہ بخش تونسوی کا خیال تھا کہ صوفیاء کو مرزا کے خلاف مناظرانہ سرگرمیوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ پیر مہر علی شاہ نے خواجہ اللہ بخش تونسوی کی خدمت میں حاضری دی اور کوشش فرمائی کہ وہ اپنا موقف تبدیل کر لیں ۔ مرزا صاحب نے پیر مہر علی شاہ صاحب کے خلاف بہت سے اشتہارات شائع کئے اور اپنے لٹریچر میں آپ کے بارے میں بڑی دریدہ ذہنی کی ہے ۔ مرزا صاحب کی وفات کے بعد بھی پیر صاحب تحریک کا کام کرتے رہے اور خواجہ حسن نظامی دہلوی آپ ہی کی وجہ سے تحریک ختم نبوت میں شامل ہوئے تھے ۔آپ کی وفات ۱۳۵۶ھ میں ہوئی

محمد حفیظ اللہ

آپ کا مولد بندی گھاٹ ضلع اعظم گڈھ ہے اور آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی ۔ پھر اپنے عزیز مولانا سلامت اللہ جیراج پوری کے ہمراہ بنارس تعلیم کے لئے گئے اور وہاں سے واپس آکر مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور جا کر فارسی کی اونچی کتابیں پڑھیں ۔ نیز غازی پور میں مولانا عبدالحلیم صاحب فرنگی محلی کے شاگرد مولانا غلام جیلانی سے عربی کتابیں شروع کیں اور متوسطات تک پڑھ کر انہی کے مشورہ سے فرنگی محل لکھنؤ میں مولانا ابوالحسنات عبدالحئ صاحب فرنگی محلی کی مجلس درس میں حاضر ہوئے اور یہاں کئی سال رہ کر آپ نے معقولات اور دینیات کی تعلیم حاصل کی ۔ کتب عربیہ معقول ومنقول فروع واصول مع احادیث کی مولانا محمد عبدالحی لکھنوی سے تکمیل کی ۔ اس کے بعد مولانا نذیر حسین محدث دہلوی سے صحاح کی سند حاصل کی ۔ فراغت کے بعد جو غالباً ۱۸۸۰ء میں ہوئی ہوگی وہ کاکوری ضلع لکھنؤ کے ایک مقامی مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے ۔ چند سال کے بعد رامپور کے مدرسہ عالیہ میں مدرس مقرر ہوئے ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ رام پور اہل علم کا مرکز تھا ۔ مولانا عبدالحق خیر آبادی کا وہاں طوطی بول رہا تھا ۔ اس عہد میں ان کا وہاں جانا اور اہل علم کی نگاہوں میں وقار پیدا کرنا معمولی کارنامہ نہیں ۔ دونوں میں نواب صاحب کے سامنے کئی دفعہ فلسفیانہ مسائل پر مناظرہ بھی ہوا ۔ مولانا مرحوم کو زیادہ تر شوق معقولات ہی کا تھا ۔ قدیم فلسفہ و منطق میں بڑی دسترس حاصل تھی ۔ ساتھ ہی ریاضی میں کمال پیدا کیا تھا چنانچہ رام پور میں آپ ۹ برس تک مدرس اول کی حیثیت سے درس دیتے رہے ۔ ندوہ قائم ہوا تو آپ اس کے ممبر تھے ۔ ابتداء قیام سے ۱۹۰۵ء تک آپ وہاں مدرس اول رہے ۔

۱۹۰۹ء میں حکومت کی طلب پر ڈھاکہ گئے پہلے ایک مدرسہ میں پڑھایا پھر ڈھاکہ یونیورسٹی میں اور ۱۹۲۱ء میں پنشن یاب ہو کر حج کے لئے گئے۔ واپس آکر پھر دارالعلوم ندوہ میں مدرس اول ہوئے اور دس سال پڑھاتے رہے۔ آپ کی وفات ۱۳۶۲ھ میں ہوئی۔

جناب منشی امیر احمد صاحب مینائی مرحوم کی صحبت اٹھائی تھی۔ ان کے شاعرانہ کمالات اور بعض مشاعروں کے حالات بڑی دلچسپی سے سناتے تھے۔ آداب مجلس سے خوب واقف تھے۔ اور بڑی مزہ دار باتیں کیا کرتے تھے۔ سیر وشکار کا بھی شوق تھا۔

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ اس ھیچمدان نے آپ سے معقولات ومنقولات پڑھیں۔ اور چونکہ آپ مولانا شبلی مرحوم کے معاصر تھے۔ اس لئے جب صحبت ہوتی تو دونوں میں خوب نوک جھونک ہوتی۔ گفتگو کا موضوع کوئی فلسفہ کا مسئلہ یا عقل نقل کی تطبیق ہوتی مولانا عبدالحئ کی شاگردی کے باوجود مرحوم آخر میں عامل بالحدیث ہو گئے تھے۔ عدم تقلید کا میلان پہلے سے رکھتے تھے جو شائد مولوی سلامت اللہ صاحب کی ابتدائی صحبت کا اثر رہا ہو۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مولانا حیدر حسن ٹونکی کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ ندوہ میں جب تک مولانا حفیظ اللہ صاحب مہتمم تھے وہی امامت کراتے تھے۔ وہ مسلکا اہل حدیث تھے اور سختی سے حدیث پر کار بند۔ مولانا حیدر حسن خان متصلب حنفی ہونے کے باوجود بے تکلف ان کے پیچھے نماز پڑھتے۔ جب مولانا حفیظ اللہ صاحب سبکدوش ہوئے اور اس عرصہ میں مسجد بھی تعمیر ہو گئی تو ہمارے مولانا (حیدر حسن) ہی نماز پڑھاتے' مولانا حیدر حسن کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ انہوں نے 'استاذ حدیث اور شیخ وقت مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی کے درس میں شرکت کی اور ان سے بھی سند لی۔'

مولانا حفیظ اللہ مرحوم کی تصانیف میں تصریح الافلاک کا حاشیہ علمی یادگار ہے جو مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ رسالہ کنز البرکات لمولانا ابی الحسنات' بزبان عربی مولانا عبدالحئ کے بارے میں لکھا ہے۔

(تراجم علما حدیث ہند صفحہ ۳۹۵۔۳۹۸' یاد رفتگان ص ۲۷۳۔۲۷۵، پرانے چراغ صفحہ ۱۸۶۔۱۹۱)

مولانا حفیظ اللہ صاحب نے وزیر آبادی فتووں پر دستخط فرمائے تھے اور ایک فتویٰ پر انہوں نے لکھا تھا کہ' جو شخص خدا کے متعلق اس قسم کے عقائد رکھے جو سوال میں درج ہیں یا مدعی رسالت ہو، اگر وہ مجنون نہیں تو کافر ہے۔ حررہ ابو الفضل محمد حفیظ اللہ دارالعلوم لکھنؤ (علما

اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ ۔ص ۱۷۱) اس فتوے پر ان کے بعد ابوالعماد مولانا محمد شبلی جیراج پوری مدرس دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بھی دستخط ہیں ۔ دوسرے وزیر آبادی فتوے پر مولانا حفیظ اللہ صاحب نے دستخط کر کے لکھا ہے کہ ' جو ایسے شخص کو مسلمان سمجھتا ہے وہ جاہل ہے یا بدعقیدہ ۔ بیعت اور امامت ایسے شخص کی درست نہیں ۔ (فتویٰ مذکور ص ۱۸۱) اس کے بعد اس فتویٰ پر بھی مولانا شبلی جیراج پوری کے دستخط ہیں ۔

مولانا شبلی جیراج پوری کے کے متعلق تذکرہ علمائے ھند میں مولوی رحمان علی صاحب لکھتے ہیں ' واجازت کتب احادیث از مولوی سید نذیر حسین تلمیذ مولانا محمد اسحاق دہلوی یافتہ بحصول سند ممتاز گشت ۔' (تذکرہ علمائے ہند مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ص ۱۹۳)

جس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا شبلی جیراج پوری سید نذیر حسین مرحوم کے شاگرد تھے ۔ اور مذکورہ بالا فتووں پر دستخط کرنے کی وجہ سے وہ بھی تحریک ختم نبوت کے اولین کارکنوں میں شمار ہوتے ہیں ۔

مفتی عزیز الرحمٰنؒ

آپ نے مولانا مملوک علی ، مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے ظاہر و باطن کا فیض اٹھایا تھا۔ آپ کم سخن متن حلیم اور سادہ مزاج تھے۔ تقویٰ اور دینداری ان کے چہرہ کمال کا خط و خال تھی۔ حدیث کی تدریس کے ساتھ کتب فقہ کی جزئیات پر ان کی وسعت نظر بدرجہ اتم تھی۔ فتاوی کے جوابات مختصر لیکن جامع لکھتے اور بیالیس سال تک آپ نے دارالعلوم دیوبند میں اس خدمت کو انجام دیا۔ ۱۸۔ جمادی الاول ۱۳۴۷ھ کو ۷۲ سال کی عمر میں دیوبند میں بمرض فالج انتقال کیا۔

مفتی صاحب نے ۱۸۹۱ء والے فتویٰ تکفیر مرزا پر دستخط فرمائے اور لکھا کہ

کادیانی اور اس کے پیرو جو اعتقاد رکھتے ہیں وہ بلاشک الحاد ہے اور شریعت کا ابطال ہے۔ اس اعتقاد پر کتاب وسنت کی شہادت نہیں پائی جاتی'

اس کے علاوہ آپ نے ایک وزیرآبادی فتویٰ پر بھی تصدیقی دستخط فرمائے ہیں

ان خدمات کے باعث آپ کا شمار تحریک ختم نبوت کے اولین کارکنوں میں ہوتا ہے۔

(یادرفتگان۔ صفحہ ۸۸، علمائے اسلام کا اولین فتویٰ۔ صفحہ ۱۵۳۔۱۵۴ اور ۱۷۴)

مفتی کفائت اللہؒ

سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ مفتی صاحب سے واقفیت مجھے ۱۹۱۴ء میں ہوئی جب ندوۃ العلما کا اصلاحی اجلاس حکیم اجمل خاں صاحب کی طلب پر دہلی میں منعقد ہوا تھا اور ارکان کی باہمی مخالفت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ مولانا شبلی کی تکفیر کا فتویٰ دہلی میں مرتب ہوا جس پر مفتی کفائت اللہ مرحوم کے دستخط تھے۔ اس کے بعد یہ نام ذہن سے اتر گیا اور یکا یک ۱۹۱۹ء میں جب مسلم لیگ کا استقبالیہ خطبہ ڈاکٹر انصاری نے پڑھا اور اس میں خلافت اور جزیرۃ العرب سے متعلق فقہی اور لغوی بحث کی تو خیال ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کو یہ مواد کس نے پیش کیا۔ اس سلسلہ میں مفتی صاحب کا نام پھر سنا اور اتفاق وقت دیکھئے کہ ایک ہی سال کے بعد ۱۹۲۰ء میں مجلس خلافت کی تحریک کے سلسلہ میں حکیم اجمل خاں مرحوم کے دولت کدہ پر ایک جلسہ تھا جس میں مفتی صاحب سے میری پہلی ملاقات ہوئی۔ سب سے اول ان کی ظاہری صورت اور متواضع لباس کی بنا پر قیافہ نے ان کے فضل و کمال سے حسن ظن پیدا نہ ہونے دیا مگر تھوڑی سی بات چیت سے پتہ چل گیا کہ اس غلاف کے اندر تلوار کیسی ہے۔

مفتی صاحب کا وطن شاہ جہان پور تھا اور آپ کا خاندان یمن سے آیا تھا۔ یہ خاندان پہلے بھوپال میں آباد ہوا پھر شاہجہان پور منتقل ہو گیا۔ آپ کی ولادت ۱۲۹۲ھ میں ہوئی اور آپ کے والد کا نام شیخ عنائت اللہ تھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ ۱۳۱۲ھ میں دیوبند آئے اور وہاں مولانا منفعت علی مولانا حکیم محمد حسن مولانا غلام رسول مولانا خلیل احمد سہارن پوری سے اسباق پڑھے اور کتب حدیث کا درس مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھی اور مولانا محمود حسن صاحب سے حاصل کیا۔ صحاح کے دورہ میں آپ کے ساتھیوں میں مولانا انور شاہ صاحب مولانا حسین احمد مفتی محمد شفیع اور مولوی محمد امین بانی مدرسہ امینیہ دہلی شامل تھے۔ ۱۳۱۵ھ میں تعلیم سے فراغت ہوئی اور اس کے بعد شاہجہان پور میں مدرسہ عین العلم میں ۵ سال کام کیا۔ اسی زمانہ

میں شاہ جہان پور میں قادیانیت کی تحریک پہنچی تو اس کے رد میں ۱۳۲۱ھ میں البرھان نام کا ماہانہ رسالہ جاری کیا۔

مدرسہ امینیہ کو جس سے آپ کا ۵۰ برس تعلق رہا ان کے رفیق درس مولوی محمد امین الدین ایلونوی نے ۱۳۱۵ھ میں قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ کے سب سے پہلے مدرس مولوی انور شاہ صاحب کشمیری تھے۔ مولوی شوق نیموی کی کتاب آثارالسنن جب شائع ہوئی تو کشمیری مرحوم یہیں مدرس تھے۔ چنانچہ ان کی منظوم تقریظ اس کتاب کے آخر میں شامل ہے۔ مولوی انور شاہ صاحب کے بعد مفتی کفائت اللہ صاحب اس مدرسہ میں بطور مدرس آئے اور ۱۳۴۰ھ میں مولوی امین الدین کی وفات کے بعد اہل شوریٰ نے مفتی صاحب کو مدرس کے علاوہ اس مدرسہ کا مہتمم بھی بنا دیا۔ آپ کی وفات ۱۳۷۲ھ میں ہوئی۔

ایک وزیر آبادی فتویٰ پر مولانا کفائت اللہ نے دستخط فرمائے ہیں اور لکھا ہے 'بے شک مرزا قادیانی کے عقائد واقوال حدِ کفر تک پہنچ گئے ہیں اس لئے اس کے کفر میں کوئی شک نہیں'

دوسرے وزیر آبادی فتویٰ پر بھی آپ کے دستخط ہیں اور آپ نے لکھا ہے اگر غلام احمد کے عقائد کو یہ (امام) عقائد کفریہ جانتا ہے اور پھر ان سے راضی و خوشی ہے تو یہ بھی کافر ہے۔ لان الرضابالکفر کفر۔' محمد کفائت اللہ شاہجہانپوری۔ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ (یادرفتگان۔ص ۴۴۷۔ ۴۵۲، علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ۔ص ۱۷۲، ۱۸۲)

متفرقات

کتاب ھذا کے حصہ اول کی اشاعت کے بعد ہمیں مولوی سعد اللہ لدھیالوی کے متعلق چند مختصر تحریریں دستیاب ہوئی ہیں جو یہاں نقل کی جا رہی ہیں۔ ایک تحریر مولوی سعد اللہ مرحوم کے نواسے کی ہے اور دوسری اس نواسے کے متعلق ہے۔ اور ان سے مرزا صاحب کے اس دعویٰ کی تردید ہوتی ہے کہ مولوی سعد اللہ مرحوم ابتر تھے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اپنے اخبار میں شائع ہونے ایک مضمون پر اپنے ادارتی نوٹ میں لکھتے ہیں۔

'مولوی سعد اللہ مرحوم لدھیانہ میں فوت ہوئے تو مرزا صاحب نے ان کو ابتر لکھا۔ حالانکہ ان کا لڑکا موجود تھا۔ اب جو لڑکا مذکور اچھی عمر پا کر فوت ہوا تو پھر مرزائیوں نے مولوی سعد اللہ کو ابتر کہا۔ اب ایک جدید انکشاف ہوا ہے کہ مولوی سعد اللہ کا نواسہ موجود ہے اور اس کا نام عبد الکبیر ہے۔ یہ صاحب موضع کوم کلاں ضلع لودھیانہ میں رہتے ہیں اور انہوں نے ابتر کے موضوع پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے۔'

(اہل حدیث۔ ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

اور اگلے شمارے میں مولانا مرحوم نے عبد الکبیر صاحب کا مضمون شائع کیا جس سے چند اقتباسات ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔ عبد الکبیر صاحب لکھتے ہیں۔

'مرزائیوں کا یہ دعویٰ کہ مولوی سعد اللہ صاحب نمونیا پلیگ سے مرے ہیں تو اس کو ثابت کرنے والا مجھ سے اسی قدر انعام پائے جس قدر کہ بمقام لدھیانہ سردار اہلحدیث (مولانا امرتسری، مرزائیوں سے) حاصل کر چکے ہیں۔ جہاں تک نانا جان کے ابتر ہونے کا تعلق ہے تو سو خوب سمجھ لو کہ کسی کی اولاد نرینہ نہ ہونے سے وہ شخص ابتر نہیں ہو جایا کرتا۔ اگر ایسا ہوتا تو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ رسول کریم ﷺ کے بارے میں کیا کہو گے جن کے صاحبزادگان آپؐ کی زندگی ہی میں داغ مفارقت دے گئے تھے اور یہودی بغلیں بجاتے پھرتے تھے۔ اور پھر سوائے حسنین علیھم السلام کے آپ ﷺ کے دل کی ٹھنڈک

کیا تھی؟ اسی طرح نسلاً بعد نسل (سادات کی شکل میں) جس طرح رسول اکرم ﷺ کی نسل موجود ہے۔ بعینہ میں مسمی عبدالکبیر مولوی سعداللہ مرحوم کا نواسہ موجود ہوں۔ صرف میں ہی نہیں بلکہ ان کی دختر، ایک نواسی، ایک پڑنواسی موجود ہیں اور ایک داماد بھی۔'

(اہل حدیث امرتسر۔۲۲۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء ص ۷۔۸)

عبدالکبیر صاحب تحریک ختم نبوت میں کام کرتے رہے ہیں اور انہوں نے ایک مرتبہ ایک مشہور مرزائی کو مرزا محمود کے کردار کے بارے میں چیلنج بھی کیا تھا جس کا ایک عرصہ تک جواب نہ آیا تو انہوں نے یاد دہانی کے طور پر لکھا

منشی عمرالدین شملوی کو اخبار اہل حدیث میں خلیفہ قادیان کے کردار پر حلف مئوکد بعذاب اٹھانے کی دعوت دی گئی تھی مگر آج تک وہ اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ کیا وجہ ہے؟ عبدالکبیر نواسہ مولوی سعداللہ کوم کلاں ضلع لودہانہ۔' (اہل حدیث۔۱۱ مئی ۱۹۲۸ء ص ۱۵)

مولانا امرتسریؒ نے اپنی زندگی کے آخری دور میں مرزا صاحب اور مولوی سعداللہ کے باہمی تعلق پر ایک مضمون لکھا تھا جو یوں ہے۔

اہل حدیث ۱۶ نومبر ۱۹۴۵ء میں اس بات کا ذکر آ گیا تھا کہ مرزا صاحب غصہ میں بدگوئی کرتے ہوئے آپے سے باہر نکل جاتے تھے اور مولوی سعداللہ لدھیانوی کو انہوں نے زانیہ کا بیٹا لکھ دیا تھا حالانکہ مولوی سعداللہ مرحوم نے ان کی والدہ ماجدہ کو ایسے مکروہ الفاظ سے یاد نہیں کیا۔ اس کے جواب میں الفضل کے ایک نامہ نگار نے قادیانی علم کلام کے طریق پر 'سوال از آسمان جواب از ریسماں' کے مطابق یہ جواب دیا کہ مولوی سعداللہ نے اپنی نظموں میں بہت برے لفظوں سے مرزا صاحب کا ذکر کیا تھا۔ چنانچہ مولوی سعداللہ مرحوم کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں جو یہ ہیں۔

ارے او بے وفا غدار مرزا ارے پر فتنہ و مکار مرزا
ارے او خود غرض خود کام مرزا ارے منحوس نافرجام مرزا
مسیح کاذب و مہدئ کذاب سراسر جھوٹ کے انبار مرزا
ڈبویا قادیان کا نام تو نے کہیں کیا اے بد و بدنام مرزا
ہوا بحث نصاریٰ میں بآخر مسیحائی کا یہ انجام مرزا

(الفضل ۲۹ نومبر ۱۹۴۵ء ص ۳)

(مولانا امرتسری کہتے ہیں کہ) ان اشعار سے (مرزائی) راقم مضمون نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مولوی سعداللہ، مرزا صاحب کے حق میں سخت بدگو تھے۔ ہم بھی مانتے ہیں وہ سخت گو تھے لیکن ہمارا سوال یہ تھا کہ مولوی سعداللہ مرحوم نے مرزا صاحب کی والدہ ماجدہ کو ان الفاظ سے یاد نہیں کیا جن لفظوں سے مرزا صاحب نے مولوی سعداللہ کی والدہ کا ذکر کیا ہے۔ یعنی اس کو بغاء (زانیہ) لکھا ہے۔ قانون رائج الوقت کی دفعہ ۵۰۰ میں ذکر ہے کہ کسی مصنف کے حق میں بدگوئی کرنا جو اس کی تصنیف اور دعوے سے تعلق رکھتی ہو، توہین نہیں ہے مگر اس حد سے تجاوز کر کے اس کو حرام زادہ وغیرہ کہنا یہ سزا کا مستوجب ہے۔

قادیانی ممبروں۔ قرآن و حدیث سے تم دور ہٹ گئے ہو تو قانون وقت سے دور نہیں ہو سکتے۔ مرزا صاحب، مولوی سعداللہ پر ان کے الفاظ مذکورہ کی بنا پر دفعہ ۵۰۰ کے ماتحت استغاثہ نہیں کر سکتے تھے مگر سعداللہ مرحوم مرزا صاحب کے الفاظ کی بنا پر استغاثہ کر سکتا تھا۔ اور اگر اس نے زندگی میں نہیں کیا تو یوم الجزاء کو جب اس کی والدہ قذف (تہمت زنا) پر استغاثہ دائر کرے گی تو مرزا صاحب اور ان کے حواری کیا جواب دیں گے؟ یہی نا جو کسی شاعر نے اپنے ظالم معشوق کے حق میں کہا ہوا ہے ؎

عجب مزا ہو کہ محشر میں ہم کریں شکوہ وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کے لئے'

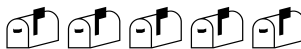
(اہل حدیث امرتسر۔ ۴۔ جنوری ۱۹۴۶ء ص ۲)

کتاب ھٰذا کے حصہ اول میں مولوی محمد حسن لدھیانوی کے کسی قدر حالات درج ہوئے تھے۔ اس حصے کی اشاعت کے بعد ہمیں درج ذیل تحریر دستیاب ہوئی ہے جس سے ان کے حالات پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

لودہانہ پنجاب میں ایک مشہور اور تاریخی شہر ہے جس کو ایک لودھی بادشاہ نے آباد کیا تھا اسی شہر میں ایک عظیم الشان تاریخی مناظرہ مابین اہل اسلام و مرزائی جماعت ہوا۔ اسلامی مناظر مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری فاتح قادیان تھے اور مرزائی جانب سے منشی قاسم علی صاحب دہلوی تھے۔ ثالث نے فتح کا سہرہ اسلام کے سر باندھا۔ اسی لدھیانہ میں شیخ سعداللہ صاحب نومسلم ہوا کرتے تھے جو مرزا غلام احمد قادیانی کے اشد مخالفین میں سے تھے۔...... یہاں پر مسلم آبادی کافی ہے لیکن اہل حدیث کی تعداد ایسی ہے جیسے آٹے میں نمک۔ اس شہر میں ایک بزرگ تھے جو کہ میاں صاحب کے نام سے مشہور تھے اور

اسم گرامی مولانا محمد حسن تھا۔ آپ شہر کے معزز رئیس اور اچھے خاصے عالم بھی تھے۔ آپ کا احترام اہل لودہانہ نیز حکام وقت بہت کرتے تھے۔ آپ خوش خلق متواضع اور غریب نواز تھے۔ آپ کی آمدنی تخمیناً پچیس ہزار روپیہ سالانہ تھی۔ زیادہ خصوصیت یہ تھی آپ کہ مذھباً اہل حدیث تھے۔ آپ کے دل میں مذہب اہل حدیث کا بہت درد تھا۔ آپ کی وجہ سے شہر لودہانہ میں ایک اچھی خاصی تعداد اہل حدیث کی ہوگئی تھی۔ اور دو مساجد بھی الحمدللہ اہل حدیث کی تھیں۔ آپ کی وجہ سے اہلحدیث لوگ مسجد احناف میں باجماعت نماز میں آمین بالجھر اور رفعیدین کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ علماء حقانی اہل حدیث کو دعوت دے کر بلاتے اور وعظ ونصیحت کراتے اور اہل علم کو اپنے مکان پر ٹھہراتے۔ آپ کے علاوہ شہر میں معزز اہل حدیث مولانا غضنفر علی۔ بابو ہدائت علی۔ بابو برکت علی مرحوم بہت جوشیلے اہل حدیث تھے۔ آپ کانفرنس اہل حدیث کے اجلاس میں شامل ہوتے تھے۔ مولانا محمد حسن مرحوم نے وفات سے قبل وصیت فرمائی کہ ایک دینی مدرسہ اہل حدیث قائم کیا جائے اور مدرس وطلبا وغیرہ سب اہل حدیث ہوں۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے داماد میاں عبدالرحیم صاحب نے جو مذہباً اہل حدیث تھے مولانا مرحوم کی وصیت کے موافق مدرسہ اہل حدیث قائم کیا۔ معلم ومتعلم سب اہل حدیث رکھے اور ایک عرصہ تک مولوی علی محمد صاحب فیروزپوری تفسیر وحدیث کا درس دیتے رہے۔ آپ سے بہت سے طلبا کامیاب ہوکر چلے گئے۔ گردونواح کے لوگ اکثر مولوی علی محمد صاحب سے مسئلہ و فتویٰ دریافت کرتے جس سے بہت کچھ دیہات میں توحید کی اشاعت ہوئی۔ میاں عبدالرحیم صاحب مرحوم بہت خوش خلق اور کم گو آدمی تھے۔ آپ بھی ہمیشہ علماء اہل حدیث کو بلاتے اور خاطر تواضع سے پیش آتے اور وعظ نصیحت کراتے۔ آپ وقتاً فوقتاً اہل حدیث کو کافی امداد دیتے۔ اس کے علاوہ مدارس اہل حدیث کا خیال رکھتے تھے۔

(اہل حدیث امرتسر۔ ۸۔ نومبر ۱۹۲۹ء)



کتابیات

حصہ اول میں مذکور کتب و رسائل کے علاوہ اس حصے میں درج ذیل کتب و رسائل سے بھی استفادہ کیا گیا ہے

احسن التفاسیر۔ جلد اول۔ مولانا احمد حسن دہلوی۔ تقدیم، محمد عطاء اللہ حنیف
اسلامیہ پاکٹ پاکٹ بک (مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی امت کی حقیقت)۔ محمد مسلم۔ کراچی ۱۹۷۶ء
الارشاد الی سبیل الرشاد۔ محمد شاہ جہان پوری۔ اہل حدیث اکیڈیمی لاہور۔ ستمبر ۱۹۶۶ء
الجسر البلیغ۔ عنائت اللہ اثری گجراتی۔ در رسائل اہل حدیث۔ جلد دوم۔ لاہور۔ ۱۹۹۱ء
اہل حدیث اور سیاست۔ مولانا نذیر احمد رحمانی۔ طبع دوم۔ جامعہ سلفیہ بنارس۔ ۱۹۸۶ء
تاریخ محاسبہ قادیانیت۔ اعجاز فاروق اکرم۔ فیصل آباد
تحریک شیخ الہند۔ محمد میاں۔ کراچی۔ ۱۹۸۸ء
تذکرہ شہداء۔ محمد خالد سیف۔ لاہور۔ ۱۹۸۳ء
پاک و ہند میں علمائے حدیث کی خدمات حدیث۔ ارشاد الحق اثری۔ فیصل آباد۔ ۱۹۹۰ء
پرانے چراغ۔ ابوالحسن علی ندوی۔ مجلس نشریات اسلام۔ طبع دوم۔ کراچی ۱۹۷۵ء
جماعت اہل حدیث کی تدریسی خدمات۔ عابد حسن۔ عزیز الرحمٰن سلفی۔ بنارس۔ ۱۹۸۰ء
حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان۔ مولانا عبدالعزیز۔ اہل حدیث اکیڈمی لاہور۔ ۱۳۸۵ھ
حیاۃ طیبہ (سوانح مرزا غلام احمد) سوداگرمل۔ لاہور۔ ۱۹۵۹ء
سرگذشت مجاہدین۔ مولانا غلام رسول مہر
فتاوی سلفیہ۔ محمد اسماعیل سلفی۔ اسلامک پبلشنگ کمپنی لاہور۔ ۱۹۹۱ء
کاروان سلف۔ محمد اسحاق بھٹی۔ مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد۔ ۱۹۹۹ء
مباحثہ سرگودھا۔ مکتبہ ناصریہ۔ فیصل آباد
مشاہدات کابل و یاغستان۔ محمد علی قصوری۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی

مقالات ۔ عبدالقیوم ۔ مکتبہ سلفیہ لاہور ۔ ۱۹۹۷ء
یادرفتگان ۔ سید سلیمان ندوی ۔ مجلس نشریات اسلام کراچی ۔ ۱۹۸۳ء

اخبارات ورسائل

ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر، متعدد شمارے
التوعیہ ۔ دہلی ۔ اگست ۱۹۸۹ء
فکر ونظر ۔ اسلام آباد ۔ جنوری تا جون ۱۹۹۹ء ۔ جلد ۳۶ شمارہ ۳۔۴
ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۔ متعدد شمارے